اسلامی زندگی کی کہکشاں

آباد شاہ پوری

[illegible]ین اسلامک پبلشرز
۱۴-۱۳، اے شاہ عالم مارکیٹ، لاہور

اسلامی زندگی کی کہکشاں
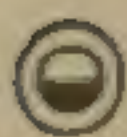
آباد شاہ پوری

◉

اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ

۱۳-ای، شاہ عالم مارکیٹ لاہور

طابع .... اشفاق مرزا مینجنگ ڈائرکٹر

ناشر .... اسلامک پبلیکیشنز، لمیٹڈ لاہور

مطبع .... شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور

طبع اول .... دو ہزار

قیمت ۱۳/۵۰ روپیے

مندرجات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

اندھیری رات میں آسمان پر ایک اُجلا اُجلا دودھیا سا راستہ دُور تک جاتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ راستہ اَن گنت چھوٹے چھوٹے ستاروں سے وجود میں آیا ہے جنہیں بظاہر ہیں آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ ان سے پھوٹنے والی چاندی کی خنک بیز کرنوں کے باہمی امتزاج سے ایک بڑا ہی حسین اور جانفزا منظر کھنچ گیا ہے۔ اس آسمانی کہکشاں سے کہیں بڑھ کر دلکش اور رُوح پرور کہکشاں انسانی تاریخ کے اندھیروں میں حدِ نظر تک چلی جاتی ہے۔ یہ کہکشاں کتاب و سُنّت کے نور سے منوّر زندگیوں سے وجود میں آئی ہے۔ یہ زندگیاں اگر نہ ہوتیں تو خون کی ندیوں، سروں کے میناروں، سولیوں پر لٹکتی ہوئی لاشوں، حرص و ہوس کی جلوہ گریوں اور جبر و استحصال کی ستم رانیوں کے سوا انسانی تاریخ کے دامن میں اور کوئی متاع نہ ہوتی۔ یہی وہ زندگیاں ہیں جن کے کردار سے پھوٹنے والی روشنی چاروں اُور پھیلی ہوئی ہلاکت خیز ظلمتوں میں انسان کو زندہ اور سربلند رہنے کا حوصلہ اور قوت بخشتی ہے۔ ہم مسلمانوں کی تاریخ میں اس کہکشاں کو وجود بخشنے والی زندگیاں اور ان کے درخشندہ و تابندہ پہلو اتنی کثرت سے ملتے ہیں کہ ہزاروں اوراق بھی انہیں سمیٹنے سے عاجز ہیں۔ اس لیے اس مختصر کتاب میں ہم نے صرف چند زندگیوں کے ایک ایک دو دو چمکتے دمکتے

پہلو پیش کیے ہیں۔

ان زندگیوں اور واقعات کے انتخاب میں کوئی خاص ترتیب اور منصوبہ پیش نظر نہ تھا۔ تاریخ و سوانح کا مطالعہ کرتے ہوئے جو درخشاں واقعہ نظر سے گزرا، اسے افادہ کا پیکر دے دیا۔ پھر انہیں اس طرح مرتب کر دیا کہ اسلامی زندگی اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ سامنے آجاتی ہے۔ اس زندگی میں پاکیزگی و سادگی بھی ہے، باوقار حسن و جمال بھی، ذوق و شوق بھی ہے اور عظمت و جلال بھی۔ یہاں ایک مسلمان کی زندگی کا تقریباً ہر پہلو حسن شان اور آب و تاب کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے جو کتاب و سنت کا مقصود و مطلوب ہے۔ "پہاڑی کے چراغ" کی طرح یہ کتاب بھی محض واقعہ نگاری کا مرقع نہیں بلکہ اپنے اندر فکر و کردار کی اصلاح و تربیت کی متاع بے بہا اور ایمان و یقین اور عزم و عمل کا حیات بخش پیغام بھی رکھتی ہے۔

لاہور۔ ۲۵ شوال المکرم ۱۳۹۷ھ

مطابق

۱۰ اکتوبر ۱۹۷۷ء

آباد شاہ پوری

۱
۱
اسلامی زندگی کی بنیادیں

اللہ تعالیٰ کا کلام، قرآن کریم اور ہادیٔ برحق سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث وہ نورانی اصول اور بنیادیں ہیں جن پر اسلامی زندگی کی عمارت استوار ہوتی ہے اور جن پر تاریخ کا ایک عظیم ترین، متوازن و پاکیزہ اور حسین و جمیل اسلامی معاشرہ وجود میں آچکا ہے۔ حق و ہدایت کے ان سرچشموں سے پھوٹنے والی روشنی سے آج بھی ہم اپنی تاریک زندگیوں کو منور کرسکتے ہیں۔

قرآن کی زبان میں

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ ۔ (آلِ عمران ۱۹)

اللہ کے نزدیک نظامِ زندگی صرف اسلام ہے ۔

○

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۚ (المائدہ: ۳)

آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین (نظامِ زندگی) کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے ۔

○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (البقرہ: ۲۰۸)

اے ایمان لانے والو، تم پورے کے پورے اسلام میں آجاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ۔

○

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ

عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ (آل عمران)

تم دنیا میں وہ بہترین گروہ ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

○

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللّٰهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا (نساء ۲۰)

اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار اور خدا کے گواہ بنو، اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب اللہ تم سے زیادہ ان کا خیرخواہ ہے۔ لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔

○

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (نساء ۸)

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ۔

○

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (التوبہ: ۱۱۱)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے اور مارتے اور مرتے ہیں۔ ان سے جنت کا وعدہ اللہ کے ذمے ایک پختہ وعدہ ہے توراۃ، انجیل اور قرآن میں۔ اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کا پورا کرنے والا ہو؟ پس خوشیاں مناؤ اس سودے پر جو تم نے خدا سے چکایا ہے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

○

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ

الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ

وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ

وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ

إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ

فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

(المومنون) ۱:۱۰

یقیناً فلاح پائی اہلِ ایمان نے جو
اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں
لغویات سے دور رہتے ہیں
زکوٰۃ کے طریقے پر عامل ہوتے ہیں
اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں اور عورتوں کے
جو ان کی ملکِ یمین ہوں کہ ان پر محفوظ نہ رکھنے میں، قابلِ ملامت
نہیں ہیں۔ البتہ جو اس کے علاوہ کچھ اور چاہیں، وہی زیادتی کرنے والے ہیں۔
اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں۔
اور اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں
یہی لوگ وارث ہیں جو میراث میں فردوس پائیں گے اور اس میں ہمیشہ
رہیں گے۔

○

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ
الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ؕ
وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ؕ
وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ

غَرَامًا ۝ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝ (الفرقان: ۶۳ تا ۷۴)

رحمان کے (اصلی) بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں اور جب جاہل ان کے منہ آتے ہیں تو انہیں سلام کہہ دیتے ہیں۔

جو اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں۔

جو دُعائیں کرتے ہیں کہ "اے ہمارے رب، جہنّم کے عذاب سے ہمیں بچا لے، اُس کا عذاب تو جان کا لاگو ہے، وہ تو بڑا ہی بُرا مستقر اور مقام ہے۔

جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل، بلکہ اُن کا خرچ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر رہتا ہے۔

جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے، اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ کام جو بھی کرے وہ اپنے

گناہ کا بدلہ پائے گا، قیامت کے روز اُس کو مکرر عذاب دیا جائے گا اور اسی میں ہمیشہ ذلت کے ساتھ پڑا رہے گا۔ اِلّا یہ کہ کوئی (ان گناہوں کے بعد) توبہ کر چکا ہو اور ایمان لاکر عمل صالح کرنے لگا ہو۔ ایسے لوگوں کی بُرائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا اور وہ غفور رحیم ہے۔ جو شخص توبہ کر کے نیک عمل اختیار کرتا ہے وہ تو اللہ کی طرف پلٹ آتا ہے جیسا کہ پلٹنے کا حق ہے۔

(اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں) جو جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے اور کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہو جائے تو شریف آدمیوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔

جنہیں اگر ان کے رب کی آیات سُنا کر نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس پر اندھے اور بہرے بن کر نہیں رہ جاتے۔

جو دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب، ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک بخش اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا۔

(ب)

رسولِ کریمؐ کے ارشادات

اسلام اور ایمان

اسلام یہ ہے کہ تم یہ شہادت ادا کرو کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمدؐ اس کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، ماہِ رمضان کے روزے رکھو اور حجِ بیت اللہ کی استطاعت ہو تو حج کرو۔

ایمان یہ ہے کہ اللہ کو، اُس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اُس کے رسولوں اور روزِ قیامت کو حق جانو اور مانو اور ہر خیر و شر کی تقدیر کو حق جانو اور مانو۔

جو کوئی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمدؐ، اللہ کے رسول ہیں، اللہ نے اس شخص پر دوزخ کی آگ حرام کر دی۔

ایمان کی ستر سے اُوپر (یعنی بہت سی) شاخیں ہیں ان میں سب سے اعلیٰ اور افضل لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہونا اور ادنیٰ درجے کی چیز اذیت اور تکلیف دینے والی چیزوں کو راستے سے ہٹانا ہے اور حیا ایمان کی ایک اہم شاخ ہے۔

جب تمہیں اپنے اچھے عمل سے مسرت حاصل ہو اور بُرے کام سے رنج اور قلق تو (یہ اس بات کی علامت ہے کہ) تم صاحبِ ایمان ہو۔

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔

جس نے اللہ ہی کے لیے کسی سے محبت کی اور اللہ ہی کے لیے دشمنی کی اور اللہ ہی کے لیے دکسی کو کچھ) دیا اور اللہ ہی کے لیے دکسی شخص سے) کوئی چیز روک لی تو اس نے اپنے ایمان کی تکمیل کر لی۔

مسلمان وہ ہے جس کی زبان درازیوں اور دست درازیوں سے مسلمان محفوظ ہیں اور مومن وہ ہے جس کی طرف سے لوگوں کو اپنی جانوں اور مالوں کا کوئی خطرہ نہ ہو۔

مسلمانوں میں کامل الایمان وہ ہے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔

جس میں امانت کی خصلت نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس میں عہد کی پابندی نہیں اس کا دامن دین سے تہی ہے۔

جو شخص کسی ظالم کی مدد کے لیے اور اُس کا ساتھ دینے کے لیے چلا در آنحالیکہ وہ جانتا تھا کہ جس شخص کا وہ ساتھ دے رہا ہے وہ ظالم ہے تو وہ شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہو گیا۔

ایمان کی حلاوت اور مزہ اُسی کو ملے گا جس میں تین باتیں پائی جائیں گی۔

اُس کو اللہ اور رسولؐ کی محبت دنیا بھر سے زیادہ ہو۔

جس آدمی سے بھی محبت ہو محض اللہ کے لیے ہو۔

یمان کے بعد کفر کی طرف پلٹنے سے اتنی نفرت اور ایسی اذیت ہو جیسی آگ میں ڈالے جانے سے ہوتی ہے۔

اخلاقیات

قیامت کے دن مومن کی میزانِ عمل میں سب سے زیادہ بھاری چیز جو رکھی جائے گی، وہ اس کے اخلاق ہوں گے۔

دو خوبیاں اللہ کو پسند ہیں : بردباری (غیر جذباتیت) اور وقار و سنجیدگی۔ سادہ زندگی ایمان کے اوصاف میں سے ہے۔

جو لوگ دوسروں پر رحم نہیں کھاتے وہ اللہ کی رحمت سے محروم رہیں گے۔

زمین پر رہنے بسنے والی مخلوق خدا پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

حرص و بخل اور ایمان کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔

دھوکے باز، بخیل اور احسان جتانے والا آدمی جنت میں نہ جا سکے گا۔

بدترین زیادتی کسی مسلمان کی عزت پر ناحق حملہ کرنا ہے۔

جو شخص صلۂ رحمی کے پیشِ نظر دوسروں کو دینے کا دروازہ کھولے گا، اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کو اور بہت زیادہ دیں گے۔

اللہ کا جو بندہ کسی بے شوہر، بے سہارا عورت اور کسی مسکین حاجت مند آدمی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتا ہے، اس کا اجر و ثواب اللہ کی راہ میں دوڑ دھوپ کرنے والے مجاہد کی مانند ہے۔

حسد کے مرض سے بچو، حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو۔

سخت گو اور درشت خو آدمی جنت میں نہیں جائے گا۔

بُرے ساتھیوں کی ہم نشینی سے اکیلے رہنا اچھا ہے اور اچھے ساتھی کے ساتھ بیٹھنا تنہائی سے بہتر ہے۔

بدترین بندے وہ ہیں جو چغلیاں کھاتے ہیں، دوستوں میں تفریق پیدا کرتے اور اللہ کے پاک دامن بندوں کو کسی گناہ میں ملوث یا کسی پریشانی میں مبتلا کرتے ہیں

کوشاں رہتے ہیں۔

وعدہ بھی ایک طرح کا قرض ہے۔

جس نے کسی شخص کا کوئی مخفی عیب دیکھ لیا اور اس پر پردہ ڈال دیا تو یہ ایسا ہے جیسے کسی نے ایک زندہ گاڑی ہوئی بچی کو موت سے بچا لیا۔

جس شخص سے مشورہ لیا جائے، اُس کو امین ہونا چاہیے (یعنی اُسے چاہیے کہ صحیح مشورہ دے)

مجالس امانت سے وابستہ ہیں (یعنی مجلسوں کی گفتگو کو امانت کے طور پر سمجھنا چاہیے) سوائے تین مجالس کے (یعنی ان کی گفتگو خفیہ نہیں رکھنی چاہیے بلکہ ظاہر کر دینی چاہیے) ایک وہ مجلس جس میں گفتگو کا موضوع حرام چیزیں رہی ہوں، دوسری وہ مجلس جس میں زناکاری کا مشورہ کیا گیا اور تیسری وہ مجلس جس میں کسی کا مال چھین لینے کا مشورہ کیا گیا ہو۔

جہاں جس حال میں ہو، خلوت میں ہو یا جلوت میں، آرام میں ہو یا تکلیف میں، اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر بُرائی کے پیچھے نیکی کرو وہ اس کو مٹا ڈالے گی اور اللہ کے بندوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آؤ۔

(حضور نبی اکرمؐ کی ابوذرؓ کو نصیحت)

چار خصلتیں ایسی ہیں کہ اگر وہ تمہیں نصیب ہو جائیں تو پھر دنیا اور اس کی نعمتوں کے فوت ہو جانے اور ہاتھ نہ آنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

۱۔ امانت کی حفاظت۔

۲۔ صدق گفتاری۔

- حُسنِ اخلاق۔
- کھانے میں احتیاط اور پرہیزگاری۔

معاشرت وتمدن

اے نوجوانو، تم میں سے جو نکاح کی ذمہ داریاں اُٹھانے کی استطاعت رکھتا ہے، اُسے نکاح کر لینا چاہیے، کیونکہ یہ نگاہ کو نیچا رکھتا اور شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے۔

عورتوں سے اُن کے حُسن کی خاطر شادیاں نہ کرو۔ ممکن ہے اُن کا حُسن انہیں بگاڑ دے، اور نہ اُن کے مال ودولت کی خاطر بھی شادیاں نہ کرو کہ ہوسکتا ہے اُن کے اموال انہیں سرکش بنا دیں۔ ان میں جو چیز تمہیں دیکھنی چاہیے، وہ دین ہے۔ ایک کالی کلوٹی کم عقل لونڈی بھی اگر دیندار ہو، تو وہ دوسری عورتوں سے افضل ہے۔

تم میں بہتر آدمی وہ ہے جو اپنے اہل وعیال، اعزہ واقارب اور نوکروں چاکروں کے ساتھ بہترین سلوک کرے اور اخلاق سے پیش آئے۔

جو عورت بلاوجہ اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے، اُس پر جنت کی بو حرام ہے۔

وہ شخص ذلت وخواری سے ہمکنار ہوا جس نے اپنے والدین میں سے ایک یا دونوں کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور پھر ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہوا۔

جو شخص رشتہ داروں کے حُسنِ سلوک کے جواب میں حُسنِ سلوک کرتا ہے، تو یہ کوئی درجۂ کمال نہیں ہے۔ کمال درجے کی صلہ رحمی یہ ہے کہ جب دوسرے رشتہ دار اس سے قطعِ تعلق کریں، وہ ان کے ساتھ اپنا تعلق جوڑے اور اُن کے

حقوق ادا کرے۔

سب سے بہتر ذخیرہ خدا کو یاد کرنے والی زبان اور شکر خدا کے جذبے سے معمور دل اور نیک بیوی ہے جو دین کی راہ پر چلنے میں اپنے شوہر کی مدد گار بنتی ہے۔

جب انسان مرجاتا ہے، تو اس کا عمل ختم ہوجاتا ہے، مگر تین قسم کے اعمال کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ صدقۂ جاریہ کر جائے یا ایسا علم چھوڑ جائے جس سے لوگ فائدہ اُٹھائیں، تیسرے نیک لڑکا جو اُس کے لیے دُعا کرتا رہے۔

مسلمانوں کا سب سے بہتر گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہے اور اُس کے ساتھ اچھا سلوک ہوتا ہے اور بدتر گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بُرا سلوک کیا جاتا ہے۔

جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں انہیں چاہیے کہ اپنے مہمانوں کی خاطرداری کریں۔

وہ شخص مومن نہیں ہے جو خود تو پیٹ بھر کر کھائے اور اُس کا پڑوسی جو اس کے پہلو میں رہتا ہو بھوکا رہے۔

بہتر صدقہ یہ ہے کہ تُو کسی بھوکے کو پیٹ بھر کھلائے۔

اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی حمایت ایسے موقع پر نہیں کرتا جہاں اس کی تذلیل کی جا رہی ہو اور اس کی عزت پر حملہ ہو رہا ہو، تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی حمایت ایسے مواقع پر نہیں کرتا جہاں وہ اللہ کی مدد کا خواہاں ہو اور اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی حمایت کسی ایسے موقع پر کرتا ہے جہاں اس کی عزت پر حملہ کیا جا رہا ہو اور اس کی توہین و تذلیل

ہو رہی ہو تو اللہ عزّ وجلّ اس کی مدد ایسے مواقع پر کرتا ہے جہاں وہ چاہتا ہے کہ اللہ اُس کی مدد کرے۔

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں :

جب تو مسلمان بھائی سے ملے، تو اُس کو سلام کر اور جب وہ تجھے دعوت دے تو اُس کی دعوت قبول کر اور جب وہ تجھ سے خیر خواہی چاہے تو خیر خواہی کر اور جب اُسے چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو اس کا جواب دے یرحمک اللہ کہے) اور جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کر اور جب وہ مر جائے۔ تو اس کے جنازے کے ساتھ جا۔

کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے بول چال بند رکھے۔

جو شخص کسی مسلمان کو ضرر پہنچائے یا اُس کے ساتھ مکر و فریب کرے۔ وہ ملعون ہے۔

دو آدمیوں کے درمیان گھُس کر مت بیٹھو جب تک ان سے اجازت حاصل نہ کر لو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے نکل رہے تھے کہ (دیکھا) راستے میں مرد عورتوں سے مل گئے یعنی مخلوط ہو کر چلنے لگے۔ آپ نے عورتوں سے مخاطب ہو کر فرمایا :

مردوں کے پیچھے پیچھے چلا کرو۔ راستوں کے بیچوں بیچ چلنا مناسب نہیں، سڑک کے کنارے کنارے چلا کرو۔

(ابو سعید انصاری کہتے ہیں اس حکم کے بعد عورتیں دیواروں کے ساتھ اس طرح لگ کر چلتی تھیں کہ بعض اوقات اُن کا کپڑا دیوار سے اٹک جایا کرتا)

اس مرد پر جو عورتوں کا لباس پہنے اور اُس عورت پر جو مردوں کا لباس پہنے لعنت ہو۔

معاملات

کوئی بندہ حرام مال کمائے اور پھر اس میں سے راہِ خدا میں صدقہ خیرات دے، تو اللہ اس صدقے کو قبول نہیں کرے گا اور اگر وہ اپنی ذات اور گھر والوں پر خرچ کرے گا تو برکت سے خالی ہو گا، اگر وہ مالِ حرام چھوڑ کر مرا تو وہ اس کے جہنم کے سفر میں زادِ راہ بنے گا۔

انسان کی سب سے اچھی کمائی وہ ہے جو وہ اپنے ہاتھ کی محنت سے کماتا ہے۔

نیز وہ تجارت جس میں تاجر بے ایمانی اور جھوٹ سے کام نہیں لیتا۔

سچائی کے ساتھ لین دین کرنے والا امانت دار تاجر قیامت کے روز نبیوں صدیقوں اور شہیدوں کی معیت میں ہو گا۔

اپنا مال بیچنے کے لیے قسمیں کھانے سے بچو۔ یہ بات وقتی طور پر تو تجارت کو فروغ دیتی ہے، لیکن آخر کار اس سے برکت ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔

وہ شخص جو اشیائے ضرورت کو نہیں روکتا بلکہ وقت پر بازار میں لاتا ہے، وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہے۔ اللہ اُسے رزق دے گا اور وہ شخص جو احتکار (اشیائے ضرورت کو روک لینا) کرتا ہے، اللہ کے نزدیک ملعون ہے۔

کسی شخص کے ہاتھ کوئی چیز بیچتے وقت اس کے نقص کو چھپانا جائز نہیں

ہے اور اگر کوئی شخص اس کے عیب سے واقف ہے، تو اُسے دوسرے خریدار کو صاف صاف بتا دینا چاہیے۔

جو شخص قیامت کے روز غم اور گھٹن سے نجات چاہتا ہے، اُسے تنگدست قرض دار کو مہلت دینی چاہیے یا (قرض معاف کر کے) اُس کو اِس بار سے سبکدوش کر دینا چاہیے۔

خدا کی راہ میں جان دینے والے شخص کا ہر گناہ معاف کر دیا جائے گا، سوائے قرض کے۔

جو شخص کسی کی بالشت بھر زمین بھی ظلم سے لے گا، خدا قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق اس کی گردن میں ڈالے گا۔

جس شخص نے تم پر اعتماد کر کے اپنی امانت تمہارے پاس رکھی ہے، اس کی امانت واپس کر دو اور جو تم سے خیانت کرے، تم اُس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔

کسی آدمی کا مال اُس کی رضامندی کے بغیر لینا جائز نہیں ہے۔

مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اُس کی مزدوری دے دو۔

رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے والے پر اللہ کی لعنت ہو۔

سُود کھانے والے پر، سُود کھلانے والے پر، اُس کے گواہوں پر اور سُود کی دستاویز) لکھنے والے پر اللہ کی لعنت ہو۔

آداب

کیا مَیں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں جس پر عمل پیرا ہونے سے تمہارے درمیان محبت میں اضافہ ہو۔ وہ یہ ہے کہ سلام کو رواج دو۔

سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے اور پیادہ بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے آدمی زیادہ آدمیوں کو سلام کریں۔

جب تم میں سے کوئی شخص کسی مجلس میں پہنچے تو سلام کرے اور اگر بیٹھنے کی ضرورت ہو تو بیٹھ جائے اور پھر واپس چلنے لگے تو دوبارہ سلام کرے۔

جو شخص کسی مجلس سے اٹھ کر کہیں چلا جائے اور پھر واپس آ جائے تو اپنی جگہ پر بیٹھنے کا حق اسی کو حاصل ہے۔

دو بیٹھے ہوئے آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر گھس کر بیٹھ جانا جائز نہیں۔

اوندھا لیٹنا خدا کو پسند نہیں، لیٹنے کا یہ طریقہ دوزخیوں کا ہے۔

وہ شخص ملعون ہے جو اپنے گرد و پیش لوگوں کا حلقہ بنا کر بیٹھے۔

کوئی مرد عورتوں کے درمیان نہ چلے۔

بہترین مجلس وہ ہے جو کشادہ جگہ میں منعقد ہو۔

جب کسی کو جمائی آئے تو اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لے۔

کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں نہ پیشاب کرے نہ غسل۔

بسم اللہ پڑھو، داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے آگے سے کھاؤ۔

سب مل کر کھاؤ، علحدہ علحدہ نہ کھاؤ، اس لیے کہ جماعت میں برکت ہوتی ہے۔

کھڑے ہو کر پانی نہ پیو۔۔۔ اور ایک سانس میں اونٹ کی طرح نہ پیو بلکہ دو تین سانس میں پیا کرو۔

سوتے وقت آگ بجھا دو۔

کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرو۔

اصلاح و تربیت

مومن کا حال بھی عجیب ہے۔ وہ ہر حالت میں خیر اور بھلائی سمیٹتا ہے۔ اگر اُسے تنگدستی، بیماری اور دکھ آلیتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور اگر کشادگی اُس پر سایہ گستر ہوتی ہے۔ تو شکر کرتا ہے۔ دونوں حالتیں اس کے لئے بھلائی کا سبب بنتی ہیں۔

حیا کی صفت اپنے دامن میں بھلائی ہی بھلائی رکھتی ہے۔

کسی مسلمان کو کوئی نفسی تکلیف، کوئی جسمانی بیماری، کوئی دکھ اور غم پہنچتا ہے اور وہ اس پر صبر کرتا ہے تو اللہ اس کی خطائیں معاف کر دیتا ہے حتیٰ کہ اُسے ایک کانٹا بھی چبھ جاتا ہے تو وہ بھی اس کے گناہوں کی معافی کا سبب بنتا ہے۔

جب اسلام کا نُور سینے میں داخل ہوتا ہے تو سینہ کُھل جاتا ہے.... اس کی محسوس علامت یہ ہے کہ آدمی کا دل اس دنیا سے اچاٹ ہو جاتا ہے۔ وہ بقائے دوام کے گھر کا مشتاق ہو جاتا ہے اور موت آنے سے پہلے موت کی تیاری میں لگ جاتا ہے۔

اپنے کو عیش کوشی سے بچاؤ، اس لیے کہ اللہ کے بندے عیش کوش نہیں ہوتے۔

دل کو بھی زنگ لگتا ہے جیسا کہ لوہے کو پانی سے زنگ لگتا ہے.... دل کا زنگ اس طرح دُور ہوتا ہے کہ آدمی موت کو بہت یاد کرے اور قرآن کی تلاوت کرے۔

اے آدم کے بیٹے۔ اگر تُو اپنے زائد از ضرورت مال کو خدا کے محتاج بندوں اور دین کے کاموں پر لگائے تو یہ تیرے حق میں بہتر ہوگا اور اگر تو ضرورت سے زیادہ مال ضرورت مندوں پر خرچ نہیں کرے گا تو آخر کار یہ تیرے حق میں بُرا ہوگا۔

جو شخص اپنے رب کو یاد کرتا ہے، اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے اندر زندگی ہے اور جو اپنے رب کو یاد نہیں کرتا وہ مُردہ ہے۔

اگر کسی شخص کی تگ و دو کا مقصد آخرت کی طلب ہے، تو اللہ تعالےٰ اسے اطمینانِ قلب اور مخلوق سے بے احتیاجی کی دولت، غنائے قلب نصیب کرے گا۔ اس کی پریشاں خاطری دُور کر دے گا، دُنیا اُس کے پاس خود بخود ذلیل ہو کر آئے گی۔ اور اگر کسی شخص کی سعی و عمل کا ہدف دنیا کی طلب ہے تو اللہ اُس کے چہرے اور پیشانی پر محتاجی کے آثار پیدا کر دے گا۔ اطمینانِ قلب اور خاطر جمعی کی راحت اُسے کبھی نصیب نہ ہو گی اور ساری تگ و دو کے بعد بھی دُنیا اُسے اتنی ہی ملے گی جتنی اس کے مقدر میں لکھ دی گئی ہے۔

بندہ (بڑے فخر و غرور سے) کہتا ہے: "میرا مال، میرا مال"۔ حالانکہ اُس کا مال تو درحقیقت وہی ہے جو اُس نے کھا کر ختم کر دیا، پہن کر پرانا کر ڈالا یا راہِ خدا میں دے کر آخرت کا سامان کر لیا۔ باقی جو کچھ ہے، دوسرے لوگوں کا ہے جو وہ ان کے لیے چھوڑ کر ایک دن دنیا سے رُخصت ہو جانے والا ہے۔

دو چیزیں ایسی ہیں جنہیں انسان ناپسند کرتا ہے (حالانکہ وہ اس کے حق میں خیر و خوبی کا باعث ہوتی ہیں)۔ ایک تو اُسے موت ناپسند ہے حالانکہ موت اس کے لیے فتنوں اور آزمائشوں سے بہتر ہے۔ دوسرے اُس کو قلتِ مال اور ناداری پسند نہیں حالانکہ مال کی کمی سے آخرت کا حساب کتاب ہلکا ہو جائے گا۔

دو بھوکے بھیڑیے جنہیں بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیا گیا ہو، اس قدر تباہی نہیں مچاتے جتنی تباہی مال و دولت اور جاہ و عزت کی حرص انسان کے دین

پر لاتی ہے۔

مجھے یہ ڈر نہیں ہے کہ فقر و افلاس تمہیں آئے گا۔ اندیشہ یہ ہے کہ کہیں تم پر سونا نہ برسنے لگے اور پھر تم اسی کے دیوانے اور متوالے ہو کر نہ رہ جاؤ۔ تمہاری پیشرو امتوں کے ساتھ یہی بیت چکا ہے۔ زر و مال سے دیوانہ وار محبت انہیں تباہ کر چکی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو تمہیں بھی تباہ کر ڈالے۔

اُمّ درداءؓ کہتی ہیں میں نے ایک مرتبہ ابو درداءؓ سے کہا "کیا بات ہے آپ فلاں فلاں اصحاب کی طرح مال و منصب طلب نہیں کرتے؟" انہوں نے فرمایا: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تمہارے آگے ایک دشوار گزار گھاٹی ہے جسے زیادہ بوجھ اٹھانے والے پار نہ کر سکیں گے اس لیے میں ہلکا پھلکا اور سبک بار رہنا پسند کرتا ہوں۔"

اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا حق اس طرح ادا کیا جا سکتا ہے کہ سر اور سر میں جو افکار و خیالات ہیں ان سب کی نگہداشت کی جائے، نیز پیٹ اور اس میں جو کچھ بھرا ہوا ہے اس کی نگرانی کی جائے (یعنی برے خیالات سے دماغ کی اور حرام و ناجائز غذا سے پیٹ کی حفاظت کرنی چاہیے) اور موت کے بعد قبر میں تمہاری جو حالت ہوتی ہے اس کو یاد رکھا جائے۔ جو شخص یہ سب کچھ کرے گا سمجھو کہ اس نے اللہ سے حیا کرنے کا حق ادا کر دیا۔

صاحبِ ایمان ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔

بیٹا! تم تدبیر اور غور کے ساتھ کام کرنا، اگر [illegible] انجام اچھا نظر آئے تو کر [illegible]

[illegible]

جو باتیں اللہ نے حرام قرار دی ہیں ان سے اجتناب کرو۔ اگر تم ان سے مجتنب رہو گے تو تمہارا شمار عابد و زاہد بندوں میں ہوگا۔

رضائے الٰہی پر شاکر رہو ایسا کرو گے تو تمہارا شمار دنیا کے انتہائی بے نیاز لوگوں میں ہونے لگے گا۔

اپنے ہمسائے سے اچھا سلوک کرو کہ مومنِ کامل وہی ہے جو ایسا کرتا ہے۔

جو چیز تمہیں اپنے لیے پسند ہے وہی دوسروں کے لیے پسند کرو کہ مسلمِ کامل کا یہی وطیرہ ہوتا ہے۔

زیادہ مت ہنسو کہ زیادہ ہنسی سے دل مُردہ ہو جاتا ہے۔

پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو:

(۱) —— بڑھاپے سے پہلے جوانی کو

(۲) —— بیماری سے پہلے صحت کو

(۳) —— افلاس سے پہلے خوشحالی کو

(۴) —— مشاغل سے پہلے فراغت کو

(۵) —— موت سے پہلے زندگی کو

میں اپنی اُمت کے بارے میں دو باتوں سے سب سے زیادہ ڈرتا ہوں۔ ایک ہوئی اور دوسری طول امل

(ہوئی سے مراد یہ ہے کہ زندگی کے معاملات میں اپنے نفس کے رجحانات اور خیالات کی پیروی کی جائے اور طول امل یہ کہ دنیوی زندگی کے بارے میں لمبی لمبی آرزوئیں دل میں پائی جائیں)

جہادِ اسلامی

اللہ کی راہ میں ایک رات پہرہ دینا دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے۔

جس شخص کے پاؤں اللہ کی راہ میں گردآلود ہو جاتے ہیں اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دی جاتی ہے۔

جنت میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص دنیا میں واپس آنے کی تمنا نہ کریگا لیکن ایک مردِ شہید ہوگا جس کی یہ آرزو ہوگی کہ وہ پھر دنیا میں جائے اور اللہ کی راہ میں مارا جائے، پھر جائے اور مارا جائے، پھر جائے اور مارا جائے۔ اس لیے کہ وہ شہادت کے لطف اور عظمت و ثواب سے واقف ہوگا۔

اللہ کی راہ میں زخمی ہونے والا قیامت کے دن اس حالت میں اللہ کے دربار میں آئے گا کہ اُس کے زخموں سے لہو بہہ رہا ہوگا، رنگ تو اُس کا خون کا ہوگا لیکن بُو مُشک کی ہوگی۔

جو شخص سچے دل سے شہادت طلب کرتا ہے، اللہ اُس کو شہید کا مرتبہ عنایت کر دیتا ہے اگرچہ وہ اپنے بستر پر مرے۔

جو شخص اس حالت میں مرا کہ نہ تو کبھی جہاد کیا اور نہ کبھی اس کا خیال ہی اُس کے دل میں آیا، اُس کی موت منافق کی موت ہوگی۔

جس شخص نے نہ تو جہاد کیا، نہ جہاد کرنے والوں کو سروسامان مہیا کیا اور نہ مجاہدین کے اہل وعیال کی خبرگیری کی اُسے اللہ قیامت سے پہلے کسی سخت مصیبت میں مبتلا کرے گا۔

جو شخص راہِ خدا میں خرچ کرتا ہے اس کے صلہ میں سات سو گنا ثواب

لکھا جاتا ہے۔

اجتماعی زندگی

اجتماعی زندگی کی اہمیت

جب تین آدمی سفر کو نکلیں تو انہیں چاہیے کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنا لیں۔

اگر کسی جنگل میں تین آدمی رہتے ہیں تو ان کے لیے جماعتی تنظیم کا التزام کیے بغیر زندگی گزارنا جائز نہیں۔ انہیں اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنا لینا چاہیے۔

جو شخص جنت کے وسط میں اپنا گھر بنانا چاہتا ہے اُسے مسلمانوں کی اجتماعیت سے چمٹے رہنا چاہیے، اس لیے کہ آدمی تنہا ہو تو شیطان اُس کے ساتھ ہوتا ہے اور جب وہ دو ہو جاتے ہیں تو دُور ہو جاتا ہے۔

جس طرح بکریوں کا دشمن بھیڑیا ہے اور اپنے ریوڑ سے الگ ہو جانے والی بکریوں کو آسانی کے ساتھ شکار کر لیتا ہے، اسی طرح شیطان انسان کا بھیڑیا ہے اگر وہ جماعت بن کر نہ رہیں تو یہ انہیں الگ الگ نہایت آسانی سے شکار کر لیتا ہے۔ اے لوگو، پگڈنڈیوں پر مت چلو بلکہ ضروری ہے کہ جماعت اور عامۃ المسلمین کے ساتھ رہو۔

حکمرانوں کی ذمہ داریاں اور فرائض

تم میں سے ہر شخص محافظ اور نگران ہے اور اُس سے اُن لوگوں کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی جو اس کی نگرانی میں دیے گئے ہیں۔ چنانچہ امیر ہے جو لوگوں

حکمران ہے اس کی رعیت کے متعلق باز پُرس ہوگی۔ مرد اپنے گھر والوں (بیوی بچوں) کا نگران ہے اُس سے اس کی رعیت کے بارے میں پُرسش ہوگی اور بیوی اپنے شوہر کے گھر اور اولاد کی نگران ہے اور اُس سے اولاد کے بارے میں پُوچھ گچھ ہوگی۔

جو شخص مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کی ذمہ داری قبول کرتا ہے نگران کے ساتھ نہ تو خیرخواہی سے پیش آتا ہے اور نہ اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے، تنی دوڑ دھوپ کرتا ہے جتنی کہ اپنی ذات کے لیے کرتا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس ذمہ داری کو اُٹھانے کے بعد ان کی حفاظت اس طرح نہیں کرتا جس طرح وہ اپنی اور اپنے گھر والوں کی حفاظت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو منہ کے بل جہنم میں جھونک دے گا۔

جو شخص مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کا ذمہ دار ہو اور ان کے ساتھ خیانت کا ارتکاب کرے اللہ اس پر جنت حرام کر دے گا۔

جس شخص کو مسلمانوں کے اجتماعی معاملات سپرد کیے جائیں اور وہ کسی کو محض اپنی رشتہ داری اور دوستی کی وجہ سے مسلمانوں پر حکمران بنائے تو اللہ کی اس پر لعنت ہوگی۔ اُس کی طرف سے اللہ کوئی عذر قبول نہ کرے گا یہاں تک کہ اُسے جہنم میں ڈال دے گا۔

حضرت ابوبکرؓ نے جب حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد کیا تو ان سے فرمایا: اے خطاب کے بیٹے۔ میں نے مسلمانوں پر شفقت کے پیش نظر تمہیں خلیفہ منتخب کیا ہے۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ ہو، تم نے دیکھا ہے

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح ہمیں اپنی ذات پر اور ہمارے گھر والوں کو اپنے گھر والوں پر ترجیح دیا کرتے تھے یہاں تک کہ ہمیں جو کچھ آپ کی طرف سے عنایت ہوتا اس میں سے جو بچ جاتا اُسے ہم آپ کے گھر والوں کو ہدیہ بھیج دیتے تھے۔ تم بھی اپنی ذات پر اور اپنے گھر والوں پر مسلمانوں کو ترجیح دینا۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اجتماعی معاملات کے ذمہ دار کی بات سنیں اور مانیں، خواہ وہ بات انہیں پسند ہو یا ناپسند؛ البتہ شرط یہ ہے کہ وہ حکم معصیت پر مبنی نہ ہو۔ جب انہیں خدا کی نافرمانی کا حکم دیا جائے، تو اس پر کان نہ دھریں اور اُسے تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیں!

جس شخص نے دس یا دس سے زائد انسانوں پر حکومت کی، قیامت کے دن وہ اس حال میں اُٹھے گا کہ اس کی گردن میں طوق ہوگا اور اُس کے ہاتھ گردن کے ساتھ بندھے ہوں گے۔ اس مصیبت سے اس کو نیکی ہی نجات دلا سکے گی اور اُس کے گناہ اُسے ہلاک کر دیں گے (یاد رکھو) حکمرانی کی ابتدا ملامت ہے، اُس کا وسط ندامت اور پشیمانی اور اُس کا آخر قیامت کے روز ذلّت و رسوائی۔

جس شخص کو ہم نے کسی کام پر مقرر کیا اور اس کا معاوضہ معیّن کر دیا اس کے بعد اگر وہ اپنی تنخواہ سے زیادہ (سرکاری مال سے یا حاجت مندوں سے) لے گا تو خیانت کا مرتکب ہوگا۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

تم میں سے جو شخص منکر (برائی) دیکھے تو چاہیے کہ اُسے ہاتھ (قوت) سے مٹا دے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے اس کے خلاف آواز بلند

کرے، اگر اس کی بھی اُس میں ہمت نہ ہو تو پھر کم از کم دل ہی میں اُسے بُرا سمجھے اور یہ ایمان کا آخری اور سب سے کمزور درجہ ہے۔

لوگوں کو نیکی کی طرف بلاتے رہو اور بُرے کاموں سے روکتے رہو ورنہ اللہ کا عذاب تم پر آئے گا، پھر تم خدا سے دُعا ئیں کرو گے، مگر تمہاری کوئی دُعا قبول نہ ہوگی۔

اللہ خاص لوگوں کے عمل کی وجہ سے عام لوگوں کو عذاب نہیں دیتا، مگر جب وہ اپنے سامنے بدی کو دیکھیں اور اُس کو روکنے کی قدرت رکھنے کے باوجود نہ روکیں تو اللہ خاص و عام سب کو مبتلائے عذاب کر دیتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے بیٹھے تھے، پھر سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا: نہیں اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ تمہیں لازم ہے کہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے رہو، ظالم کا ہاتھ پکڑو اور اُسے حق کے آگے سرنگوں کرو، اگر تم لوگ ایسا نہیں کرو گے تو تم سب کے دل ایک جیسے ہو جائیں گے اور پھر اللہ تمہیں اپنی رحمت و ہدایت سے دُور پھینک دے گا جس طرح بنی اسرائیل کے ساتھ اس نے معاملہ کیا۔

اجتماعی جرائم اور ان کا انجام

جس قوم میں بدکاری عام ہو جاتی ہے اُسے قحط اپنے چنگل میں گرفتار کر لیتا ہے اور جس قوم میں رشوت کا دور دورہ ہوتا ہے اُس پر دشمن کا رعب طاری رہتا ہے۔

جس قوم میں مالِ غنیمت میں خیانت کا سلسلہ شروع ہو جاتے اللہ اُس کے

دل میں دشمنوں کا رُعب پیدا کر دیتا ہے ۔ جس قوم میں زناکاری پھیل جاتی ہے اُس میں اموات بکثرت ہونے لگتی ہیں، جو قوم کم ناپتی اور کم تولتی ہے اُس کا رزق اُٹھا لیا جاتا ہے، جو قوم ناحق حکم کرتی ہے یعنی جس قوم کے اربابِ بست و کشاد احکام نافذ کرنے میں عدل و انصاف کو ملحوظ نہیں رکھتے اور ناروا احکام جاری کرتے ہیں اُس میں قتل و خونریزی عام ہو جاتی ہے اور جو قوم عہد شکنی کرتی ہے اُس پر دشمن مسلّط کر دیا جاتا ہے ۔

لوگ ظالم کو ظلم و ستم کرتے دیکھیں اور اُس کا ہاتھ نہ پکڑیں (یعنی اُس ظلم کو نہ روکیں) تو اللہ بہت جلد اس قوم کو اپنے عذاب میں گرفتار کرے گا ۔

جس قوم میں گناہ کیے جانے لگیں اور قوم ان لوگوں کی اصلاح و تبدیلی کی طاقت رکھنے کے باوجود کوئی اصلاح و تغیر نہ کرے اللہ تعالیٰ اُسے عذاب میں گرفتار کرے گا ۔

کردار کی لَو

سمع وطاعت

مدینۃ النبی کی فضا میں ڈونڈی پٹنے کی آواز گونج رہی ہے۔ ہر شخص گوش بر آواز ہو گیا ہے۔ منادی پکار رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے شراب حرام کر دی ہے۔

آناً فاناً یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی ہے اور پھر آسمان طاعت کا عجیب منظر دیکھتا ہے۔ شراب عربوں کی گھٹی میں پڑی ہے پوری سوسائٹی میں گنے چنے لوگ ہیں جنہوں نے اس اُمّ الخبائث کو منہ نہیں لگایا ورنہ کیا چھوٹے اور کیا بڑے، سب کے سب اس کے رسیا ہیں۔ گھر گھر میں شراب کی بھٹیاں قائم ہیں۔ چوپالوں اور گھروں میں محفلیں جمتیں اور جام و ساغر کے دور چلتے ہیں۔ میزبانوں کے بچے ان محفلوں میں ساقی گری کرتے ہیں۔ ان بلانوش لوگوں نے فرمانِ الٰہی سنتے ہی سرِ تسلیم خم کر دیا ہے۔ مدتوں سے رگ و ریشے میں رچی ہوئی یہ عادت ایک لمحے کے اندر اندر اس طرح ترک کر دی ہے کہ پھر ساغر و مینا کو ہاتھ نہیں لگاتے۔

حضرت عمرؓ ڈونڈی کی آواز سن کر گھر سے نکل آتے ہیں۔ منادی قرآنِ کریم کی وہ آیت بلند آواز سے پڑھ کر سنا رہا ہے جو تھوڑی دیر پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ (شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کی

وجہ سے تمہارے درمیان بُغض و عداوت پیدا کر دے اور تمہیں یادِ الٰہی اور نماز سے باز رکھے پھر کیا تم باز نہیں آؤ گے؟)

حضرت عمرؓ جن کا رنگ آیت کی تلاوت کے ساتھ ساتھ متغیر ہوتا جا رہا ہے بے ساختہ پکار اُٹھتے ہیں اِنْتَھَیْنَا..... اِنْتَھَیْنَا۔ ہم باز آئے ہم باز آئے۔ پھر لپکتے ہوئے گھر میں داخل ہوتے ہیں اور شراب کا مٹکا اور پیالے توڑ ڈالتے ہیں۔

ابو طلحہؓ کے مکان میں دورِ جام چل رہا ہے۔ ابو عبیدہؓ، ابی ابنِ کعبؓ اور بعض دیگر اصحاب شریکِ محفل ہیں۔ انسؓ شراب پلا رہے ہیں۔ اچانک منادی کی آواز گونجتی ہے۔ ابو طلحہؓ کہتے ہیں انسؓ، نکل کر دیکھو یہ کیسی آواز ہے؟ انسؓ گھر سے نکلتے ہیں تھوڑی دیر کے بعد آکر بتاتے ہیں منادی اعلان کر رہا ہے کہ شراب حرام ہو گئی ہے۔

لبوں سے لگے ہوئے ساغر فوراً الگ ہو جاتے ہیں۔ جو گھونٹ حلق سے اُتر چکے وہ اُتر گئے، اعلان سننے کے بعد ایک قطرہ بھی حلق میں جانے نہیں پاتا۔ ابو طلحہؓ فوراً اپنا جام انڈیل دیتے ہیں۔ ابو عبیدہ اور ابنِ کعبؓ اور دوسرے اصحاب ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں ہاتھوں کے جام انڈیلے جا چکے تو ابو طلحہؓ کہتے ہیں انسؓ مٹکے کی شراب بھی گرا دو۔ انسؓ حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔

ہر گھر اور ہر محفل میں یہی منظر ہے کوئی شخص حکم ماننے میں تاخیر یا لیت و لعل نہیں کرتا۔ لوگ اس کثرت سے شراب پھینک رہے ہیں کہ مدینے کی گلیوں میں پانی کی طرح بہنے لگی ہے۔

پاکیزہ کرداری

مرثدؓ بن ابی مرثد مکے میں داخل ہوتے۔ اندھیری رات سایہ فگن تھی۔ گلیاں سنسان تھیں۔ اکا دکا مکانات سے روشنی کی مدھم سی لَو اُٹھ رہی تھی۔ مرثدؓ بعض مسلمانوں کو جو کفار کے پنجۂ ظلم میں گرفتار تھے مدینے لے جانے کے لیے چھپ کر آتے تھے۔ حضورؐ نے انہیں اس کام پر مامور کر رکھا تھا۔ وہ سمٹے سمٹائے جا رہے تھے۔ یکایک سامنے سے ایک سایہ نمودار ہوا۔ مرثدؓ دو سمٹ گئے۔ سایہ قریب تر آتا چلا گیا اور پھر ایک نسوانی آواز آئی۔

"مرثد تم ہو؟ میں نے تمہیں پہچان لیا ہے، کہو کیسے آنا ہوا؟"

"عناق؟" مرثد نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

"ہاں عناق وہی جو کبھی تمہاری نشاطِ رُوح تھی۔ آج میرے ہاں شب باشی نہ کر گئے یاد ہے نا، وہ دن کیسے سہانے اور راتیں کتنی نشاط انگیز تھیں۔ چلو میرے گھر چلو" عناق نے مرثدؓ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مرثدؓ نے اچھل کر اس کا ہاتھ جھٹک دیا جیسے کوئی ناگ لپٹ گیا ہو۔

"خیر تو ہے؟ شکی تو نہیں ہو گئے؟" عناق نے حیرت زدہ لہجے میں کہا "تم جانتے ہو یہ ہاتھ اور بازو تمہیں کتنے پسند تھے"۔

"ٹھہرو عناق" مرثدؓ نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "عہدِ رفتہ کی باتیں چھوڑ دو۔ وہ میرا زمانۂ جاہلیت تھا جب مجھے حق و باطل نیکی بدی، نجاست و پاکیزگی کی کوئی تمیز نہ تھی۔ جب میں گمراہ اور کج رو تھا۔ اللہ نے مجھ پر فضل کیا اور میں مسلمان ہو گیا۔ اسلام میں زنا حرام ہے اس لیے مجھے معاف رکھو"

رکھو" عناق نے تلملاتے ہوئے کہا" بڑے آئے پاک دامن! خیر چلتے ہو یا لوگوں کو آواز دوں"۔

"مرثدؓ پاک زندگی چھوڑ کر نجاست کے گڑھے میں کبھی نہیں گرے گا جاہلیت کی باتیں اس نے ہمیشہ کے لیے تج دی ہیں۔ نیک بخت جاؤ اپنی راہ لو"۔

"اپنی راہ لوں اور تمہیں صحابیوں کو بھگا لے جانے کا موقع دوں" عناق غضبناک ناگن کی طرح پھنکاری اور پھر گلا پھاڑ کر چلائی "لوگو یہ مرثدؓ بن ابی مرثد آیا ہے۔ تمہارے قیدیوں کو بھگا لے جانے والا"۔

اونگھتا ہوا مکہ ایک دم جاگ اٹھا۔ لوگ آواز کی طرف دوڑے۔ مرثدؓ بھاگ کھڑے ہوئے۔ عناق نے ان کا دامن پکڑ لیا، مگر وہ زور سے جھٹک کر اس کی گرفت سے نکل گئے۔

"کہاں گیا، کہاں"؟ تاریکی میں آوازیں آنے لگیں۔

"وہ ادھر... ادھر" کچھ آوازوں نے جواب میں کہا اور پھر ہر طرف تلاش ہونے لگی۔

پھر مرثدؓ ایک غار میں جا چھپے تھے۔ کچھ لوگ انہیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس غار تک بھی پہنچ گئے۔ اچانک دور سے کوئی پکارا۔

"وہ ادھر نہیں ادھر گیا ہے۔ اور پھر مرثدؓ نے ان کے دوڑنے کی آواز سنی جو لمحہ بہ لمحہ مدھم ہوتی جا رہی تھی۔ اللہ نے اپنے نکوکار بندے کو بچا لیا تھا۔

بُردباری کا صلہ

ایک شخص حضرت ابوبکر صدیقؓ کو گالیاں دے رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بھی موجود تھے۔ ابوبکرؓ چپ چاپ گالیاں سُن رہے تھے۔ حضورؐ، ابوبکرؓ کے اس صبر و تحمل پر حیران بھی تھے اور متبسم بھی۔ وہ مسلسل گالیاں دیتے چلا گیا۔ ابوبکرؓ کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا۔ "تم ایسے ہو تم ویسے ہو۔" انہوں نے اس کی بعض باتیں اس کے منہ پر دے ماریں۔ حضورؐ کے چہرۂ انور پر انقباض اور خفگی کی لہر دوڑ گئی۔ اٹھے اور تشریف لے گئے۔ ابوبکرؓ بے حد پریشان ہوئے۔ فوراً خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی "اے اللہ کے رسولؐ وہ شخص مجھے گالیاں دیتا رہا تو آپ تشریف فرما رہے، لیکن جب میں نے جواب دیا تو آپ ناراض ہو کر چلے آئے؟"

"ابوبکرؓ" حضورؐ نے فرمایا "جب تک تم خاموش تھے اور صبر کر رہے تھے، تمہارے ساتھ اللہ کا ایک فرشتہ تھا جو تمہاری طرف سے اُسے جواب دے رہا تھا، لیکن جب تم نے خود جواب دیا تو وہ فرشتہ چلا گیا اور شیطان بیچ میں آگیا تاکہ اس آگ کو اور ہوا دے۔" حضورؐ نے پھر ارشاد فرمایا "اے ابوبکرؓ! تین باتیں ہیں جو سراسر حق ہیں۔ پہلی یہ کہ جب کسی بندے پر کوئی ظلم و زیادتی ہوتی ہے اور وہ محض اللہ کے لیے اس سے درگزر کرتا ہے اور انتقام نہیں لیتا تو اللہ اس کے مقابلے میں اس کی بھرپور مدد کرتا ہے۔ دوسری یہ کہ جو شخص دوسروں کو دینے کی نیت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عوض اسے اور زیادہ دیتا ہے۔ تیسری یہ کہ کوئی شخص ضرورت سے مجبور ہو کر نہیں، بلکہ دولت جمع کرنے کے لیے گداگری اور سوال کا دروازہ کھولتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی دولت کم کر دیتا ہے۔"

ابوبکرؓ اپنے کیے پر پشیمان تھے کہ بے صبری کی بدولت اللہ کے فرشتے کی اعانت سے محروم ہو گئے۔

ایمانی غیرت

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ کہتے ہیں، اگر سچ ہے تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔" جلاس بن سوید نے کہا۔ پھر اِدھر اُدھر دیکھا۔ خیمے میں ان کے سوا اور کوئی نہ تھا، مگر ان کی بات نوجوان عمیرؓ نے سن لی تھی، جو خیمے کے باہر قریب ہی کھڑے تھے۔ عمیرؓ ایک لمحے کے لیے تو دم بخود رہ گئے۔ انہیں یقین نہ آتا تھا کہ ان کا سوتیلا باپ جلاس بھی منافق ہے۔ عمیرؓ چھوٹے سے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ وہ جلاس ہی کے گھر میں پروان چڑھے۔ جلاس نے انہیں سگے بیٹے کی طرح پالا۔ عمیرؓ کو بھی ان سے بے حد محبت تھی اور ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں اسلام کی دعوت پھیلی تو جلاس بھی اپنے کنبے سمیت مسلمان ہو گئے تھے۔ عمیرؓ نے انہیں بظاہر ایک اچھا مسلمان پایا تھا۔ وہ اچھے مسلمان نہ ہوتے تو اسلامی لشکر کے ساتھ انتہائی سخت گرمی اور نامساعد حالات میں کیسے آتے، جب کہ منافقین طرح طرح کے بہانے کر کے مدینے ہی میں بیٹھ رہے تھے۔

کچھ دیر تک عمیرؓ ششدر کھڑے رہے۔ مگر پھر حیرت کی جگہ غیرت ایمانی نے لے لی۔ وہ تقریباً چیختے ہوئے بول اُٹھے: "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں اور تم گدھے سے بھی بدتر ہو۔"

جلاس [illegible] ہو گیا۔ جلدی سے باہر نکلے [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

بے شمار احسان اُن کی گردن پر تھے۔ دوسری طرف چُپ رہتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اُس دین سے خیانت کرتے جس پر وہ ایمان لائے تھے۔ اسی تذبذب کے عالم میں قرآن کریم کی ایک آیت اُن کے لوحِ ذہن پر اُبھر آئی۔ لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَھُمْ اَوْ اَبْنَآءَھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ ؕ (المجادلۃ۔ ۲۲)

(اے رسولؐ آپ ایسی قوم کو نہیں پائیں گے کہ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو مگر ان لوگوں سے محبت کرتی ہو جو اللہ اور اُس کے رسولؐ کی مخالفت کرتے ہیں خواہ وہ ان کے باپ بیٹے، بھائی یا قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو جاگزیں کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک رُوح عطا کر کے ان کو قوت بخشی ہے)۔ عُمیرؓ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں تذبذب و تردد جاتا رہا۔ "نہیں۔ نہیں" انہوں نے کہا: "میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور خبر دوں گا۔ میں اگر چُپ رہتا ہوں تب بھی اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کو اطلاع کر دے گا، پھر میں خطا کار کیوں ہوں؟ اللہ کے رسولؐ مجھے باپ سے زیادہ عزیز ہیں۔"

عُمیرؓ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ گوش گزار کیا۔ حضورؐ نے جلاس کو بلایا اور فرمایا: "جلاس، تم نے عُمیرؓ سے کیا کہا تھا؟"

جلاس صاف مُکر گئے اور حلف اُٹھا لیا۔ پھر عُمیرؓ پہ برس پڑے اور بولے

خدا کی قسم اب میں اس نمک حرام پر ایک کوڑی بھی صرف نہیں کروں گا۔

عمیرؓ، جلاس کی اس جسارت اور دیدہ دلیری پر حیران تھے۔ جلاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ پر یوں جھوٹ بول دیں گے، اس کا انہیں وہم وگمان بھی نہ تھا۔ بیچارے چپ ہو رہے۔ ابھی جلاس مجلس ہی میں حاضر تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے لگی۔ دوسرے تمام صحابہؓ چپ چاپ بے حس و حرکت بیٹھ گئے، مگر جلاس تھے کہ قسمیں کھا رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد حضورؐ نے سر اٹھایا اور نازل شدہ آیات کی تلاوت کی: يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا وَمَا نَقَمُوْا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (التوبہ)

یہ لوگ خدا کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم نے وہ بات نہیں کہی۔ حالانکہ انہوں نے ضرور وہ کافرانہ بات کہی ہے۔ وہ اسلام لانے کے بعد کفر کے مرتکب ہوئے اور انہوں نے وہ کچھ کرنے کا ارادہ کیا جسے کر نہ سکے۔ یہ ان کا سارا غصہ اس بنا پر ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے ان کو غنی کر دیا ہے۔ اب اگر یہ اپنی اس روش سے باز آ جائیں تو انہی کے لئے بہتر ہے، اور اگر یہ باز نہ آئے تو اللہ ان کو نہایت دردناک سزا دے گا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور زمین میں کوئی نہیں جو ان کا حمایتی اور مددگار ہو۔

جلاس کی حالت دیدنی تھی۔ ان کے جھوٹ کا پول کھل گیا تھا۔ دل سے پگھل گئے

میں ایمان اب بھی موجود تھا، ندامت اور پریشانی نے انہیں آلیا۔ "اے اللہ کے
رسولؐ، میرے لئے میرے رب سے مغفرت کی دعا فرمائیے، میں صدقِ دل سے توبہ
کرتا ہوں۔ عمیرؓ نے سچ کہا تھا، میری بدبختی کہ کفر کے کلمات میری زبان سے نکل گئے"۔
انہوں نے کہا۔

پیغمبرِ رحمتؐ کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھ گئے

پھانسی کے تختے پر

گرما کا شعلے برساتا ہوا آفتاب مکہ کی پہاڑیوں کے پیچھے ڈوب رہا تھا۔
مشرقی اُفق پر سیاہی نمودار ہو چکی تھی۔ اُونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے گلّے صحرا سے
لوٹ رہے تھے۔ دن بھر کی تھکی ماندی دنیا رات کی پُرسکون آغوش میں پناہ لینے
لگی تھی۔ اچانک منادی کی آواز بلند ہوئی۔ وہ ڈھنڈورا پیٹ رہا تھا "کل
صبح یثرب کے صحابی خبیبؓ کو تنعیم کے میدان میں سُولی دی جائے گی"۔
منادی کی پکار مکہ کے گلی کوچوں میں پھیل گئی۔ ہر گھر اور مجلس میں خبیبؓ کا ذکر
تھا۔ خبیبؓ عدی کے بیٹے، مدینہ منورہ کے قبیلہ اوس کے فرزند، رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے سرفروش صحابی، ایمان و اخلاص اور صبر و عزیمت کے پیکر۔
انہیں بنو لحیان کی درخواست پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی دعوت
پھیلانے کے لیے بعض دوسرے صحابہ کے ساتھ بھیجا تھا۔ لیکن انہوں نے
رجیع کے مقام پر دھوکے سے گرفتار کر لیا اور مکہ میں حارث بن عامر بن نوفل کے بیٹوں کے
ہاتھ بیچ دیا تھا۔ حارث بدر کی جنگ میں خبیبؓ کے ہاتھوں مارا گیا تھا اور اب
اس کے بیٹے انہیں سُولی دے کر دلوں میں بھڑکتی ہوئی انتقام کی آگ بجھانا

چاہتے تھے۔

اہلِ مکّہ کے دل میں بدر کا گھاؤ ابھی تک ہرا تھا۔ ان کے بڑے بڑے سرخیل اور ممتاز نوجوان قتل ہو گئے تھے۔ ان کی یاد جب بھی آتی آنسو بہنے لگتے اور نالہ و شیون کا شور مچ جاتا۔ اُحُد کے انتقام سے بھی یہ گھاؤ نہ بھر سکا تھا۔ منادی کی آواز سُن کر ہر شخص خبیبؓ کو سُولی پر تڑپتا دیکھنے کے لیے بے قرار ہو گیا۔

صبح کا اُجالا پھیلتے ہی اہلِ مکّہ تنعیم کے میدان میں جوق در جوق جمع ہونے لگے۔ مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے اور جوان کوئی بھی پیچھے نہ رہنا چاہتا تھا۔ میدان میں نوجوانوں کی ٹولیاں گاتی بجاتی، رقصِ مسرت کرتی پھر رہی تھیں۔ اور جب پاکباز قیدی مقتل میں لایا گیا، تو مجمع پر سناٹا سا چھا گیا۔ خبیبؓ کی شان ہی نرالی تھی۔ پیروں میں بیڑیاں، ہاتھ بندھے ہوئے، چہرے پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں ایک عجیب دل میں کھُب جانے والی نورانی چمک۔ وہ سر اُٹھائے بڑی باوقار چال کے ساتھ مقتل میں پہنچے۔

سُولی کا پھندا ایک درخت سے لٹکایا گیا تھا۔ خبیبؓ کی نگاہوں نے اس پھندے کو چُوما اور پھر وہ ہجوم پر مرکوز ہو گئیں۔ سُولی دینے والے آگے بڑھے تو ان کا چہرہ اور چمک اُٹھا، پھر بولے۔

"ذرا ٹھہرو! مجھے دو رکعت نماز پڑھنے دو۔ میں مرنے سے پہلے اپنے پروردگار کے حضور آخری بار سجدہ ریز ہونا چاہتا ہوں۔"

اجازت مل گئی۔ ہاتھ کھول دیے گئے۔ خبیبؓ نے قبلہ رُو ہو کر دو رکعتیں پڑھیں۔ سلام پھیر کر کہا — "جی تو چاہتا تھا کہ دیر تک پڑھتا رہوں،

مگر پھر خیال آیا کہیں تم یہ نہ سمجھو کہ میں موت سے ڈر گیا ہوں۔ پھر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ قاتلوں نے ان کی مشکیں کس دیں۔ سامنے سُولی گڑی تھی۔ خبیبؓ مردانہ وار اس کی طرف بڑھے۔ ان کی زبان پر شعر جاری تھے۔

وَذٰلِكَ فِي ذَاتِ الْإِلٰهِ وَإِنْ يَشَأْ
يُبَارِكْ عَلٰى أَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعِ
وَلَسْتُ أُبَالِي حِينَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلٰى أَيِّ جَنْبٍ كَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِي

یہ سب کچھ اللہ کی راہ میں ہو رہا ہے۔ وہ چاہے تو جسم کے پارہ پارہ اعضا میں بھی برکت ڈال دے۔

جب میں ایک مسلمان کی موت مر رہا ہوں تو اس بات کی کیا فکر ہے کہ میں کس پہلو پر قتل کیا جاتا ہوں۔

پھانسی کا پھندا خبیبؓ کی گردن میں ڈال دیا گیا اور وہ دار پر جھولنے لگے۔ قاتلوں کا جی اس پر بھی نہ بھرا۔ نیزے مار مار کر ان کا جسم چھلنی کر دیا گیا۔ مقتل میں سناٹا اور گہرا ہو گیا۔

خبیبؓ کسی اضطراب کے بغیر اپنے اللہ سے جا ملے۔ اُن کا چہرہ قبلہ رُخ تھا۔ کافروں نے بار بار پھیرنے کی کوشش کی، مگر وہ جو سب سے کٹ کر ایک اللہ کا ہو رہا تھا، اُس کا رُخ دوسری طرف کون پھیر سکتا تھا؟

خبیبؓ کی موت ایک باوقار موت تھی۔ شہید کی موت۔ شہید مرتے نہیں زندہ رہتے ہیں۔ وہ اسلام کے پہلے شہید تھے جنہوں نے سُولی پر جان دی۔ سُولی پر

چڑھنے سے پہلے دو رکعت پڑھنے کی سنت زندۂ جاوید بن گئی۔ حضورؐ کو اطلاع ملی تو آپؐ نے اسے پسند فرمایا۔ اب یہ ہمیشہ کے لیے دستور ہو گیا کہ قتل کیے جانے سے پہلے (مسلمان) مقتول دو رکعت نماز پڑھ لیتا۔

انسانیت کے مقاماتِ بلند

سیاہ رنگ، کوتاہ قامت اور کم رُو سعدؓ کو بھلا کون شخص اپنی بیٹی دے؟ مگر وہ جتنے بد صورت اور کالے ہیں ان کا دل نورِ ایمان سے اتنا ہی منوّر اور گرد حسن و جمال سے مزیّن ہے۔ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں جو لوگ یہاں موجود ہیں اور جو موجود نہیں ہیں سب کو شادی کا پیغام دیا، لیکن مجھے کوئی رشتہ دینے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ حضورؐ فرماتے ہیں: عمرؓو بن وہب کے ہاں جاؤ ان کے دروازے پر دستک دو اور سلام کے بعد ان سے کہو اللہ کے نبیؐ نے تمہاری لڑکی میرے ساتھ بیاہ دی۔ عمرو بن وہب قبیلہ ثقیف کے نومسلم ہیں، درشت مزاج۔ ان کی لڑکی حسین و جمیل اور ذہین و فطین ہے سعدؓ ان کے گھر جا کر دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ گھر والے دروازہ کھولتے ہیں تو نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سناتے ہیں۔ یہ لوگ انہیں سخت سُست کہہ کر واپس کر دیتے ہیں۔ لڑکی بھی آواز سن لیتی ہے۔ وہ خود نکل آتی ہے اور سعدؓ کو آواز دیتی ہے "بندۂ خدا لوٹ آ، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے ساتھ میری شادی کر دی ہے تو حضورؐ کا فرمان میرے سر آنکھوں پر ہیں اس چیز پر رضامند ہوں جس سے خدا اور اس کے رسولؐ راضی ہیں۔" پھر وہ سعادت مند لڑکی اپنے باپ سے کہتی ہے اس سے پہلے کہ

دھی اپنے آپ کو دنیا و آخرت میں رسوا کر دے، اپنی نجات کی کوشش کیجیے۔ عمرؓ ڈر
ہانپتے کانپتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ حضورؐ
دریافت فرماتے ہیں "تم ہی نے میرے فرستادے کو لوٹایا تھا؟" عمرؓ ندامت بھرے
لہجے میں عرض کرتے ہیں: "جی ہاں یہ غلطی مجھ ہی سے سرزد ہوئی۔ ہمیں اس شخص
کی بات کا اعتبار نہ تھا۔ ہماری اس خطا سے درگزر فرمائیے اور اللہ سے ہمارے
لیے مغفرت کی دعا فرمائیے ہم نے لڑکی بیاہ دی۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سعدؓ سے کہتے ہیں اب اپنی بیوی کے پاس
جاؤ۔ سعدؓ اٹھتے ہیں اور بیوی کے لیے تحائف خریدنے بازار کی طرف چل دیتے
ہیں اچانک منادی کی آواز سنائی دیتی ہے وہ کہہ رہا ہے یا خیل اللہ ارکبی
وبالجنۃ ابشری (اے اللہ کے شہسوارو جہاد کے لیے سوار ہو جاؤ اور
جنت کی بشارت لو)۔ سعدؓ اعلان سنتے ہیں تو سارے ولولے اور جذبات سرد ہو
جاتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں جہاد کا جذبہ ہر جذبے پر غالب آجاتا ہے دلہن کے لیے
تحائف خریدنے کا خیال چھوڑ دیتے ہیں، جہاد کے لیے تلوار، نیزہ اور گھوڑا خریدتے
ہیں اور عمامہ باندھ سوار ہو کر مجاہدین کی جماعت میں پہنچ جاتے ہیں۔ کوئی نہیں
نہیں پہچانتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑتی ہے مگر نہیں پہچانتے۔
میدان جنگ میں سعدؓ شجاعت کے ایسے جوہر دکھاتے ہیں کہ دیکھنے والے حیران
ہیں کہ یہ کون شخص ہے۔ ایک موقع پر گھوڑا اڑ جاتا ہے۔ سعدؓ اتر پڑتے ہیں
اور آستین چڑھا کر پیدل ہی لڑنے لگتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھوں کی سیاہی
دیکھ کر پہچان لیتے ہیں اور آواز دیتے ہیں "سعد!" مگر سعدؓ وارفتگی کے عالم میں

ہیں انہیں خبر تک نہیں ہوتی اور لڑتے لڑتے شہید ہو جاتے ہیں۔ جنگ کے بعد حضور کو خبر ہوتی ہے تو ان کی لاش کے پاس تشریف لے جاتے ہیں ان کا سر گود میں رکھ لیتے ہیں اور ان کا اسلحہ اور گھوڑا اور بیاہتا بیوہ کے پاس بھجوا دیتے ہیں اور ان کے سسرال والوں کو کہلاتے ہیں۔

اللہ نے سعدؓ کی شادی تمہاری لڑکیوں سے بہتر لڑکی سے کر دی۔

مسافر کی زندگی

امیر المومنین عمر بن خطابؓ شام کے سفر پر جاتے ہیں تو یزید بن ابی سفیانؓ، عمرو بن عاصؓ اور ابو موسیٰؓ کے مکانوں پر جا کر ان سے ملاقات کرتے ہیں دیکھتے ہیں سب بڑے ٹھاٹھ سے رہتے ہیں۔ ابو درداؓ کے گھر پہنچتے ہیں تو وہاں نقشہ ہی اور نظر آتا ہے۔ خدم و حشم نہ نقیب و چاوش۔ تزک و احتشام اور زینت و آرائش تو ایک طرف مکان میں چراغ تک نہیں۔ تاریک مکان میں کمبل اوڑھے پڑے ہیں۔ حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں۔ پوچھتے ہیں اس قدر عسرت کی زندگی گذارنے کا کیا سبب ہے؟ آپ کے دوسرے ساتھی تو بڑی شان و شوکت سے رہتے ہیں۔ ابو درداؓ فرماتے ہیں "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ دنیا میں بس اتنا ساز و سامان رکھنا چاہیے جتنا ایک مسافر کو درکار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم کیا سے کیا ہو گئے!" دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے اس پُر اثر فقرے سے دونوں ساتھیوں پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور وہ روتے روتے صبح کر دیتے ہیں۔

احساسِ زیاں

معاذؓ گورنر بن کر یمن کی طرف روانہ ہونے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

"معاذؓ، فیصلے کس طرح کیا کرو گے؟"

"قرآنِ مجید کے مطابق کروں گا۔" معاذؓ نے جواب دیا۔

"قرآن میں کوئی حکم نہ ہو تو؟"

"سنتِ رسولؐ کو مشعلِ راہ بناؤں گا۔"

"سنتِ رسولؐ بھی خاموش رہی تو کیا کرو گے؟"

"پھر میں خود اجتہاد کروں گا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت مسرور ہوئے اور فرمایا: "اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے رسولؐ کے فرستادہ کو اس چیز کی توفیق دی، جسے اس کا رسولؐ پسند کرتا ہے۔" پھر فرمایا:

"معاذ، تم پر قرض بہت ہے۔ اگر کوئی ہدیہ لائے تو قبول کر لینا، میں تم کو اس کی اجازت دیتا ہوں۔"

رخصت کا وقت آیا تو ارشاد فرمایا: "اے معاذؓ! شاید اب تم سے ملاقات نہ ہو۔ اب مدینے واپس آؤ گے، تو میری بجائے میری قبر کی زیارت کرو گے۔"

یہ سن کر معاذؓ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ حضورؐ نے تسلی دی اور فرمایا: "رو نہیں، رونا شیطانی حرکت ہے۔"

معاذؓ جب صوبائی دارالحکومت جند میں پہنچے تو سپیدۂ صبح نمودار ہو چکا تھا۔

رسولِ خدا کا بھیجا ہوا گورنر اس شان سے شہر میں داخل ہوا کہ کوئی بھی اس کے ہمراہ نہیں نہ تھا۔ نہ خدم و حشم، نہ نقیب و چوبدار اور نہ لاؤ لشکر۔ بس اللہ کی عظمت اور کبریائی کا ذکر ان کی زبان پر تھا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر.....

معاذؓ یمن میں دو برس رہے، ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں وہ اپنی مرضی سے واپس چلے آئے۔ معاذؓ نے بیت المال کے روپے سے تجارت بھی کی تھی اور ہدیے بھی قبول کیے تھے، وہ خاصا مال و متاع لے کر مدینے آئے تھے

عمرؓ ابوبکرؓ کے پاس پہنچے اور کہا:

معاذؓ جو مال و متاع اپنے ساتھ لائے ہیں، وہ بیت المال کا ہے، انہیں ان کی ضرورت کے مطابق روپیہ پیسہ دے کر باقی ان سے لے لینا چاہیے۔"

"انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاکم بنا کر بھیجا تھا، اگر وہ خود اپنی مرضی سے میرے پاس لائیں گے، تو لے لوں گا۔ ورنہ ایک حبّہ بھی نہیں لوں گا۔" ابوبکرؓ نے جواب دیا۔

عمرؓ معاذؓ کے پاس پہنچے اور مال واپس کرنے کا مطالبہ کیا۔ معاذؓ نے انکار کر دیا۔ "مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن اس لیے بھیجا تھا کہ وہاں رہ کر اپنی معاشی حالت سنوار لوں، میں ایک پیسہ بھی نہیں دوں گا۔" انہوں نے دوٹوک جواب دیا۔ عمرؓ خاموش چلے آئے، مگر ان کا اب بھی یہی خیال تھا معاذؓ نے بیت المال کے سرمائے سے ضرورت سے زیادہ فائدہ اٹھایا ہے۔

رات معاذؓ سوتے، تو انہوں نے ایک بھیانک خواب دیکھا۔ ایک بہت بڑی دلدل ہے جس میں وہ پھنس گئے ہیں اور اس میں غرق ہوئے چلے جاتے

ہیں۔ اچانک عمرؓ پہنچ جاتے ہیں اور اپنا ہاتھ بڑھا کر چلّاتے ہیں: "معاذؓ، میرا ہاتھ پکڑ لو، میرا ہاتھ۔" عمرؓ ہاتھ پکڑ لیتے ہیں اور وہ انہیں کنارے پر کھینچ لاتے ہیں معاً معاذؓ کی آنکھ کھل گئی۔ "اللہ عمرؓ کو جزائے خیر دے، انہوں نے مجھے مصیبت سے بچا لیا تھا ۔۔۔۔ بار بار کہہ رہے تھے۔

صبح سویرے وہ سارا مال و متاع لے کر ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ عمرؓ بھی وہیں موجود تھے۔

"اے نائبِ رسولؐ، یہ وہ مال و اسباب ہے جو میں یمن سے لایا تھا۔ اسے بیت المال میں داخل کر لیجئے۔" معاذؓ نے کہا اور پھر رات کے خواب کا پورا واقعہ سنایا۔

"نہیں۔ میں اس میں سے کچھ نہیں لوں گا۔ میں تمہیں یہ مال ھبہ کرتا ہوں"۔ ابوبکرؓ نے جواب دیا۔

"ہاں۔ اے معاذؓ، اب تم یہ مال اپنے پاس رکھ سکتے ہو، اب یہ تمہارے لئے حلال ہے۔" عمرؓ نے معاذؓ سے کہا۔

"عمرؓ، اللہ تمہیں نیک صلہ دے۔ تو نے مجھے تباہی سے بچا لیا۔" معاذؓ نے رندھی ہوئی آواز میں کہا اور ان کی پلکوں پر سرد سیاس کے ننھے ننھے قطرے جھلملانے لگے۔

دولتِ دنیا سے بے نیازی

امیر المومنین عمر بن الخطابؓ نے چار سو دینار اپنے غلام کو دیے اور فرمایا:

"جاؤ، یہ ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو دے آؤ۔ کچھ دیر اُن کے ہاں ٹھہر جانا اور دیکھنا ابوعبیدہ اس رقم کا کیا کرتے ہیں۔"

غلام ابو عبیدہؓ کے گھر گیا۔ وہ موجود تھے۔ غلام نے رقم دی اور کہا:
"امیر المومنین نے بھیجی ہے تاکہ آپ اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔"
ابو عبیدہؓ نے رقم لے لی اور کہا اللہ عمرؓ پر رحم کرے اور انہیں اپنی نعمتوں سے نوازے۔" پھر اپنی لونڈی کو بلایا اور کہا "جاؤ یہ سات دینار فلاں شخص کے ہاں دے آؤ، پانچ دینار فلاں کے ہاں اور دس فلاں کو.... اس طرح انہوں نے سارے دینار اُسی وقت تقسیم کر دیے۔
غلام نے واپس آکر سارا قصّہ حضرت عمرؓ سے بیان کیا۔ عمرؓ نے اتنے ہی دینار اور دیے اور غلام سے فرمایا "جاؤ یہ معاذ بن جبلؓ کو دے آؤ اور دیکھو وہ کیا کرتے ہیں۔"
غلام، معاذ بن جبلؓ کے ہاں پہنچا، رقم دی اور وہی بات کہی جو ابو عبیدہؓ سے کہی تھی۔ معاذؓ نے دینار لے لیے اور ابو عبیدہؓ کی طرح وہیں کھڑے کھڑے سب کے سب حاجت مندوں کو بھجوا دیے۔
غلام نے حضرت عمرؓ کو ساری سرگزشت آسنائی۔ عمرؓ خاموش سنتے رہے۔ اُن کا چہرہ فرطِ مسرت سے چمک رہا تھا۔ سُن چکے تو فرمایا:
"یہ لوگ ایک دوسرے کے (دینی) بھائی ہیں اور ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔"

ایثار کے پیکر

مغرب کی نماز ہو چکی ہے۔ کچھ نمازی رخصت ہو گئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ابھی مسجد میں تشریف فرما ہیں کہ ایک شخص بارگاہِ اقدس میں حاضر

ہوتا ہے۔ پراگندہ مو، خستہ حال، چہرے پر زندگی کی سختیوں کے نقوش۔ عرض کرتا ہے "یا رسول اللہ، میں مفلس اور مصیبت زدہ ہوں...." وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا ہے مگر شاید زبان ساتھ نہیں دیتی۔ مسجد میں پھیلی ہوئی خاموشی اور گمبھیر ہو جاتی ہے۔ حضورؐ چند لمحے اس کے سراپا کا جائزہ لیتے ہیں۔ پھر ایک شخص سے فرماتے ہیں "ہمارے ہاں جاؤ اور اس مہمان کے لیے کھانا لے آؤ" وہ خالی ہاتھ واپس آ جاتا ہے اور زوجۂ محترمہ کا پیغام دیتا ہے: "اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا، میرے پاس اس وقت پانی کے سوا کچھ نہیں۔" مسافر پیغام سن کر دم بخود رہ جاتا ہے۔ وہ جس بابرکت ہستی کے پاس اپنے افلاس کا رونا لے کر آیا ہے خود ان کے گھر کا یہ حال ہے! حضورؐ پیغام سن کر دوسری زوجۂ مطہرہؓ کے پاس بھیجتے ہیں، مگر وہاں سے بھی یہی جواب ملتا ہے۔ یکے بعد دیگرے سب ازواجِ مطہرات سے پچھواتے ہیں، لیکن سب کا جواب یہی ہے: "اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث فرمایا ہمارے پاس سوائے پانی کے اور کچھ نہیں۔"

نووارد کی حالت دیدنی ہے۔ وہ افلاس اور فاقہ کشی سے بھاگ کر اس پاک ہستی کے دامن میں پناہ لینے آیا تھا جو تنگ دستوں اور محتاجوں کا ملجا و ماویٰ ہے، تاجدارِ دو عالم ہے۔ جس کے اشارے پر دنیا بھر کے خزانے قدموں پر ڈھیر ہو سکتے ہیں۔ ایسی عظیم اور مقدس ہستی کے ہاں بھی بس اللہ کا نام ہے۔ اسے اپنے گھر کا خیال آ جاتا ہے۔ وہاں اتنی احتیاج تو نہ تھی۔ جب اس نے گھر چھوڑا تھا اس وقت بھی اس کے ہاں تین دن کی خوراک موجود تھی۔ پھر ایک بکری بھی اس

کے پاس تھی جس کا دودھ زیادہ نہ سہی، بچے کے لیے تو کافی ہو رہا تھا۔ وہ تو اس خیال سے حاضر ہوا تھا کہ حضور کے آگے دامنِ احتیاج پھیلائے گا۔ وہ جن کا جُود و کرم ہوا سے بھی زیادہ بے پایاں ہے ان کے فیضِ کرم سے کٹھن زندگی آسان ہو جائے گی، لیکن یہاں تو عالم ہی اور ہے۔ اسے اپنے وجود پر شرم آنے لگتی ہے اور ندامت کے قطروں سے اس کی پیشانی بھیگ جاتی ہے۔ ایک دم اسے آقائے دوسرا کی آواز سنائی دیتی ہے۔ حضورؐ فرما رہے ہیں: "آج کی رات اس شخص کی میزبانی کون کرے گا؟" ابو طلحہ انصاریؓ اٹھ کر عرض کرتے ہیں: "اے اللہ کے رسولؐ، میرا گھر حاضر ہے"۔ پھر اس شخص کو ساتھ لے کر گھر آتے ہیں۔ بیوی اُمِ سُلیم سے پوچھتے ہیں "کھانے کو کچھ ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مہمان ساتھ آئے ہیں"۔ نیک بخت کہتی ہیں "میرے پاس تو بچوں کے کھانے کے سوا کچھ بھی نہیں"۔ ابو طلحہؓ کہتے ہیں "بچوں کو سلا دو اور کھانا دسترخوان پر چُن کر چراغ گُل کر دو۔ ہم مہمان کے ساتھ بیٹھے یونہی دکھاوے کو منہ چلاتے رہیں گے اور وہ پیٹ بھر کر کھا لے گا"۔

اُمِ سُلیمؓ ایسا ہی کرتی ہیں۔ اندھیرے میں مہمان یہی سمجھتا ہے کہ میزبان بھی اس کے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں۔ مہمان کو کھانا کھلا کر سارا گھر فاقے سے رہتا ہے۔ صبح ہوتی ہے تو ابو طلحہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ حضورؐ انہیں دیکھ کر تبسم فرماتے ہیں اور کہتے ہیں تم دونوں میاں بیوی رات مہمان کے ساتھ جس سلوک سے پیش آئے، اللہ تعالیٰ اس سے بہت خوش ہوا ہے۔ پھر حضورؐ آیت تلاوت فرماتے ہیں جو اس موقع پر نازل

ہوتی: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ اور وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ خواہ خود محتاج کیوں نہ ہوں (الحشر: ۹)
اس طرح ابو طلحہؓ اور ان کے گھر والوں کے ایثار کی داستان رہتی دنیا تک کلامِ الٰہی میں ثبت ہو جاتی ہے۔

○

تین دن کی خونریز جنگ کے بعد آخر رومی افواج بھاگ نکلیں اور یرموک کی جنگ قادسیہ کے معرکے کی طرح تاریخ کی فیصلہ کن جنگ بن گئی۔ قادسیہ کے میدان میں کسریٰ کی عظیم الشان سلطنت خاک میں مل گئی تھی، یرموک کی جنگ ایشیا اور افریقہ میں رومی سلطنت کے خاتمے کا نقیب بن گئی ہے۔ لاتعداد رومی کام آتے ہیں اور قیصرِ روم کی فوجی قوت ٹوٹ کر رہ گئی ہے۔ مسلمانوں کا نقصان بھی کچھ کم نہیں ہوا۔ بڑے بڑے شیوخ اور برگزیدہ اصحابِ رسولؐ جن کی تلواریں بدر و احد و حنین اور یمامہ کے میدانوں میں چمکی تھیں شہید ہو گئے ہیں۔ میدان لاشوں سے پٹا ہوا ہے۔ مسلمان شہیدوں کی لاشیں جمع کرنے، زخمیوں کو پانی پلانے اور انہیں اٹھا کر فوج کے پڑاؤ پر لانے میں مصروف ہیں۔

شرجیلؓ ایک مجروح کے پاس پہنچتے ہیں۔ وہ حارث بن ہشامؓ ہیں مکہ کے رئیس، فیاض اور مخیر اتنے کہ سینکڑوں غریبوں کی روزی کا سہارا بنے ہوئے تھے۔ شروع شروع میں مخالف رہے مگر فتحِ مکہ کے بعد اسلام لائے۔ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکرؓ نے انہیں شام کی مہم پر طلب کیا اور یہ یہ کہتے ہوئے چل کھڑے ہوئے تو مکہ ماتم کدہ بن گیا۔ وہ جوان کے جود و سخا پر زندگی بسر کر رہے تھے اُمڈ آئے اور ایک سہارے سے محروم ہو جانے پر زار زار رونے

گئے۔ حارث بدر و احد میں کفار کے لشکر میں شامل تھے۔ فتح مکہ کے وقت
مشرف بہ اسلام ہوئے اور اب زندگی کی سعادتوں سے محرومی کی تلافی کرنے
آئے ہیں۔ حارث اشارے سے پانی مانگتے ہیں۔ شرجیل چھاگل بھر کر ان کے منہ
سے لگاتے ہیں۔ قریب سے آواز آتی ہے: "پانی"۔ حارث فوراً منہ ہٹا لیتے ہیں
اور اشارے سے کہتے ہیں۔ پہلے انہیں پلاؤ وہ مجھ سے زیادہ پیاسے ہیں۔

شرجیل دوسرے زخمی کے پاس پہنچتے ہیں۔ دیکھتے ہیں ابوجہل کے بیٹے عکرمہؓ
زخموں سے چور پڑے ہیں۔ خون بہ جانے سے چہرے پر زردی کھنڈی ہوئی ہے
یہ وہی عکرمہؓ ہیں جو اپنے باپ سے کچھ کم اسلام اور مسلمانوں کے دشمن نہ تھے۔ احد
میں جب قریشی دستوں نے پہاڑی درے سے ہو کر مسلمانوں پر حملہ کر کے جنگ کا نقشہ
پلٹ دیا تھا ان میں ایک دستے کی کمان عکرمہؓ ہی کر رہے تھے۔ فتح مکہ کے وقت
جان بچانے کے لیے بھاگ گئے اور ان کی بیوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان
کے لیے امان لے کر انہیں واپس لائی تھیں وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔ اس
کے بعد جتنی جنگیں ہوئیں ان میں پیش پیش رہے تھے۔ آج کی جنگ میں بھی انہوں
نے بے مثال شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ رومی افواج کے بے پناہ دباؤ سے مسلمانوں
کے قدم ڈگمگا گئے تھے۔ عکرمہؓ نے للکار کر کہا "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
ساتھ کتنی لڑائیاں لڑ چکے ہیں اور آج تمہارے مقابلے میں بھاگ نکلیں گے؟" پھر
مسلمانوں کو آواز دی "کون موت پر بیعت کرتا ہے؟" اس آواز پر چار سو مسلمان
ان کے ساتھ جان دینے پر آمادہ ہو گئے۔ تلواروں کے نیام توڑ کر پھینک دیے
اور پھر عکرمہؓ کی کمان میں اس پامردی سے لڑے کہ جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ گو ان

میں سے اکثر شہید ہو گئے اور باقی زخموں سے چُور چُور۔ عکرمہؓ بھی زخمی ہیں۔ شرجیلؓ جھک کر چھاگل ان کے منہ کی طرف بڑھاتے ہیں۔ ذرا فاصلے سے کراہنے کی آواز آتی ہے اور پھر کوئی ڈوبتے ہوئے لہجے میں کہتا ہے "پانی!" عکرمہؓ شرجیل سے کہتے ہیں "پہلے انہیں پلا آؤ۔"

وہ تیسرے زخمی کی طرف بڑھتے ہیں۔ وہ سہیل بن عمروؓ ہیں۔ وہ سہیل بن عمروؓ۔ جنہوں نے حدیبیہ کے مقام پر کافروں کی طرف سے معاہدے کی شرائط طے کی تھیں اور معاہدۂ حدیبیہ پر دستخط کیے تھے۔ مسلمانوں کے جانی دشمن شب وروز اسلام کی بیخ کنی میں سرگرم رہتے۔ عام مجمعوں میں اسلام کے خلاف تقریریں کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف زہر اُگلتے۔ حضرت عمر بن خطابؓ کیلئے سہیل کا رویہ ناقابلِ برداشت ہو گیا۔ حضورؐ سے اجازت طلب کی کہ ارشاد ہو تو اس دشمنِ خدا و رسولؐ کے اگلے دو دانت توڑ ڈالوں تاکہ آپؐ کے خلاف زہر چکانی نہ کر سکے۔ لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: "جانے دو ممکن ہے کبھی وہ خوش بھی کر دیں۔" سہیل اسلام کے خلاف ہر جنگ میں صفِ اوّل میں رہے۔ بدر میں گرفتار بھی ہوئے۔ ان کے دو صاحبزادے عبداللہؓ اور ابوجندلؓ مسلمان ہو گئے تو ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے۔ عبداللہؓ تو ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے مگر ابوجندلؓ صلح حدیبیہ کے بعد تک باپ کی سختیاں جھیلتے رہے۔ جس وقت معاہدۂ حدیبیہ لکھا جا رہا تھا ابوجندلؓ کسی طرح بھاگ کر آ گئے۔ ان کے پاؤں میں بیڑیاں تھیں اور پشت زخموں سے داغ داغ۔ فتح مکہ کے بعد ابوجندلؓ کی سفارش پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خطائیں معاف فرما دیں اور سہیلؓ ایسے سچے

مسلمان ہوئے کہ پھر زمانے کا کوئی اتار چڑھاؤ انہیں ڈگمگا نہ سکا۔ وہی سہیل یرموک کے میدان میں اپنے خون میں نہائے پڑے ہیں۔ شرحبیلؓ تیز تیز قدم اٹھا کر ان کے پاس پہنچتے ہیں۔ پانی کی چھاگل ان کے منہ سے لگا نہیں پاتے کہ وہ دم توڑ دیتے ہیں۔ شرحبیلؓ جلدی جلدی عکرمہؓ کے پاس آتے ہیں لیکن ان کی روح بھی پرواز کر چکی ہے۔ اب وہ تیزی سے حارثؓ کی طرف بڑھتے ہیں لیکن وہ بھی اپنے اللہ سے جا ملے ہیں۔ اس طرح تینوں اصحابِ رسولؐ تشنہ کام حوضِ کوثر پر پہنچ جاتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی اپنے دوسرے پیاسے بھائی سے پہلے پانی کا ایک قطرہ حلق میں ڈالنا پسند نہیں کرتا۔ ایسے عالم میں کہ جسم کا رواں رواں موت کے چنگل میں ہو ایثار کا یہ مظاہرہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے دلوں میں ایمان رچ بس گیا ہو۔ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ — کا ایک اور عظیم نقش تاریخ کے اوراق میں ثبت ہو جاتا ہے۔

اسلام میں قانونی مساوات

بیت الحرام، اللہ کا پاک اور محترم گھر، عرب کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے زائرین سے بھرا ہوا ہے۔ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ کی پکار ہر زبان پر ہے۔ غلام اپنے آقا کو پکار رہے ہیں ان کی پکار میں الحاح بھی ہے اور عجز و انکسار بھی۔ ایک بہت بڑی جماعت طوافِ کعبہ میں مصروف ہے۔ امیر المؤمنین عمرؓ بن خطاب اور ان کے ہمراہی مدینۃ النبی سے تھوڑی دیر پہلے پہنچے ہیں اور طواف کر رہے ہیں۔

مدینے کے قافلے میں عراق و شام کے نومسلم سردار بھی ہیں۔ امیر المؤمنین

کی معیت میں طواف کی سعادت سے بہرہ ور ہونے کے خیال سے مسجد الحرام میں موجود مسافروں کی ایک بڑی تعداد بھی ان کے ساتھ شریک ہو گئی ہے۔ عجیب سماں ہے۔ لبیک لبیک کی دلگداز صداؤں سے فضا گونج رہی ہے۔ امیر، غریب، بادشاہ اور رعایا سب یکساں لباس زیب تن کیے اللہ کے دربار میں حاضر ہیں سب کی زبان پر ایک کلمہ ہے۔

تلبیہ کی اس مقدس فضا میں ناگہاں ایک کرخت آواز گونجتی ہے "تڑاخ"۔ طواف کرنے والے رُک گئے ہیں۔ لَبَّیْكَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ کی صدائیں دھیمی پڑ گئی ہیں۔ متجسس نگاہیں دیکھتی ہیں ایک بدّو سفید احرام پہنے کھڑا ہے اس کی ناک کا بانسا ٹیڑھا ہو گیا ہے اور خون بہہ رہا ہے۔ بدّو کے قریب ہی ایک وجیہہ و شکیل عرب اول فول بک رہا ہے۔ اُس کا چہرہ غصّے سے سُرخ ہے اور وہ غضب آلود نگاہوں سے بدّو کو گھور رہا ہے۔

اللہ نے جس مقدس گھر کو جائے امن قرار دیا، جہاں پہنچ کر ہر شخص اپنے آپ کو محفوظ اور مامون سمجھتا ہے، جس کے احترام میں بڑے بڑے خود سر اور متمرد اپنی گردن خم کر دیتے ہیں۔ اس مقدس مقام پر یہ ظلم:

"بات کیا ہے؟" لوگ بدّو سے پوچھتے ہیں۔

"اس شخص کا تہ بند زمین پر گھسٹ رہا تھا پیچھے سے نمازیوں کا ریلا جو آیا تو میرا پاؤں اس پر جا پڑا اور اس نے مجھے تھپڑ دے مارا۔" بدّو خون پونچھتے ہوئے جواب دیتا ہے۔

"ظلم ہے ظلم"! ایک شخص پکار اُٹھتا ہے۔

"بھیڑ بھاڑ میں ایسا ہو ہی جاتا ہے آپ کو درگزر سے کام لینا چاہیے تھا۔"
دوسرا اس وجیہہ عرب سے نرمی سے کہتا ہے۔

"آپ ہیں کون صاحب؟ قصور آپ کا اپنا تھا۔ ایک مسلمان بھائی کو لہولہان کر دیا۔" تیسرا تند و تیز لہجے میں سرزنش کرتا ہے۔

"میں؟ میں جبلہ ہوں غسان کا بادشاہ! اگر حدودِ حرم میں نہ ہوتا تو اس گستاخ کی گردن مار دیتا۔" وہ نفرت بھری نگاہوں سے بدّو کو دیکھتا اور پوچھنے والے کو بڑے تکبر سے جواب دیتا ہے۔

○

شاہِ غسان جبلہ بن ایہم انصار کا ہم جد تھا۔ حوران اور بلقاء کا تاجدار۔ چند ماہ پہلے وہ مدینۃ النبی میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا تھا۔ مسلمانوں میں اس کی آمد کی خبر سُن کر مسرت اور انبساط کی لہر دوڑ گئی تھی۔ جبلہ بڑے جاہ و حشم اور تمکنت کے ساتھ سینکڑوں خدام اور مصاحبین اپنے جلو میں لیے مدینے آیا۔ اس روز شہر کے بچے بوڑھے اور جوان سب جلوس کا نظارہ دیکھنے نکل کھڑے ہوئے۔ خواتین بھی اپنے گھروں کی چھتوں پر اُمڈ آئیں۔

مسلمانوں کی یہ مسرت فطری تھی۔ جبلہ اسلام اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کئی بار خبر اُڑی کہ جبلہ بھاری فوج لیے مدینے پر حملہ کرنے آ رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی ہی خبر سُن کر ایک مرتبہ سخت گرمی اور قحط کے زمانے میں تبوک تشریف لے گئے تھے تاکہ دشمن کو سرحد ہی پر روک دیا جائے۔ بعد ازاں حضورؐ نے زید بن حارثہؓ کی قیادت

میں بھی یک فوج روانہ کی ؛ چنانچہ موتہ کے مقام پر غسانیوں سے زبردست جنگ ہوئی تھی جس میں مسلمانوں کے تین سپہ سالار کام آئے اور خالد بن ولیدؓ بڑی مشکل سے مسلمان فوج کو تباہی کے منہ سے نکال کر لائے۔

وہی جبلہ سرِ تسلیم خم کیے اب مدینے آ رہا تھا۔ اہلِ مدینہ نے اس کا شایانِ شان استقبال کیا اور سر آنکھوں پر بٹھایا۔

اب وہ امیر المومنین کے ساتھ حج کرنے آیا تھا۔ اُس نے اسلام کے آگے اپنا سر تو جھکا دیا تھا مگر ابھی اس سر سے بادشاہی کی خُو بُو اور نخوت نہیں گئی تھی۔ اسی نخوت کے ہاتھوں ایک مسلمان بیت الحرام کے اندر لہولہان کھڑا تھا۔

بدو جو قبیلہ فزارہ کا آدمی تھا، خون آلود احرام کے ساتھ امیر المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امیر المومنین نے جبلہ کو بلایا، فریقین کا بیان سنا۔ پھر فرمایا:

"جبلہ زیادتی تمہاری ہے اب یا تو اس فزاری کو راضی کر دو یا قصاص دو۔"

جبلہ کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا وہ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا:

"امیر المومنین، مجھے آپ سے یہ توقع نہ تھی۔ کیا آپ ایک فرد مایہ شخص کے بدلے میں مجھ سے قصاص لیں گے؟ میں ایک بادشاہ ہوں اور وہ رعایا کا ایک عام فرد۔"

"اسلام نے بلند و پست سب برابر کر دیے ہیں۔ اسلامی قانون کی نظر میں بادشاہ اور رعایا سب ایک ہیں۔" امیر المومنین کا جواب جبلہ کو حیرت میں ڈال

دینے والا تھا۔

"میں تو یہ سمجھ کے مسلمان ہوا تھا کہ پہلے سے زیادہ عزت و تکریم ہو گی، لیکن آپ مجھے ایک عامی کے دوش بدوش کھڑا کر رہے ہیں۔" جبلہ نے کہا۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا۔

"جبلہ، اسلام خاص و عام میں کوئی امتیاز نہیں کرتا۔ یہاں عزت و شرف اس شخص کو حاصل ہے جس کے اعمال نیک اور اخلاق اچھے ہیں۔ اگر عمرؓ سے بھی کوئی جرم سرزد ہو جائے تو اسلام کا قانون اس سے بھی باز پرس کرے گا۔ عزت چاہتے ہو تو اس بدو کو راضی کر دو۔ ورنہ مجمع عام میں بدلے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"یہ بات ہے تو میں اسلام سے باز آیا، میں پھر عیسائی ہو جاؤں گا۔" جبلہ نے چلاتے ہوئے کہا۔

"عیسائی ہو جاؤ گے، پھر تمہاری گردن مار دی جائے گی۔ اسلام میں مُرتد کی سزا یہی ہے۔" امیر المومنین کے الفاظ سخت تھے مگر لہجہ نہایت نرم تھا۔

جبلہ سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر بولا: "امیر المومنین، مجھے ایک رات کی مہلت دیجئے میں اس معاملے پر غور کر لوں۔"

امیر المومنین نے درخواست قبول کر لی۔ مسلمان مناسکِ حج کی ادائیگی میں مصروف ہو گئے۔ اگلی صبح پتہ چلا کہ جبلہ اپنے ہمراہیوں سمیت بھاگ گیا ہے۔ وہ قیصرِ روم کے پاس پہنچا اور دوبارہ عیسائی ہو گیا۔ قیصر نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اپنے تخت پر جگہ دی۔ کسی شخص نے کہا: "امیر المومنین درگزر فرماتے تو جبلہ دشمنوں کی صف میں نہ جاتا۔"

امیرالمومنین نے سُنا تو فرمایا:

بادشاہ ہو یا عامی، اسلام کا قانون ہر شخص پر لاگو ہوگا۔ عمرؓ اگر کسی شخصیت کی خاطر اسلامی قانون کو معطل کر دے تو اس سے بڑھ کر ظالم اور کوئی نہیں"۔

خواتین دربارِ رسولؐ میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ نبوی میں اپنے اصحابؓ کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ اتنے میں چند خواتین آتی ہیں۔ قدرے فاصلے پر آکر رُک جاتی ہیں۔ اسماء بنتِ یزیدؓ آگے بڑھتی ہیں اور قریب آکر عرض کرتی ہیں: "مجھے مسلمان عورتوں نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرد و زن سب کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا۔ ہم نے آپؐ کی پیروی کی اور آپؐ پر ایمان لائیں۔ لیکن ہماری حیثیت مردوں سے بالکل مختلف ہے۔ ہم پردہ نشین ہیں۔ نمازِ جمعہ اور جماعت میں شریک نہیں ہوسکتیں اور مرد اِن میں شریک ہوتے ہیں۔ وہ مریضوں کی عیادت اور جہاد کرتے ہیں، لیکن ہم گھر میں بیٹھ کر ان کی اولاد پالتی ہیں، گھروں کی حفاظت کرتی ہیں، کپڑوں کے لیے چرخا کاتتی ہیں۔ کیا ہمیں بھی ثواب ملے گا؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اسماءؓ کی باتیں بڑی توجہ سے سن رہے ہیں۔ وہ خاموش ہوتی ہیں تو صحابہؓ سے ارشاد فرماتے ہیں: "تم نے کسی عورت کی ایسی گفتگو بھی سنی ہے؟"

"نہیں" صحابہؓ عرض کرتے ہیں۔

حضرت اسماءؓ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں: "عورت کے لیے شوہر کی

رضا جوئی نہایت ضروری ہے۔ اگر وہ فرائضِ زوجیت ادا کرتی اور شوہر کی مرضی پر چلتی ہے تو اُسے مرد کے برابر ثواب ملتا ہے۔"

اسمارؓ کہتی ہیں: "ہم عورتیں بیعت کے لیے حاضر ہوئی ہیں"۔ بیعت کرنے والیوں میں اسمار کی خالہ بھی ہیں۔ انہوں نے سونے کے کنگن اور انگوٹھیاں پہن رکھی ہیں۔ حضورؐ پوچھتے ہیں: "ان کی زکوٰۃ دیتی ہو؟"

"نہیں"۔ وہ عرض کرتی ہیں۔

"کیا تمہیں پسند ہے کہ خدا آگ کے کنگن اور انگوٹھیاں پہنائے؟" حضورؐ فرماتے ہیں۔ اسمارؓ کہتی ہیں "خالہ انہیں اتار دو"۔ چنانچہ وہ تمام زیور اسی وقت اتار کر پھینک دیتی ہیں۔ اسمارؓ عرض کرتی ہیں: "اے اللہ کے رسولؐ، ہم زیور نہیں پہنیں گی تو شوہر کی نظر سے گر جائیں گی۔

"پھر چاندی کے زیور پہنو اور ان پر زعفران مل لو کہ سونے کی چمک پیدا ہو جائے"۔ حضورؐ ارشاد فرماتے ہیں۔

بیعت کا وقت آتا ہے تو اسمارؓ کہتی ہیں! اے اللہ کے رسولؐ، اپنا ہاتھ بڑھائیے ہم بیعت کرتی ہیں۔

"میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا"۔ حضورؐ ارشاد فرماتے ہیں اور پھر زبانی چند اقرار کرواتے ہیں۔

بارگاہِ الٰہی میں

مسلم بن یسارؒ نماز پڑھ رہے تھے کہ ان کے گھر میں آگ لگ گئی۔ محلے میں شور پڑ گیا، لوگ گھروں سے نکل کر آ گئے اور آگ بجھانے لگے۔ ایک ہنگامہ

برپا تھا، لیکن مسلمؒ اپنے مولا کی حاضری میں کچھ ایسے گم تھے کہ ذرا خبر نہ ہوئی۔ نماز سے فارغ ہو کر پتہ چلا کہ گھر میں آگ لگ گئی تھی اور لوگوں نے بجھائی ہے۔

○

ربیع بن خیثمؒ نماز میں مصروف تھے۔ نہایت قیمتی گھوڑا سامنے بندھا تھا۔ ایک چور اسے کھول کر لے گیا۔ اگلے روز لوگ گھوڑے کی چوری کا افسوس کرنے آئے تو فرمایا: "میرا گھوڑا میرے سامنے ہی چوری ہوا ہے، لیکن میں ایسے کام میں لگا ہوا تھا جو مجھے گھوڑے سے زیادہ عزیز تھا۔"
کچھ عرصے بعد گھوڑا خود بخود آپ کے پاس پہنچ گیا۔

○

یعمر بن بشر کہتے ہیں ایک روز عشاء کے وقت میں عبداللہ بن مبارکؒ کے دروازے پر آیا۔ اس وقت آپ بارگاہِ الٰہی میں حاضر رکوع و سجود میں محو تھے۔ قیام میں سورۃ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ پڑھ رہے تھے۔ جب اس آیت پر پہنچے یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ (اے انسان، وہ کون سی شے ہے جو تجھے اللہ کی طرف سے غرور میں رکھتی ہے) تو اسے بار بار پڑھنے لگے یہاں تک کہ رات کا اکثر حصہ اسی میں گزر گیا اور صبح ہو گئی۔

○

ابن زبیرؓ نماز کے لیے کھڑے ہوتے، تو یوں معلوم ہوتا جیسے ایک سوکھی لکڑی کھڑی ہے۔ اللہ کے خوف سے بالکل بے حس و حرکت کھڑے رہتے تھے۔

○

اغیار کی گواہی

رُومی افواج مسلمانوں کے مقابلے میں شکست پر شکست کھا رہی تھیں۔
قیصرِ رُوم ہرقُل، انطاکیہ میں بیٹھا ہوا تھا اور سخت پریشان تھا۔ اُس نے فوجی افسروں کا اجلاس بلوایا اور پوچھا:
"جو لوگ تمہارے ساتھ نبرد آزما ہیں، کیا وہ تمہارے جیسے انسان نہیں؟"
"انسان ہی ہیں"۔ فوجیوں نے جواب دیا۔
تعداد میں تم زیادہ ہو یا وہ؟"
"ہر جنگ میں ہماری تعداد ان سے کئی گنا تھی"۔
"پھر کیا بات ہے کہ تم شکست کھا رہے ہو؟"
اجلاس میں خاموشی چھا گئی۔ آخر ایک بُوڑھے فوجی افسر نے دست بستہ عرض کیا:
"ہماری شکست کا سبب یہ ہے کہ وہ لوگ رات کو نمازیں پڑھتے ہیں اور دن کو روزے رکھتے ہیں، عہد کی پابندی کرتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں اور آپس میں عدل سے کام لیتے ہیں۔ اس کے برعکس ہمارا حال یہ ہے کہ ہم شراب پیتے ہیں، بدکاری کرتے ہیں، حرام افعال کے مرتکب ہوتے ہیں، عہد کو توڑتے ہیں، لوگوں کے اموال اور حقوق غصب کرتے ہیں، ان پر مظالم ڈھاتے ہیں، اللہ جن باتوں سے ناراض ہوتا ہے اُن کا حکم دیتے ہیں اور جن باتوں سے خوش ہوتا ہے ان سے روکتے ہیں اور زمین میں فتنہ و فساد برپا کرتے ہیں"۔

"تم نے بالکل ٹھیک کہا۔ ہماری شکست کا اصلی سبب یہی ہے"۔ ہرقل نے مسلمانوں کی عظمتِ کردار کو تسلیم کر لیا۔

تحمل اور عالی ظرفی

حضرت حسینؓ کے صاحبزادے ابوالحسن علی زین العابدینؒ تحمل اور بردباری میں اپنے والدِ گرامی کے مشابہ تھے۔ زبان کے تیز سے تیز نشتروں کا بھی اثر نہ لیتے، ناگوار سے ناگوار اور تلخ سے تلخ باتیں سُن کر پی جاتے۔ آپ کے تحمل کا یہ اثر ہوتا کہ مسجد سے اُٹھ کر آنے لگتے تو گالی دینے والے روتے ہوئے آپ کے ساتھ ہو لیتے اور کہتے آپ آئندہ ہماری زبان سے کبھی ایسا کلمہ نہیں سُنیں گے جو آپ کو بُرا لگے۔

اکثر ایسا ہوتا کہ آپ بیہودہ بکنے والوں کی جانب متوجہ ہی نہ ہوتے۔ کبھی جواب دیتے تو اس طرح کہ کہنے والا خود منفعل ہو جاتا۔ ایک مرتبہ مسجد سے نکلے، راستے میں ایک شخص نے آپ پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ آپ کے غلام اور خدام اُس کی طرف لپکے، مگر آپ نے روک دیا۔ اور اس شخص سے فرمایا: "جو حالات تم سے مخفی ہیں، وہ اس سے زیادہ ہیں جو تم کہہ رہے ہو۔ تمہاری کوئی ضرورت ہے جس میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں"؟ یہ جواب سُن کر وہ سخت شرمندہ ہوا۔ آپ نے اپنا کرتہ اتار کر اُسے دے دیا اور ایک ہزار درہم سے زیادہ نقد عطا فرمائے۔

اس شخص پر آپ کے اس حُسنِ انتقام کا اتنا اثر ہوا کہ بے اختیار اُس کی زبان سے نکل گیا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہیں"۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے کہا فلاں آدمی آپ کو بُرا بھلا کہتا ہے۔ آپ اس کو لے کر اس شاتم کے پاس پہنچے۔ ادھر اطلاع دینے والا سمجھا امام زین العابدین نے اُسے اپنے ساتھ مدد کے لیے لیا ہے، مگر بُرا کہنے والے شخص کے پاس پہنچے تو حیران کُن کردار کا نمونہ سامنے آیا۔ حضرتؑ نے اُس بدزبان سے فرمایا: "تم نے جو کچھ میرے بارے میں کہا ہے اگر وہ سچ ہے تو خدا میری مغفرت فرمائے۔"

جن کینہ پرور دشمنوں سے آپ کو بڑی بڑی تکلیفیں پہنچی تھیں، ان سے موقع ملنے کے بعد بھی انتقام نہ لیتے تھے۔ مدینے کا گورنر ہشام بن اسمٰعیل آپ کو اور آپ کے اہلِ بیت کو سخت قلبی اذیت پہنچاتا تھا۔ حضرت علیؓ پر علانیہ سبّ و شتم کرتا تھا۔ ولید بن عبدالملک نے اپنے زمانے میں اُسے معزول کر کے حکم دیا کہ اس کو مجمعِ عام میں کھڑا کیا جائے اور لوگ اس سے اپنا اپنا بدلہ لیں۔ ہشام کا بیان ہے مجھے سب سے زیادہ خطرہ علی بن حسینؓ کی جانب سے تھا۔ مگر انہوں نے اپنے لڑکوں اور حامیوں کو منع کر دیا کہ کوئی شخص مجھ سے تعرض نہ کرے۔ آپ کے صاحبزادے عبداللہ نے عرض کیا، خدا کی قسم اس نے ہمارے ساتھ بہت بُرائیاں کی ہیں، ہم تو ایسے ہی وقت کا انتظار کر رہے تھے۔ فرمایا: "ہم اس کو خدا کے سپرد کرتے ہیں۔"

اس ارشاد کے بعد ان میں سے کسی نے اس کے متعلق ایک لفظ منہ سے نہ نکالا۔ ہشام پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ زندگی بھر زین العابدینؓ کے فضل کا معترف رہا۔

خوفِ آخرت

عبداللہ بن زبیرؓ کے گورنر اور بھائی مصعب بن زبیرؓ نے ایک شخص کی گردن مارنے کا حکم دیا۔ وہ کہنے لگا۔

"ذرا اپنی اس حسین وجمیل صورت اور روشن چہرے کو دیکھیے اور خیال کیجئے کہ کتنا قبیح منظر ہوگا جب آپ اللہ کے دربار میں حاضر ہوں گے، آپ کا گریبان میرے ہاتھ میں ہوگا اور میری زبان پر یہ فریاد ہوگی۔ اے میرے پروردگار، مصعب سے پوچھیے، اس نے مجھے کس پاداش میں قتل کیا تھا۔"

مصعب کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ انہوں نے آنکھیں جھکا لیں۔ کچھ دیر تک خاموش کسی گہری سوچ میں ڈوبے رہے اور پھر حکم دیا کہ اس شخص کو رہا کر دیا جائے۔

رہائی کے بعد وہ بولا:

"اے امیر، جو زندگی آپ نے مجھے بخشی ہے، اس کی آسودگی کا بندوبست بھی کر دیجئے۔"

مصعب مسکرائے اور اسے ایک لاکھ درہم دینے کا حکم دیا۔

صبر و شکر

زبیر بن العوامؓ کے بیٹے عروہ صبر و استقامت کے پیکرِ مجسم تھے۔ بڑی سے بڑی آزمائش اور تکلیف کے موقع پر بھی زبان سے اُف نہ نکلتی تھی۔ ایک دفعہ خلیفہ عبدالملک کے پاس شام گئے۔ ان کے لڑکے محمد بھی ساتھ تھے۔ شاہی اصطبل دیکھنے گئے۔ ایک گھوڑے نے انہیں ٹپک دیا۔ محمد اسی وقت جاں بحق ہو گئے۔ خود ان کے پاؤں میں سخت چوٹ آئی۔ کچھ مدت بعد عروہ کے

پاؤں میں ایک قسم کا زہریلا زخم بن گیا۔ اطبّاء نے مشورہ دیا کہ پاؤں کاٹ دیا جائے ورنہ اندیشہ ہے کہ زہر تمام جسم میں پھیل جائے گا۔ عروہ اُس وقت ضعیف ہو چکے تھے، لیکن انہوں نے جوانوں سے بڑھ کر ہمت و استقلال سے کام لیا۔ پاؤں کاٹنے سے پہلے طبیب نے کہا: "تھوڑی سی شراب پی لیجئے تاکہ تکلیف کا احساس کم ہو۔" فرمایا: "جس مرض میں مجھ کو صحت کی امید ہو، اس میں بھی حرام شے سے مدد نہ لوں گا۔" طبیب نے کہا: "تو بے ہوش کر دینے والی دوا ہی استعمال کر لیجئے۔" فرمایا: "میں یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میرے جسم کا ایک عضو کاٹا جائے اور میں اُس کی تکلیف محسوس نہ کروں۔"

اپریشن کے وقت چند آدمی سنبھالنے کے لیے آئے۔ عروہ نے پوچھا: "تمہارا کیا کام ہے؟"

"زیادہ تکلیف کے وقت صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اس لیے آپ کو سنبھالنے آئے ہیں۔"

فرمایا "مجھے امید ہے تمہاری مدد کی ضرورت نہ پڑے گی۔" اور نہایت استقلال کے ساتھ پاؤں کٹوا دیا۔ پاؤں ٹخنوں سے الگ کیا گیا تو زبان پر تسبیح و تہلیل تھی۔ خون بند کرنے کے لیے زخم کو داغا گیا تو تکلیف کی شدت سے تڑپ اُٹھے اور بے ہوش ہو گئے، لیکن جلد ہی ہوش آ گیا۔ اور چہرے کا پسینہ پونچھ کر کٹا ہوا پاؤں منگوایا اور دیکھا۔ اُس کو اُلٹا پلٹا اور خطاب فرمایا: "اُس ذات کی قسم جس نے تجھ سے میرا بوجھ اٹھوایا، وہ خوب جانتا ہے کہ میں کسی حرام راستے پر گامزن نہیں ہوا۔"

ان حوادث اور مصائب کے باوجود زبان شکوہ وشکایت سے آلودہ نہ ہوئی اور ہمیشہ خدا کا شکر ہی ادا کرتی رہی۔ اکثر فرمایا کرتے تھے۔

"خدایا تیرا شکر ہے کہ تو نے میرے چار ہاتھ پاؤں میں سے ایک ہی لیا اور تین سلامت رکھے اور ایک بیٹے ہی کو لیا اور تین باقی رکھے۔ تونے کچھ لیا ہے تو بہت کچھ باقی رکھا ہے۔ اگر کچھ مصیبت میں مبتلا کیا ہے تو بہت دنوں عافیت میں بھی رکھ چکا ہے۔"

حسین آرزو

عروہ کی نگاہ میں دولت دنیا اور چند روزہ عیش وتنعم کی کوئی وقعت نہ تھی۔ انہوں نے خدا سے کبھی دنیا نہ مانگی۔ ایک مرتبہ امیر معاویہؓ کے زمانے میں عروہ، ان کے بھائی عبداللہؓ اور مصعب بن زبیرؓ اور عبدالملک چار آدمی مسجد حرام میں جمع تھے۔ کسی نے تجویز پیش کی ہم لوگ خدا کے اس گھر میں اپنی اپنی آرزوئیں اپنے خدا کے آگے پیش کریں۔ سب نے اسے پسند کیا۔

عروہ کے بھائی عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا: "میری آرزو یہ ہے کہ میں حرم کا بادشاہ ہو جاؤں اور مجھے تخت خلافت ملے۔"

مصعب بن زبیرؓ نے کہا: "میری تمنا یہ ہے کہ قریش کی دو حسین عورتیں عائشہ بنت طلحہ اور سکینہ بنت حسین میرے عقد میں آجائیں۔"

عبدالملک نے کہا: "میری آرزو یہ ہے کہ میں کل روئے زمین کا بادشاہ ہو جاؤں، اور امیر معاویہؓ کا جانشین بنوں۔"

سب سے آخر میں عروہ نے کہا: "مجھے تمہاری ان خواہشات میں سے کچھ

نہیں چاہیے۔ میں دنیا میں زہد اور علم اور آخرت میں کامیابی چاہتا ہوں"۔

خدا نے ان چاروں کی دُعا قبول کی۔ ابنِ زبیرؓ سات برس تک خلیفہ رہے۔ مصعب کے عقد میں دونوں خواتین آئیں۔ عبدالملک سندھ سے لے کر اسپین تک کا فرمانروا ہوا، امیر معاویہؓ کی قائم کردہ سلطنت کا وارث بنا اور عروہ کو خاصانِ خدا کا مرتبہ ملا۔

احساسِ ذمّہ داری

خراسان کے والی یزید بن ابی مہلب کو ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو صاحبِ علم و فضل ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت متقی، خدا ترس اور فرض شناس ہو۔ بہت تلاش و جستجو اور لوگوں سے پوچھ گچھ کے بعد اس کی نگاہِ انتخاب ابوموسیٰ اشعریؓ کے صاحبزادے ابوبردہؓ پر پڑی۔ یزید نے انہیں بلایا اور طلب کرنے کا مقصد ظاہر کیا:

"آپ دیکھتے ہیں ہم پر بڑی بھاری ذمّہ داری ڈال دی گئی ہے۔ ہمیں آپ جیسے صاحبِ کمال بزرگوں کے تعاون کی ضرورت ہے۔ ہم آپ کو اِن منصب پر فائز کرنا چاہتے ہیں"۔

ابوبردہؓ چپ چاپ یزید کی باتیں سنتے رہے۔ پھر بڑے اطمینان سے کے ساتھ معذرت کر دی۔ یزید نے اصرار کیا۔ مگر ابوبردہؓ اپنے انکار پر قائم تھے جب اس کا اصرار حد سے بڑھا تو بولے:

"جو منصب آپ پیش کر رہے ہیں، میں اُن کی ذمّہ داریوں کو اُٹھانے کی طاقت اہل نہیں ہوں اور میں نے اپنے والد ابوموسیٰ اشعریؓ سے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے. جس شخص نے کوئی ایسا منصب قبول کر لیا جس کے متعلق وہ خود جانتا ہے کہ اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی اہلیت نہیں رکھتا اُسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے، پھر میں جانتے بُوجھتے اپنا گھر دوزخ میں کیوں بناؤں؟"

ابو بردہ کے اس جواب پر یزید خاموش ہو گیا اور پھر کبھی انہیں کوئی منصب قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔

اصلاح و تربیت

غالب بن صعصعہ امیر المومنین علی ابن ابی طالبؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کا بھتیجا فرزدق بھی اس کے ساتھ تھا۔ امیر المومنینؓ نے پوچھا:

"تم کون ہو؟"

"غالب بن صعصعہ"۔

"اچھا وہی جس کے بے شمار اونٹ ہیں؟"

"جی ہاں"۔

"اتنے اونٹوں کا کیا کرتے ہو؟"

بدقسمتی کا ازالہ اور حقداروں کے حقوق ادا کرتا ہوں"۔

"ہاں یہی بہترین راستہ ہے"۔ امیر المومنینؓ نے ستائش کی، پھر پوچھا:

یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟"

"میرا بھتیجا۔ یہ شاعر بھی ہے"۔ غالب نے جواب دیا۔

"اسے قرآن کی تعلیم دو، یہ اس کے حق میں شعر کہنے سے کہیں بہتر ہوگا۔

امیرالمومنینؓ کی یہ بات فرزدق کے دل میں بیٹھ گئی۔ اُس نے قسم کھائی کہ جب تک قرآن حفظ نہ کر لوں گا، گھر سے باہر قدم نہ رکھوں گا؛ چنانچہ گھر میں بیٹھ رہا اور ایک سال کے اندر اندر قرآن حفظ کر لیا۔

○

شراب کا دَور چل رہا تھا اور زاذان نامی ایک مغنّی بربط پر گا رہا تھا۔ عبداللہؓ بن مسعودؓ کا گزر اُدھر سے ہوا۔ مغنّی کی آواز سُن کر فرمایا: "کیا ہی اچھی آواز ہے۔ کاش! اس آواز سے قرآن پڑھا جاتا۔"

عبداللہ بن مسعودؓ چلے گئے، مگر زاذان نے اُن کی آواز سُن لی تھی۔ اُس نے لوگوں سے پوچھا:

"یہ کون شخص تھا؟"

"عبداللہ ابن مسعودؓ تھے"، لوگوں نے جواب دیا۔ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر ساتھی۔"

"کیا فرما رہے تھے؟" زاذان نے دریافت کیا۔

"کہتے تھے کیسی اچھی آواز ہے، کاش اس آواز سے قرآن پڑھا جاتا!"

یہ سنتے ہی زاذان کی حالت غیر ہو گئی۔ دل میں ایک ہُوک سی اٹھی اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔ اٹھا، بربط کو زمین پر مار کر توڑ ڈالا اور تیزی سے دوڑتا ہوا عبداللہ ابن مسعودؓ کے پاس پہنچا۔ گردن میں پگڑی ڈالی اور ان کے قدموں میں گر کر رونے لگا۔ عبداللہ ابن مسعودؓ نے اسے گلے سے لگا لیا اور خود بھی رونے لگے۔ پھر بولے: "جس شخص سے خدا محبت کرتا ہے، میں اس کو اپنا دوست

کیوں نہ بناؤں"؟

اب زاذان حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی خدمت میں رہنے لگے۔ قرآن مجید اور دوسرے علوم پڑھے اور ایسا کمال حاصل کیا کہ آج ان کا شمار ائمۂ تابعین کی صفِ اوّل میں ہوتا ہے۔

تجارت میں دیانت

محمد بن سیرین ہیں تو غلام زاد سے، مگر بڑے اونچے پائے کے بزرگ۔ ذہین عالم فاضل اور شدوالے ایسے کہ دیکھ کر خدا یاد آجاتا ہے۔ بازار سے گزرتے یا کسی مجلس میں جاتے ہیں تو کوئی آدمی ایسا نہیں ہوتا جو آپ کے رُخ پر نظر ڈالنے کے بعد اللہ کا ذکر نہ شروع کر دے۔ تجارت ان کا ذریعۂ معاش ہے۔ حلال روزی کمانے میں اتنی احتیاط برتتے ہیں کہ بعض اوقات بڑا مالی نقصان اُٹھانا پڑ جاتا ہے مگر پروا نہیں کرتے۔ مشتبہ چیزوں کو ہاتھ تک نہیں لگاتے۔ ایک مرتبہ انہوں نے غلّہ خریدا اور اس میں اسّی ہزار کا فائدہ ہوا، لیکن دل میں شک کا کانٹا پڑ گیا کہ اس منافع میں سُود کا شبہ ہے؛ چنانچہ پوری رقم چھوڑ دی۔ حالانکہ اس میں سُود ذرا بھی نہ تھی۔

ایک مرتبہ چالیس ہزار کا روغنِ زیتون خریدا۔ ایک پیپے میں سے مُردہ چوہا نکل آیا۔ معلوم ہُوا کہ چوہا کولہو میں پڑ گیا تھا؛ چنانچہ سارا تیل پھنکوا دیا، مگر اتنی بڑی رقم ادا نہ کر سکے، اور اس کی سزا میں قید کی مشقت اُٹھانی پڑی۔ جیل کا نگران ان کا ارادت مند تھا۔ اس نے کہا: "میں رات کے وقت جیل خانہ آپ کے لیے کھول دیا کروں گا۔ آپ اپنے بال بچوں کے پاس چلے جایا کیجیے۔"

آپ نے فرمایا: "یہ فرضِ منصبی میں خیانت ہے۔ میں اس میں تمہاری اعانت نہیں کروں گا۔"

جو سودا بیچتے گاہک کو اچھی طرح دکھا کر بیچتے۔ بسا اوقات کھوٹے سکے بھی ان کے پاس آجاتے، انہیں بیکار کر دیتے۔ لوگوں سے فرمایا کرتے: "اللہ کی طرف سے حلال روزی تمہارے لیے مقدر ہو چکی ہے، اُسے تلاش کرو۔ گر تم حرام کے ذریعے اسے حاصل کرو گے تو بھی تمہیں اس سے زیادہ نہ ملے گی جو تمہاری قسمت میں لکھی جا چکی ہے۔"

امانت کا تحفّظ

ابوبکر بن عبدالرحمٰن اپنی امانت داری کی وجہ سے بہت مشہور تھے۔ کوئی شخص ان کے پاس امانت رکھوا تا تو اس کے تحفظ کا بہت اہتمام کرتے۔ اگر اس کا کچھ حصہ ضائع ہو جاتا تو چاہے امانت رکھنے والا معاف ہی کیوں نہ کر دیتا وہ پوری امانت واپس کرتے۔ ایک مرتبہ عروہ نے ان کے ہاں کچھ مال امانت رکھوایا، بدقسمتی سے وہ چوری ہو گیا۔ عروہ نے کہلا بھیجا کہ "تم پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے، تمہاری حیثیت تو امین کی تھی۔ انہوں نے جواب دیا:

"میں جانتا ہوں کہ مجھ پر تاوان نہیں، لیکن میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تمہاری زبان سے یہ الفاظ نکلیں میری امانت ضائع ہو گئی"۔ چنانچہ اپنی املاک بیچ کر پوری امانت واپس کی۔

دولتِ دنیا سے بے نیازی

صفوان بن سلیم زہریؒ ان تابعین میں سے ہیں جن کے علم و فضل کو سب

دُور دُور تک رواں تھا بڑے ہی عابد و زاہد۔ انفاق فی سبیل اللہ کا یہ حال تھا کہ بدن کے کپڑے تک اتار کر دے دیتے تھے۔ ایک رات مسجد سے نکلے۔ سخت سردی تھی۔ مسجد کے باہر ایک آدمی ننگے بدن نظر آیا۔ صفوانؒ نے اسی وقت اپنے جسم کے کپڑے اتار کر دے دیے۔ اس کے ساتھ استغنا اور بے نیازی کا یہ عالم کہ خلیفہ کی طرف سے ہدیے اور عطیات آتے تو قبول کرنے سے انکار کر دیتے۔ ایک مرتبہ سلیمان بن عبد الملک مدینے آیا اور عمر بن عبد العزیزؒ کے ہمراہ مسجد نبوی دیکھنے کے لیے گیا۔ ظہر کی نماز کے بعد مقصورہ کا دروازہ کھولا تو دیکھا صفوان بیٹھے ہیں۔ سلیمان انہیں پہچانتا نہ تھا، پوچھا:

"یہ کون بزرگ ہیں؟ ان سے بہتر پیشانی میں نے آج تک کسی شخص کی نہیں دیکھی۔"

"امیر المومنین! یہ صفوان بن سُلَیمؒ ہیں۔" عمر بن عبد العزیزؒ نے کہا:

سلیمان نے غلام کو پانچ سو دینار کی تھیلی دی اور کہا جاؤ ان بزرگ کو دے آؤ۔ غلام نے خدمت میں حاضر ہو کر تھیلی پیش کی اور عرض کیا:

"یہ امیر المومنین کی جانب سے نذر ہے۔ وہ یہاں مسجد میں تشریف فرما ہیں۔"

"تمہیں دھوکا ہوا ہے، کسی اور کے پاس بھیجی ہو گی۔" صفوان نے کہا۔

"آپ صفوان نہیں ہیں؟" غلام نے پوچھا۔

"ہوں تو میں ہی۔" آپ نے فرمایا۔

"تو یہ تھیلی آپ ہی کو دی ہے۔"

فرمایا: "جاؤ دوبارہ پوچھ آؤ۔"

جونہی غلام پوچھنے کو گیا۔ صفوان جوتے اٹھا کر مسجد سے نکل گئے اور پھر جتنی دیر سلیمان مسجد میں رہا وہاں نہ گئے۔

دلوں کی تسخیر

بخارا کے شیخ جمال الدین اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کاشغر جا رہے تھے۔ چونکہ اجنبی تھے اس لیے خبر نہ تھی کہ بادشاہ کی شکارگاہ میں سے گزر رہے ہیں۔ اتفاق سے اُن دنوں کاشغر کا شہزادہ تغلق تیمور خاں سیر و شکار کے لیے نکلا ہوا تھا۔ اُس کے آدمیوں نے انہیں دیکھ لیا اور ان کی مشکیں باندھ کر شہزادے کے پاس لے گئے۔ تغلق تیمور سخت طیش میں تھا۔ اُس نے پُوچھا:

"تم ہماری اجازت کے بغیر ہماری شکارگاہ میں کیوں داخل ہو گئے؟"

"ہم اجنبی ہیں، ہمیں خبر نہ تھی کہ اس زمین پر چلنے کی ممانعت ہے" شیخ جمال الدین نے جواب دیا۔

"تم لوگ کون ہو اور کہاں سے آرہے ہو؟" شہزادہ نے پوچھا۔

"ہم ایرانی ہیں اور بخارا سے آرہے ہیں"۔

شہزادہ نے ایک نگاہ اپنے شکاری کُتے پر ڈالی۔ پھر شیخ کی جانب دیکھ اور حقارت بھرے لہجے میں پُوچھا:

"یہ کُتّا بہتر ہے یا تم؟"

"اگر میں دنیا سے ایمان کا نور دل میں لیے چلا گیا تو مَیں بہتر ہوں ورنہ یہ کُتا" شیخ نے خندہ پیشانی سے جواب دیا۔

شیخ کی بات دل میں تیر کی طرح ترازو ہو گئی۔ اُس نے دریافت کیا:

"ایمان کیا چیز ہے؟"

شیخ نے ایمان کی حقیقت، اسلام کے احکام اور اُس کی تعلیمات بیان کیں۔ شیخ کی باتیں شہزادے کے دل میں گھر کر گئیں۔ وہ شیخ اور اُن کے ساتھیوں کے ساتھ بڑی عزت و تکریم کے ساتھ پیش آیا اور کہنے لگا:

"میری تخت نشینی کے بعد تشریف لائیے گا، میں آپ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کروں گا۔"

اس واقعے کو کئی سال بیت گئے۔ تغلق تیمور خان اپنے باپ کی وسیع و عریض سلطنت کا مالک بن گیا۔ شیخ جمال الدین اپنے وطن چلے گئے تھے جہاں ان کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ انتقال سے پہلے انہوں نے اپنے صاحبزادے رشید الدین سے کہا: "تغلق تیمور ایک دن بڑا بادشاہ ہوگا۔ وہ تخت پر بیٹھے تو اُس کے پاس جانا اور میرا سلام پہنچا کر بادشاہ کو بے خوف و خطر یاد دلانا کہ اُس نے مجھ سے کیا وعدہ کیا تھا۔"

رشید الدین اپنے والد کی وصیت کے مطابق کاشغر کے بادشاہ کے لشکر میں تشریف لے گئے اور تغلق تیمور خاں کے دربار میں حاضر ہونے کی کوشش کی، مگر ناکام رہے۔ آخر انہیں ایک تدبیر سوجھی۔ ایک روز علی الصبح بادشاہ کے خیمے کے قریب بلند آواز سے اذان کہنی شروع کر دی۔ بادشاہ کی نیند اچاٹ ہو گئی۔ سخت غصّے کے عالم میں چیخا: "یہ کون گستاخ ہے جس نے ہماری نیند میں خلل ڈالا ہے اسے فوراً ہمارے حضور حاضر کرو۔" خدام نے حکم کی تعمیل کی۔ تغلق تیمور آگ بگولہ ہو رہا تھا۔ لیکن جب رشید الدین نے اپنے باپ کا سلام اور پیغام پہنچایا اور

اُس کو وہ وعدہ یاد دلایا جو اُس نے شیخ جمال الدین سے کیا تھا تو اُس کا غصّہ جاتا رہا۔ اُسے اپنا وعدہ یاد تھا، چنانچہ اُس نے کلمہ طیّبہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ اُس نے ایک نومسلم کے جوش و جذبے کے ساتھ اسلام کی اشاعت و تبلیغ کی اور کچھ مدت کے اندر اندر ساری قلمرو دینِ حق کے نور سے جگمگا اُٹھی۔

ضمیر کے پاسباں

یہ عبداللہ بن محیریز ہیں۔ اپنے عہد کے بہت بڑے صاحب ورع و تقویٰ بزرگ۔ ایک مرتبہ کپڑا خریدنے بازار گئے۔ بزاز نے کپڑا دکھایا۔ انہوں نے کچھ قیمت کم کرنا چاہی مگر دکاندار نہ مانا۔ دکاندار کا پڑوسی انہیں جانتا تھا۔ اس سے کہنے لگا: "بھائی کچھ پیسے چھوڑ دو۔ جانتے ہو یہ کون ہیں؟ یہ عبداللہ بن محیریز ہیں"۔ عبداللہ نے سُنا تو اپنے لڑکے کا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگے:

"بیٹے چلو ہم یہاں پیسوں سے کپڑا خریدنے آئے ہیں اپنے دین سے نہیں"۔ چنانچہ بغیر کپڑا خریدے واپس چلے آئے۔

مشتبہ چیزوں سے اجتناب

ابوالعالیہ مشتبہ چیزوں سے بے حد اجتناب کرتے تھے۔ جن پیشہ وروں یا سرکاری ملازموں کی کمائی میں کچھ بھی مشتبہ مال کا احتمال ہوتا ان کے یہاں پانی تک نہ پیتے۔ ابوخلدہ کہتے ہیں ایک مرتبہ میں ابوالعالیہ کے پاس گیا۔ وہ کھانا لائے جس میں ترکاری بھی تھی۔ کہنے لگے: "یہ وہ ترکاری نہیں ہے جس میں کسی شے کا احتمال ہو، یہ میرے بھائی انس بن مالکؓ نے اپنے باغ سے بھیجی ہے۔" میں نے کہا: "ترکاری کا کیا ہے، جس جگہ کی بھی ہو۔ فرمایا: "وہ ہمیشہ ایسے گندے

اور بڑے مقامات پر اُگتی ہے جہاں غلاظت وغیرہ ہوتی ہے۔ دیہ ترکاری اس کے برعکس صاف ستھرے مقام کی ہے) یہ تھا اُن کے نزدیک صاف ستھرے کھانے کا تصور۔ غلاظت میں اُگنے والی ترکاری انسان کسی تردد کے بغیر کھا سکتا ہے۔ لیکن وہ اس سے بھی اجتناب کرتے تھے۔ رزقِ حرام کا احتمال تو اس غلاظت سے بھی بدتر تھا۔

دربارِ علم میں بادشاہ کی حاضری

امام مالکؒ کا دربارِ علم لگا ہوا تھا۔ امام صاحب کے بڑے بڑے شاگرد حلقہ کیے بیٹھے تھے۔ حدیث کا درس ہو رہا تھا۔ پہلے ایک صاحب حدیث پڑھتے، پھر امامؒ اس کی اسناد پر روشنی ڈالتے۔ راویوں پر ردّ و قدح کرتے اور اس کے مطالب و معانی بیان کرتے۔ اچانک ایک خادم تیز تیز قدموں سے امامؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور خبر دی کہ امیرالمومنین ہارون الرشید اپنے صاحبزادوں کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں۔ خادم چلا گیا۔ درس بدستور جاری رہا۔ کسی شخص نے کوئی اہمیت نہ دی کہ کون آ رہا ہے۔ اتنے میں خلیفہ اور شاہزادے آ پہنچے۔ کسی شخص نے اپنی جگہ سے جنبش نہ کی۔

"السلام علیکم"۔ ہارون الرشید نے آتے ہی کہا۔

"وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"۔ امام مالکؒ نے بیٹھے بیٹھے جواب دیا۔

ہارون الرشید اپنے بیٹوں کے ساتھ حلقے میں دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔ قبل اس کے کہ درس پھر شروع ہوتا، ہارون الرشید نے کہا:

"شیخ! میں آپ کی خدمت میں احادیثِ رسولؐ سننے حاضر ہوا ہوں۔

کوئی حدیث سنائیے۔"

امام صاحب نے خلیفہ کی فرمائش پورے سکون کے ساتھ سنی، پھر فرمایا:
"میں نے مدت سے طریقۂ قرآت چھوڑ دیا ہے۔ اب اور لوگ مجھے حدیث سناتے ہیں اور میں سنتا ہوں۔"

"بہتر ہے، میں ہی سناؤں گا، مگر پہلے عام آدمیوں کو اپنی مجلس سے باہر کر دیجیے۔"

"اگر خواص کی خاطر عوام محروم کیے جائیں گے تو خواص کو بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا۔" امامؒ نے جواب دیا اور اپنے شاگرد ابنِ عیسیٰ سے مخاطب ہوئے:

"ابنِ عیسیٰ، سبق شروع کرو۔"

انہوں نے فوراً سبق شروع کر دیا اور ہارون الرشید کے لیے خاموش بیٹھے رہنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

جاہ و منصب سے اجتناب

ابو وائل بن سلمہ کا شمار کوفہ کے ممتاز علمائے تابعین میں ہوتا تھا۔ حجاج کے ساتھ اچھے تعلقات تھے اور وہ ان پر خاصا مہربان تھا۔ حجاج جب کوفہ کا گورنر بن کر آیا تو انہیں بلا بھیجا۔ ابو وائل پہنچے تو اس نے دریافت کیا: "آپ کا کیا نام ہے؟"

"نام تو تمہیں معلوم ہی ہوگا ورنہ مجھے کیسے بلاتے؟" ابو وائل نے جواب دیا۔

"اس شہر میں کب آئے؟" حجاج نے دوسرا سوال کیا۔

"اس زمانے میں جب اس شہر کے دوسرے تمام باشندے آئے۔"

ابو وائل کا جواب تھا

"آپ کو کتنا قرآن یاد ہے؟"

"اتنا کہ اگر اس کی پابندی کروں تو میرے لیے کافی ہو رہے"۔

"جانتے ہیں میں نے آپ کو کیوں بلایا ہے؟"

"میں غیب دان نہیں ہوں"۔

حجاج : "میں آپ کو عہدہ دینا چاہتا ہوں"۔

ابو وائل": کون سا عہدہ؟

حجاج : " سیٹے (یعنی جیل) کا عہدہ۔

ابو وائل : "یہ عہدہ ان لوگوں کے لیے موزوں ہے جو اس کام کو ذمہ داری کے ساتھ انجام دے سکیں۔ اگر آپ مجھ سے مدد لینا چاہتے ہیں تو ایک ایسے عقل خوردہ انسان سے مدد لیں گے جس کا سابقہ بڑے مددگاروں سے پیش آنے والا ہے۔ مجھے اس عہدے سے معاف ہی رکھیں تو میرے لیے بہتر ہوگا اور اگر آپ مصر ہیں تو اس پُرخطر عہدے کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوں، مگر ایک گزارش ہے"۔

حجاج : "کون سی گزارش"۔

ابو وائل : " میں آپ کا عہدہ دار نہیں ہوں۔ اس کے باوجود میرا یہ حال ہے کہ جب کبھی آپ کا خیال آتا ہے نیند اڑ جاتی ہے۔ جب منصب پہ فائز ہو جاؤں گا تو کیا حال ہوگا۔ لوگ آپ سے اس طرح خوف زدہ ہیں کہ آپ کے کسی پیشرو سے نہیں تھے"۔

حجاج: "اس کا سبب ظاہر ہے کوئی شخص خونریزی میں مجھ سے زیادہ جری اور بے باک نہیں۔ میں ایسے ایسے کام کر گزرا جن کے پاس لوگ جاتے ہوئے بھی ڈرتے تھے۔ میری اس سختی کی وجہ سے میری مشکلات آسان ہو گئیں۔

ابووائل! اللہ آپ پر رحم کرے اب آپ جائیے اگر کوئی اور آدمی مل گیا تو آپ کو زحمت نہ دوں گا ورنہ پھر مجبوراً آپ ہی سے کام لینا پڑے گا۔"

ابووائل اُٹھ کر چلے آئے اور پھر حجاج سے کبھی کوئی تعلق نہ رکھا۔

○

قضا (ججی) کا منصب بنو امیہ اور بنو عباس دونوں کے عہد سلطنت میں علمائے حق کے لیے بڑی آزمائش بن گیا تھا۔ یہ دونوں خانوادے مسلمانوں کی مرضی کے بغیر تلوار کے زور سے حکمران بنے تھے اور اپنی اہواء اغراض پر چلتے تھے۔ تاہم عامۃ المسلمین کی حمایت حاصل کرنے کے لیے علمائے حق کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے، لیکن ان علماء کی اکثریت ان کے ساتھ تعاون سے گریز کرتی تھی۔ وہ خلیفہ کی ہر پیشکش کو مسترد کر دیتے۔ اس پر خلفاء ظلم و جور پر اُتر آتے۔ انہی علمائے حق میں امام ابوحنیفہؒ بھی تھے جنہوں نے بنو امیہ اور بنو عباس دونوں کے جور سہے۔ لیکن قضا کا منصب قبول نہ کیا۔

بنو امیہ کے گورنر یزید بن ہبیرہ نے امام صاحبؒ کو اس انکار پر گیارہ روز تک دس دُرّے روزانہ لگوائے۔ لیکن حکومت کی سختی کے ساتھ ساتھ ان کا انکار بڑھتا ہی چلا گیا۔

عباسی سلطنت کے خلیفہ منصور نے بھی امام صاحبؒ کو اس منصب کی

پیش کش کی، انہیں کوفہ سے طلب کیا اور اس منصب کو قبول کر لینے کی فرمائش کی، لیکن امام صاحب اپنی رائے پر پہاڑ کی طرح جمے کھڑے تھے ـــ انہوں نے انکار کر دیا ـــــــــ منصور کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس نے چلاتے ہوئے کہا: "خدا کی قسم میں تمہیں قاضی مقرر کروں گا"

"خدا کی قسم، میں یہ منصب قبول نہیں کروں گا" امام صاحب نے بھی قسم کھا کر جواب دیا۔ خلیفہ نے دوبارہ قسم کھائی اور امام صاحب نے قسم کھا کر ہی دوبارہ انکار کیا اور کہا: "میں اپنے آپ کو اس منصب کے قابل نہیں سمجھتا"

حاجب ابن ربیع بھی دربار میں حاضر تھا۔ امام صاحبؒ سے کہنے لگا "امیر المومنین قسم کھا چکے ہیں۔ پھر بھی تم انکار کیے جاتے ہو"

"امیر المومنین کے لیے قسم کا کفارہ ادا کرنا میری بہ نسبت زیادہ آسان ہے"۔ امام صاحبؒ نے جواب دیا۔

منصور، امام صاحب کے اس دو ٹوک انکار پر سخت برہم تھا۔ اس نے انہیں گرفتار کر کے قید خانے بھجوا دیا۔ امام صاحب نے قید خانے میں موت کو قبول کر لیا، لیکن قضا کے منصب کو قبول نہ کیا۔

○

ابوقلابہ جری بلند پایہ فقیہہ اور صاحب فضل و کمال تھے۔ اللہ نے معاملات کی تہ میں پہنچنے کی بڑی بصیرت عطا فرمائی تھی۔ اپنی اس خداداد صلاحیت کے باوجود عہدۂ قضا سے بہت گھبراتے تھے۔ ان کے شاگرد ایوب کہتے ہیں ایک بار انہیں عراق کے گورنر نے قضا کا منصب دینے کے لیے طلب کیا۔ ابوقلابہ

شام کی طرف بھاگ گئے۔ بڑی مدت بعد واپس آئے۔ میں نے ان سے کہا۔ اگر آپ قضا کا منصب قبول کر لیتے اور لوگوں میں عدل وانصاف کرتے تو اللہ آپ کو اجر عطا فرماتا۔ جواب دیا:

"ایوب! مانا ایک شخص تیراک ہے لیکن اگر وہ سمندر میں گھس جائے تو تبادہ وہ کتنا تیر سکتا ہے"۔

○

مسعر بن کدام علمی اور دینی اعتبار سے بہت ہی بلند پایہ شخصیت ہیں اور زہد وورع کا یہ عالم ہے کہ ساری ساری رات رکوع و سجود اور قیام و قعود میں کاٹ دیتے ہیں۔ روزانہ نصف قرآن ختم کرتے ہیں۔ تلاوتِ قرآن کے بعد ہلکی سی جھپکی ہی سو پاتے ہیں کہ چونک اٹھتے ہیں جیسے کوئی چیز کھوگئی ہو اور وہ پریشان ہوکر اسے تلاش کر رہا ہو۔ ماں کے بہت خدمت گزار ہیں۔ ایک بار ماں نے عشاء کے بعد پانی مانگا۔ لے کر آئے تو وہ سو چکی تھیں۔ انہیں جگانا مناسب نہ سمجھا ساری رات پانی لیے کھڑے رہے کہ نہ جانے کس وقت ماں کی آنکھ کھل جائے۔ دنیا اور اس کی شان وشوکت سے بے نیاز ہیں۔ خلیفہ ابوجعفر عباسی آپ کا عزیز ہے اس نے ایک مرتبہ آپ کو کسی جگہ کا گورنر بنانا چاہا تو یہ کہہ کر معذرت کر دی:

میرے گھر والے تو مجھ میں دو درہم کا سودا لانے کی اہلیت نہیں پاتے، اور تم مجھے گورنر بنانا چاہتے ہو"۔ اکثر حزنیہ اشعار ان کی زبان پر ہوتے ہیں اور یہ دو شعر تو بہت زیادہ پڑھتے ہیں۔

وہ لذتیں اور آسائشیں جو حرام ذرائع سے کسی کو حاصل ہوں، اور جن کے

پیچھے گناہ اور ذلت بھی ہو۔ آخر کار ان کے نتائج بُرے ہی ہوتے ہیں اور اس
لذت میں کوئی خیر و خوبی نہیں جس کے نتیجے میں انسان جہنم کی آگ میں جھونک دیا جائے۔

مومن کی آبرو

امام مالکؒ کے جلیل القدر شاگرد عبداللہ بن وہب درس دے رہے ہیں۔
مشرق اور مغرب سے آئے ہوئے شاگرد حلقہ باندھے بیٹھے ہیں۔ ایک سائل آکر
کہتا ہے۔ اے ابو محمد کل جو درہم آپ نے مجھے دیئے تھے۔ وہ سب کے سب
کھوٹے تھے۔

"بھائی میرے پاس عموماً ہدیے اور عاریت کی رقمیں آتی ہیں کل جس طرح
رقم آئی ویسی ہی تمہیں دے دی"۔ عبداللہ معذرت کے لہجے میں کہتے ہیں۔
سائل بھڑک اٹھتا ہے اور چیخ چیخ کر کہتا ہے "اللہ کی رحمت ہو جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم پر جنہوں نے فرمایا: ایک وقت آئے گا جب صدقات و خیرات
کے ذرائع امت کے منافقوں کے پاس چلے جائیں گے"۔

ابن وہب اس تلخ کلامی پر خاموش رہتے ہیں۔ مگر عراقی شاگرد سے رہا نہیں
جاتا۔ سائل کے منہ پر اس زور سے تھپڑ جڑ دیتا ہے کہ وہ گر پڑتا ہے۔ سائل شور مچا کر
کہتا ہے "ابو محمد تمہاری مجلس میں لوگ ایسی حرکتیں کرتے ہیں"۔

ابن وہب اپنے شاگرد سے کہتے ہیں "بھئی تم نے یہ کیا حرکت کی؟"

استاذ من! وہ بتاتا ہے "میں نے آپ ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ
فرمان سنا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مومن کی عزت کی حفاظت اس منافق سے کرے
جو اس کی بے عزتی میں لگا ہوا ہو، اللہ تعالیٰ اسے دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔"

خدا نے عام مسلمانوں کی حمایت کا اتنا اجر و ثواب رکھا ہے آپ تو امام و پیشوا ہیں آپ کی حمایت کا جو بارگاہِ الٰہی سے ثواب ملے گا اس کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا:
"برخوردار اگر تمہاری یہ نیت تھی تو اللہ تمہیں اس کا یقیناً اجر عطا کرے گا" ابن وہب کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہتے ہیں "اچھا اس سلسلے کی دوسری حدیث بھی سن لو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ ایسے مساکین ہوں گے جو مالدار ہوں گے جو نہ تو نماز کے لیے وضو کریں گے نہ ناپاکی دور کرنے کے لیے غسل مسجدوں اور عیدگاہوں میں جاکر اپنی بزرگی جتلائیں گے۔ دستِ سوال دراز کریں گے اور زعم یہ ہوگا کہ ہم جو کچھ لوگوں سے وصول کرتے ہیں، یہ ہمارا حق ہے لیکن اپنے اوپر خدا کا کوئی حق نہ سمجھیں گے":

علم کا وقار

لوگوں کو جب پتہ چلا کہ صحیح بخاری کے جامع اور اپنے وقت کے سب سے بڑے محدث امام محمد بن اسماعیل بخاری زمانہ دراز کے بعد اپنے وطن واپس آ رہے ہیں تو پورا بخارا اپنے اس فرزندِ جلیل کے استقبال کو نکل کھڑا ہوا۔ جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ لوگوں نے بے شمار درہم و دینار آپ پر نچھاور کیے۔ اتنا عظیم شان استقبال آج تک کسی کا نہ ہوا تھا۔ بخارا کے امیر خالد بن احمد الذہلی کے دل میں کھٹک پیدا ہو گئی۔

یہ حکمرانوں کے مزاج کا خاصہ ہے۔ وہ بزورِ تیغ لوگوں کو مسخر تو کر دیتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں جگہ پیدا نہیں کر پاتے۔ لوگ ان سے [illegible] —— دل ہی دل میں بدگمان رہتے ہیں۔ کبھی ان کی [illegible] میں کمی پڑتی ہے تو

بادلِ نخواستہ مند پرستوں کا ایک ٹولہ جوش و خروش دکھاتا ہے، مگر اس کے پیچھے جذبۂ دل کے بجائے خاص کردہ مفادات کارفرما ہوتے ہیں جنہیں ہر شخص ان کے چہرے سے پڑھ سکتا ہے۔ ان کے مصنوعی جوش و جذبات سے اندازہ کر سکتا ہے۔ اس حقیقت سے یہ استقبال کرنے والے اور اپنے لیے نعرے بلند کرانے والے بھی بے خبر نہیں ہوتے؛ چنانچہ جب وہ کسی مردِ حق کو لوگوں کی محبت و ارادت کا مرکز بنتے ہوئے دیکھتے ہیں تو تلملا اُٹھتے ہیں اور اس فقیرِ بے نوا کے بارے میں اندیشہ ہائے دُور دراز میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ انہیں اپنا تخت و تاج اس درویشِ خدمت کی ٹھوکروں میں پڑا نظر آتا ہے۔ یہی کیفیت امیرِ بخارا کی ہوئی۔

یہی صورت میں جاہ طلب اور دین فروش لوگ جو انہیں مقبولِ عوام و خواص دیکھ کر خود حسد کی آگ میں جل رہے ہوتے ہیں آگے بڑھتے ہیں۔ حکمرانوں کے کان بھرتے ہیں اور ان کے دلوں میں پیدا ہونے والے اندیشوں کو ہوا دیتے ہیں اور انہیں اس مردِ حق کے خلاف کرتے ہیں۔ یہاں بھی یہی ہوا۔ کینہ صفت دین فروشوں نے امیر کو امام صاحبؒ کے خلاف بھڑکا دیا۔ لیکن بہر ناراضی کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اُس نے امام صاحبؒ کے پاس اپنا آدمی بھیجا کہ آپ اپنی کتاب بخاری شریف اور تاریخ مجھے آکر سنا جایا کریں۔ امامؒ نے پیغام سُنا تو غصے سے ان کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ فرمایا:

"امیر سے کہدو میں علمِ دین کو سلاطین و امراء کے دروازے پر لے جا کر ذلیل نہیں کر سکتا۔ اُسے علمِ حدیث سے دامانِ تہی بھرنے کا شوق ہے تو میرے مکان پر یا میری مسجد میں عام طلبہ کے ساتھ بیٹھ کر پڑھے۔"

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

فنِ تعمیر کے ماہروں اور انجنیئروں کے ساتھ صلاح مشورے میں گزارتا ہے۔ وہ دن تعمیراتی کام کے معائنے اور دیکھ بھال میں۔ اس انہماک میں مسلسل تین جمعے گزر جاتے ہیں اور وہ نمازِ جمعہ میں شریک نہیں ہوتا۔ چوتھے جمعہ جامع قرطبہ میں حاضر ہوتا ہے، تو خطیب کی پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں۔

اذان ہوتی ہے۔ خطیب منبر پر کھڑا ہوتا ہے۔ حمد و ثنا کے بعد وہ سورۂ جمعہ کی آخری آیات کی تلاوت کرتا ہے جن میں اہلِ ایمان سے کہا گیا ہے کہ نمازِ جمعہ کی اذان بلند ہو، تو اپنے کاروباری مشاغل اور دلچسپیوں کو چھوڑ کر اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔ اسی میں ان کی فلاح مضمر ہے۔ پھر نمازِ جمعہ کے فضائل بیان کرتا ہے اور کہتا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کا دن اللہ کے نزدیک سارے دنوں کا سردار اور بڑا دن ہے۔ یہ دن عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دنوں سے بھی عظیم تر ہے۔ اس کے ساتھ تاریخِ انسانی کے پانچ اہم واقعات وابستہ ہیں۔ اس دن آدم پیدا کیے گئے۔ اسی روز انہیں جنت میں داخل کیا گیا۔ اسی دن جنت سے نکالے گئے۔ جمعہ کے روز ہی قیامت آئے گی۔ اور اس روز ایک ساعت خاص ہے جس میں اگر بندہ کوئی بھلائی کی دعا مانگے تو اللہ اس کو قبول فرماتا ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بلا وجہ نمازِ جمعہ ترک کرتا ہے۔ اسے اس کتاب میں منافق لکھ دیا جاتا ہے جس کی تحریر نہ مٹائی جا سکتی ہے اور نہ اس میں رد و بدل کیا جا سکتا ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ اور ابوہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے اپنے لکڑی کے منبر پر یہ فرماتے سنا کہ لوگ جمعہ کی نماز

ترک نہ کریں، ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا اور ان کا شمار غفلت شعار لوگوں میں ہونے لگے گا۔ عبداللہ ابنِ مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر لوگوں کے گھروں میں بچے اور عورتیں نہ ہوتیں، تو میں کسی شخص کو اپنی جگہ نماز پڑھانے کا حکم دیتا اور خود جا کر ان کے گھروں کو آگ لگا دیتا جو جمعہ کے لیے نہیں آتے۔ پھر ان لوگوں کا کیا حال ہے جو جمعہ کی اذان سنتے ہیں، مگر اپنے مشاغل میں ڈوبے رہتے ہیں۔ پکارنے والا انہیں اللہ کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور وہ اپنے قصر و ایوان کی تعمیر میں مصروف رہتے ہیں۔ جمعہ پر جمعہ آتا ہے، مگر انہیں ذرا احساس نہیں ہوتا۔ وہ ایسے کاموں میں منہمک رہتے ہیں جن کا نہ دنیا میں کوئی فائدہ ہے اور نہ آخرت میں کام آنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ۝ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ۝ وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ ۝ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ۝ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ (الشعراء ۱۲۸-۱۳۵) کیا تم اونچی جگہوں پر بے فائدہ یادگاریں اور بڑے مضبوط محل تعمیر کرتے ہو۔ گویا تمہیں دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے۔ جب کسی کی گرفت کرتے ہو، تو جباروں کی طرح کرتے ہو۔ اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ اس ذاتِ پاک سے ڈرو جس نے جیسا کہ تم خوب جانتے ہو تمہیں مال، مویشیوں، بیٹوں، باغات اور چشموں سے بہرہ ور فرمایا۔ تمہاری بدکرداری کی وجہ سے مجھے تمہارے متعلق عظیم دن کے عذاب کا خوف ہے۔ نیز ارشاد ہے: قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِمَنِ اتَّقٰی کہہ دے

پر حاوی رہتا ہے۔ نفسِ امّارہ سے بچو کہ یہ انسان کو بُرائی پر اکساتا ہے اور دلفریب خواہشات کا جال بچھا کر اُسے اپنا صیدِ زبوں بنا لیتا ہے"۔

خطیب تقریر کر رہا ہے اور سامعین پر ایک عجیب کیفیت طاری ہے۔ خطیب کے سوز و گداز میں ڈوبے ہوئے الفاظ غفلت و تغافل کے پردے چاک کرتے ہوئے دلوں کی گہرائیوں میں اترتے جا رہے ہیں۔ کون ہے جس کی آنکھیں اشکبار نہیں۔ بلند آواز سے رونے اور سسکیاں بھرنے کی آوازیں بھی اُٹھ رہی ہیں۔ توبہ اور استغفار کے کلمات زبانوں پر ہیں۔ اور الناصر جو اس پند و نصیحت کا اصل مخاطب ہے، اس کا حال سب سے دگرگوں ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ خطیب کے خطبے کا موضوع اسی کی ذات ہے۔ احساسِ شرمندگی اس پر طاری ہے۔

اور یہ خطیب کون ہے؟ اسلامی اندلس کے نامور عالم، فقیہہ و دار الحکومت قرطبہ کے قاضی منذر بن سعید۔ جو زہد و تورّع اور علم و تفقّہ میں اپنی نظیر آپ ہیں اور جن کے عدل و انصاف کا ہر طرف شہرہ ہے۔ جو اظہارِ حق و صداقت میں بہت دلیر ہیں اور اس باب میں خلیفۂ وقت کا لحاظ نہیں کرتے۔

احساسِ ندامت کے باوجود ناصر اس پند و نصیحت کو اپنی سبکی خیال کرتا ہے۔ قصر میں پہنچ کر اپنے بیٹے الحکم سے کہتا ہے کہ قاضی منذر نے اپنے خطبے میں مجھی کو ہدف بنایا تھا۔ ان کا روئے سخن میرے سوا کسی کی طرف نہ تھا۔ انہوں نے میرے وقار کا خیال کیا نہ ملکی سیاست کا۔ میری ذلت و رسوائی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ وہ تو خیریت گزری ورنہ ان کے جوش و خروش سے تو ایسا معلوم ہوتا تھا

کہ غصے سے مجھ پر پل پڑیں گے۔ قسم بخدا، میں ان کے پیچھے نماز جمعہ نہیں پڑھوں گا۔

اس واقعے کو کئی ہفتے گزر گئے ہیں۔ الناصر نماز جمعہ جامع زہرا میں امام احمد بن مطرف کے پیچھے پڑھتا ہے۔ نماز کے بعد الحکم سے قاضی منذر کا ذکر چھڑ جاتا ہے۔ الحکم عرض کرتا ہے آپ انہیں معزول کرکے کسی اور شخص کو امامت کی ذمہ داریں سونپ دیجئے۔ آخر اس میں کیا رکاوٹ ہے؟ الناصر بیٹے کو جھڑک دیتا ہے اور کہتا ہے: میں تم کو ولی عہدی سے معزول کر سکتا ہوں، لیکن منذر بن سعید جیسے عالم باعمل اور ورع و تقویٰ کے پیکر کو الگ کر دوں، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ ہے وہ خراج عقیدت جو ایک صاحب سطوت حکمران ایک مرد درویش کو پیش کرتا ہے۔

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

"شاہی اہل کار کچھ رقم رشوت کے طور پر لے لیں تو اس رقم کو چوری یا رہزنی کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟"

"شاہی اہل کار اپنی تنخواہوں سے زائد جو کچھ وصول کرتے ہیں وہ ان کا حق نہیں ہے۔ ان سے سختی سے واپس لے لینا چاہیے لیکن ہاتھ کاٹنے کی سزا چوروں کے لیے ہے رشوت خوروں کو نہیں دی جا سکتی۔"

"جو دولت میں نے سلطنت کے تخت پر بیٹھنے سے پہلے دیوگڑھ سے حاصل کی تھی وہ بیت المال کی امانت اور مسلمانوں کی ملکیت ہے یا میرا حق؟"

"اس دولت پر بادشاہ کا حق بھی ان مسلمانوں کے برابر ہے جو اسے حاصل کرنے میں بادشاہ کی مدد کرتے رہتے ہیں۔"

علاؤالدین کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ آنکھوں سے خشونت ٹپکنے لگی۔

"جو رقم میں نے اپنے زمانۂ امارت میں حاصل کی اور شاہی خزانے میں داخل نہیں ہوئی وہ کس طرح بیت المال کی سمجھی جا سکتی ہے؟"

اس نے کہا۔ آواز پہلے سے بلند ہو گئی تھی۔

"جو دولت بادشاہ خود اپنی قوتِ بازو سے حاصل کرے وہ اس کی ہے اور جو خزانہ اسلامی لشکر کی مدد سے جمع کیا جائے اس میں عام جانباز مسلمانوں کا اتنا ہی حق ہے جتنا کہ خود بادشاہ کا۔" قاضی صاحب بادشاہ کے بدلتے ہوئے طرزِ عمل سے بے پروا ہو کر جواب دیتے ہیں۔

"اچھا ایسی دولت میں میرا اور میری اولاد کا کتنا حصہ ہے؟" بادشاہ نے ایک سوال اور کیا۔

رکوع کر رہا ہو۔ شیخ غضب ناک ہو کر اپنی نشست سے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور پوری قوت سے ایک تھپڑ اس کے منہ پر جڑ دیتے ہیں، پھر گرجتے ہوئے کہتے ہیں، ایسے شخص کھڑا ہو جا۔ رکوع خدا کے سوا کسی کے آگے جائز نہیں۔ دین اور علم کو رسوا مت کر، ورنہ اللہ تجھے رسوا کر دے گا۔" وہ عالم اور ریاض پاشا دونوں دم بخود رہ جاتے ہیں۔ ایک مردِ حق کی حق گوئی نے ان کی زبانیں گنگ کر دی ہیں۔ عالم تھوڑی دیر بعد سے جیب جواب کھڑا رہتا ہے اور پھر رخصت ہو جاتا ہے۔ کمرے کی فضا اور کشیدہ ہو جاتی ہے۔ اسی اثنا میں کمرے کا دروازہ پھر کھلتا ہے اور ریاض پاشا کا ایک دوست جو خود بھی بہت بڑا پاشا ہے داخل ہوتا ہے۔ اس نے انگلی میں سونے کی انگوٹھی پہن رکھی ہے، ہاتھ میں بہت قیمتی عصا ہے جس کا دستہ سونے کا ہے۔ شیخ اس سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں: "سونے کا زیور مردوں پر حرام ہے۔ صرف عورتیں پہن سکتی ہیں۔ یہ دونوں چیزیں اپنی عورتوں کو دے دو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے روگردانی مت کرو۔"

یہ شخص اعتراض کرنا چاہتا ہے لیکن ریاض پاشا مداخلت کرتا ہے اور پھر دونوں مہمانوں کا ایک دوسرے سے تعارف کرواتا ہے۔ شیخ مُصر ہیں کہ پاشا اپنی چھڑی اور انگوٹھی سے دستبردار ہو جائے اور جب تک وہ اس منکر کو چھوڑ دینے کا پختہ وعدہ نہیں کر لیتا۔ آرام سے نہیں بیٹھتے۔

یہ مردِ حق شیخ حسنین الحصافی ہیں۔ سلسلۂ حصافیہ کے بانی، ورع و تقویٰ کے عظیم پیکر، قرآن و سنت میں بڑی گہری نظر رکھتے ہیں۔ عالم باعمل ہیں جو کچھ کہتے ہیں اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ صرف فرائض ہی پر اکتفا نہیں کرتے سنتیں اور نوافل

بھی پورے اہتمام سے ادا کرتے ہیں۔ جن لوگوں نے انہیں قریب سے دیکھا ہے وہ کہتے ہیں شیخ حسنین سے بڑھ کر ہم نے کسی شخص کو عبادت گزار اور اللہ کی اطاعت کرنے والا نہیں پایا۔ شیخ اپنے سلسلۂ طریقت میں انہی امور پر زور دیتے ہیں۔ ان کی دعوت علم، تعلیم، فقہ، عبادت، اطاعت، ذکرِ الٰہی، بدعتوں اور خرافات سے جنگ، ہر حال میں کتاب و سنّت کو غالب کرنے کی جدّ و جہد، فاسد تاویلات، در مہتر شطحیات سے احتراز اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر مبنی ہے۔ وہ خود اس دعوت کا عملی نمونہ ہیں۔ آپ نے دیکھا انہوں نے کتاب و سنّت کے خلاف اعمال کا کتنا شدید نوٹس لیا ہے۔ وزیرِ اعظم تک کی پروا نہیں کی۔

اور یہ تو محض وزیرِ اعظم ہے۔ شیخ خدیوِ مصر توفیق پاشا کے سامنے بھی حق کا اظہار اسی جرأت و عزیمت سے کرتے ہیں۔ ایک بار وہ علما کے ایک وفد کے ساتھ خدیو سے ملنے جاتے ہیں۔ جونہی باریاب ہوتے ہیں بلند آواز سے کہتے ہیں: "السّلام علیکم"۔ خدیو ہاتھ کے اشارے سے جواب دیتا ہے۔ شیخ اسی آہنگ میں کلمۂ حق پکار اُٹھتے ہیں۔ سلام کا جواب اسی انداز میں دو یا اس سے بہتر انداز میں کہو وعلیکم السّلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ محض اشارے سے جواب دینا جائز نہیں۔ خدیو شیخ حسنین کی حق گوئی کی داستانیں سُن چکا ہے۔ اس کے لیے سلام کا جواب الفاظ میں دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ شیخ کی حق پرستی اور حق گوئی کی بہت تعریف کرتا ہے۔

ایک مرتبہ شیخ حسنین اپنے ایک مرید سے جو سرکاری ملازم ہے ملنے جاتے ہیں۔ کیا دیکھتے ہیں دفتر میں کھریا مٹّی کی بنی ہوئی چند شکلیں سی رکھی ہیں۔ شیخ

پوچھتے ہیں یہ کیا ہیں؟ بس شکلیں سی ہیں۔ ہمیں کام کے سلسلے میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ مرید جواب دیتا ہے۔ یہ حرام ہیں۔ وہ ایک بُت اٹھا کر اس کی گردن توڑ ڈالتے ہیں۔ ٹھیک اسی لمحے انگریز انسپکٹر آجاتا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر بگڑتا ہے۔ شیخ نرم لہجے میں کہتے ہیں۔ اسلام خالص توحید قائم کرنے اور ہر قسم کی بُت گری اور بُت پرستی ختم کرنے آیا ہے۔ اس نے بُت بنانے اور رکھنے حرام قرار دیے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ بُتوں کی پرستش کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہے۔ پھر اس موضوع پر دیر تک گفت گو کرتے ہیں۔ انگریز انسپکٹر اب تک اسلام کو بھی بُت پرستی ہی کی ایک قسم سمجھتا رہا ہے۔ اسے پہلی بار اسلام کی حقیقت اور حقانیت کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے دل میں شیخ کی عظمت گھر کر جاتی ہے۔

ایک بار وہ مسجد حسین میں جاتے ہیں۔ کچھ مرید بھی ان کے ساتھ ہیں۔ شیخ حضرت حسین کی قبر پر کھڑے ہو کر دعائے ماثورہ پڑھتے ہیں "السلام علی اھل الدیار من المومنین"۔ ایک مرید کہتا ہے، حضرت سیدنا حسینؓ سے دُعا مانگیے وہ مجھ سے راضی رہیں۔ شیخ کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھتا ہے اور فرماتے ہیں۔ ہم سے، تجھ سے اور اُن (حضرت حسینؓ) سے اللہ راضی ہو۔ وہاں سے واپس آتے ہیں تو اپنے مریدوں کو قبروں کی زیارت کے احکام تفصیل سے بتاتے اور بدعت اور شریعت کا فرق بیان کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ محمودیہ کا ایک بہت بڑا امیر شیخ کی دعوت کرتا ہے شہر کے اور بڑے لوگ بھی مدعو ہیں۔ ایک خادم قہوہ لے کر آتا ہے یہ ایک نوجوان لڑکی ہے جس کے بازو اور سر ننگا ہے۔ شیخ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے وہ غضب ناک نگاہ اس پر ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں "لڑکی چلی جا۔ اور اپنے

بازو اور چہرہ اور سر ڈھانپو۔ پھر شیخ قہوہ پینے سے انکار کر دیتے ہیں اور صاحب خانہ اور دوسرے بڑے لوگوں کو دیر تک نصیحت کرتے ہیں کہ نوجوان لڑکیوں کو عزت ووقار کے ساتھ گھروں میں رکھو۔ چاہے وہ خادم ہی کیوں نہ ہوں انہیں اجنبی لوگوں کے سامنے لاکر کھڑا نہ کرو۔

۴
حق گوئی و حق پرستی

○

حجاج سے تلخ باتیں

وہ بالکل نوعمر تھا، یہی کوئی دس برس کا ہوگا حجاج بنو امیہ کے عہد کا مشہور سفاک گورنر اپنے سبز گنبد والے محل میں بیٹھا تھا کہ وہ اندر داخل ہوا۔ گنبد کی چھت پر چاروں طرف نگاہ ڈالی اور قرآن کی آیت پڑھی۔ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ وَ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ وَ اِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ (کیا تم ہر اونچے مقام پر ناحاصل ایک یادگار عمارت بنا ڈالتے ہو اور بڑے بڑے قصر تعمیر کرتے ہو گویا تمہیں ہمیشہ رہنا ہے اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو جبار بن کر ہاتھ ڈالتے ہو) اس کے لہجے میں تمسخر اور استہزا کروٹیں لے رہا تھا۔

حجاج مسند سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا، سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ جیسے کسی نے زور سے کچوکا لگایا ہو۔ تھوڑی دیر اسے گھورتا رہا پھر بولا:

"لونڈے تم بڑے سمجھدار اور ذہین نظر آتے ہو۔ تمہیں قرآن یاد ہے؟"

"کیا تجھے ڈر ہے کہ میں نے قرآن یاد نہ کیا تو خدا نخواستہ ضائع ہو جائے گا۔ اللہ نے اسے نازل کیا اور اس کی حفاظت کا ذمہ خود اٹھایا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ لڑکے کے انداز گفتگو میں وہی پہلا سا تیکھا پن تھا۔

"کیا تو نے قرآن جمع کیا؟"

"قرآن منتشر ہے جو میں اسے جمع کرتا؟ اللہ کہتا ہے : اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ (اس کو جمع کرنا اور آپ کو پڑھانا ہماری ذمہ داری ہے)

حجاج اس جواب پر دنگ رہ گیا۔ سوچنے لگا، اس سے پوچھوں تو کیا؟ پھر بولا :

"کیا تُو نے قرآن پکا کر لیا؟"

"کیا خدائے حکیم و دانا نے نازل نہیں کیا کہ میں پکا کرتا؟ اس کا ارشاد ہے : كِتَابٌ اُحْكِمَتْ آيَاتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ (یہ فرمان ہے جس کی آیتیں پختہ اور مفصل ارشاد ہوئی ہیں، ایک دانا اور باخبر ہستی کی طرف سے)

حجاج نے محسوس کیا لڑکا بڑا ہوشیار ہے اور الفاظ کے دروبست پر قادر۔ وہ خود اپنے عہد کا انتہائی ذہین وفطین شخص تھا، ایک فرومایہ لڑکے کے آگے اس کی ذہانت جواب دیے جاتی تھی، وہ تلملا اُٹھا۔ پھر پوچھنے لگا :

"تُو نے قرآن کا استظہر کر لیا ہے؟" حجاج نے استظہرت استعمال کیا۔ اس کے دو معنی ہیں اوّل تُو نے یاد کیا ہے۔ دوم تُو نے تغافل برتا یا پس پُشت ڈالا۔

"پناہ بخدا میں قرآن کو پس پُشت ڈالوں۔"

"افسوس ہے تم پر! میں کچھ کہتا ہوں اور تم جواب کچھ دیتے ہو۔"

"حسرت وافسوس کے سزاوار تو تم ہو۔ تمہیں کہنا چاہیے: کیا تُو نے قرآن سے اپنا سینہ بھر لیا ہے؟"

"اچھا قرآن کی کوئی سورت تلاوت کرو۔"

لڑکا بیٹھ گیا اور تلاوت کرنے لگا۔

"اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْکَ وَمِنَ الشَّیطانِ الرَّجِیم۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم۔

"اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَأَیْتَ النَّاسَ یَخْرُجُوْنَ مِنْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا۔

(میں اللہ کی تجھ سے اور مردود شیطان سے پناہ مانگتا ہوں۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمٰن اور رحیم ہے۔ جب اللہ کی مدد آئی اور فتح نصیب ہوئی تو نے دیکھا اللہ کے دین سے فوج در فوج نکلتے ہوئے)

"تیرا ناس ہو قرآن میں یَخْرُجُوْنَ نہیں یَدْخُلُوْنَ (داخل ہوتے ہیں) ہے۔"

"ہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں لوگ دین میں داخل ہوا کرتے تھے مگر اب نکل رہے ہیں۔"

"کیوں؟"

"تیرے کرتوتوں کی بنا پر۔"

حجاج کے ہالی موالی بھڑک اُٹھے۔ تلواریں نیاموں سے نکل آئیں۔ ہر گھڑی یہی توقع تھی ابھی حکم ہوگا اور لڑکے کا سر زمین پر لوٹتا نظر آئے گا۔ مگر عجیب بات تھی۔ حجاج جو ذرا سی بات پر شعلہ جوالہ بن جاتا تھا، سوال کیے جا رہا تھا۔

"تم کون ہو؟"

"عبداللہ" (اللہ کا بندہ)

"تمہارا باپ کون ہے؟"

"وہ جس کا میں بیٹا ہوں۔"

"تو نے کہاں پرورش پائی؟"

"پہاڑوں میں"

"تمہیں میرے پاس کس نے بھیجا؟"

"میری عقل نے"

"کہیں تُو دیوانہ تو نہیں؟"

"اگر میں دیوانہ ہوتا تو تیرے سامنے ان لوگوں کی طرح کھڑا ہوتا جو تیرے کرم کے امیدوار بنتے اور تیرے عتاب سے خوف کھاتے ہیں"

"(اشارہ کرتے ہوئے) وہ قلمدان مجھے دو"

"نہیں میں نہیں دوں گا"

"کیوں نہیں؟"

"مجھے ڈر ہے تم کوئی معصیت کی بات لکھو گے اور میرا نام بھی ارتکاب جرم میں تعاون کرنے والوں میں لکھ لیا جائے گا"

"میں تمہیں پچاس ہزار دینار دیے جانے کا حکم دینا چاہتا ہوں۔ کیا اب بھی قلمدان نہ دو گے؟"

لڑکا ہنس پڑتا ہے۔

"کس بات پر ہنسے؟"

"خدا کے مقابلے میں تمہاری دلیری پر تعجب ہوا۔ یہ دینار ان لوگوں پر صرف کر جن پر تُو نے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے ہیں، اس لیے کہ اللہ کا رشاد ہے نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں"

"امیر المومنین کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟"

"ابوالحسن (علیؑ) پر اللہ رحم کرے۔"

"نہیں میرا اشارہ عبدالملک بن مروان کی طرف ہے۔"

"نافرمان بدکار پر اللہ کی لعنت ہو۔"

"وہ لعنت کے مستحق کیوں ہیں؟"

"بخدا مجھے ان کی فضیلت سے انکار نہیں لیکن انہوں نے بہت بڑا گناہ کیا۔ ایسا گناہ جس سے زمین و آسمان بھر گئے ہیں۔"

"کون سا گناہ؟"

"تجھ ایسا ظالم حاکم لوگوں پر مسلط کر دیا۔ تیرے ہاتھوں میں ایسے اختیارات دیے جن کا تو ذرا مستحق نہیں۔ لوگوں کا لہو بہاتے ہو اور ان کے اموال پر ناجائز قبضہ کر لیتے ہو۔"

"کچھ خبر ہے کس سے بات کر رہے ہو؟"

"ہاں بنو ثقیف کے شیطان حجاج سے۔"

حجاج جواب تک دل پر جبر کیے باتیں کر رہا تھا بھڑک اٹھا اور اپنے مصاحبین سے پوچھا، "اس لونڈے کے متعلق کیا کہتے ہو؟"

"تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا جائے۔" انہوں نے مشورہ دیا۔

"تیرے بھائی کے ہم نشین تیرے ہم نشینوں سے بہتر تھے۔" لڑکے نے کہا۔

"میرا بھائی؟ کیا ولید!"

"نہیں فرعون، اس نے اپنے مصاحبین سے حضرت موسیٰؑ کے بارے میں مشورہ طلب کیا تھا تو اس نے چھوڑ دینے کا مشورہ دیا۔ یہ تیرے جلیس مجھے قتل کر

دینے کا مشورہ دے رہے ہیں۔"

مصاحبین میں سے ایک شخص اُٹھا اور بولا "میرے آقا، اس لونڈے کو مجھے ہبہ کر دیجئے۔"

"ہاں لے لو، اللہ اسے تمہارے لیے بابرکت نہ کرے۔" حجاج نے کہا۔

لڑکا ہنس پڑا اور کہنے لگا "بخدا میں نہیں جانتا تم دونوں میں سے کون احمق ہے؟ ہبہ کرنے والا یا وہ جس کو ہبہ بخشا جا رہا ہے۔"

"میں نے تمہیں قتل ہونے سے بچایا ہے اور پھر ایسی باتیں کرتے ہو۔"

"کیا تمہیں اپنے وجود کے بارے میں نفع و ضرر کا اختیار ہے؟"

"نہیں۔"

"تو پھر تمہیں میرے وجود پر کیسے اختیار حاصل ہو گیا؟" جواب مسکت تھا۔

حجاج کچھ دیر چپ رہا پھر بولا: "لڑکے میں تمہیں ایک لاکھ دینار دینے کا حکم دیتا ہوں اور تمہاری کم سِنی اور ذہانت و فطانت پر رحم کھا کر چھوڑتا ہوں جاؤ چلے جاؤ۔ آئندہ میں نے تمہیں اپنے دربار میں دیکھ لیا تو گردن مار دوں گا۔"

"یہ اپنا جود و کرم اپنے پاس رکھو۔ دھمکی دے کر تم نے اس کی قدر و قیمت خود زائل کر دی ہے۔ رہی معافی تو وہ اللہ دینے والا ہے حجاج نہیں۔ اللہ مجھے اور تمہیں ایک جگہ کبھی نہ جمع کرے، جس طرح موسیٰؑ اور سامری کبھی ایک ساتھ نہیں ہو سکتے۔"

خلیفہ کے مکتوب کا حشر

شیخ الاسلام سید المحدثین سلیمان بن مہران اعمشؒ اپنے حلقۂ درس میں جلوہ فرما

تھے۔ قرآن و حدیث کا درس ہو رہا تھا۔ علم کا بحرِ ذخار موجیں مار رہا تھا۔ شاگرد بڑے ادب کے ساتھ بیٹھے موتی چُن چُن کے اپنے دامنِ تہی میں بھر رہے تھے۔ استنے میں ایک شخص حاضر ہوا۔ شکل و صورت اور لباس سے کوئی نووارد معلوم ہوتا تھا۔ قریب پہنچ کر اس نے سلام کیا۔ اپنی جیب سے سربمہر مکتوب نکالا اور اعمشؒ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا: "مجھے خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے بھیجا ہے"۔

اعمشؒ نے خط لے لیا۔ اس کی مہر توڑی، کھولا اور پڑھنے لگے۔ وہ خط پڑھتے جاتے تھے اور ان کے چہرے پر ایک رنگ آتا اور ایک جاتا تھا۔ شاید خط میں کوئی بہت ہی ناگوار بات تھی۔ خط پڑھ چکے تو ایک نظر اہلِ مجلس پر ڈالی اور فرمایا: "یہ ہشام بن عبدالملک کا خط ہے۔ اُس نے لکھا ہے کہ میں اس کے لیے عثمانؓ کے فضائل اور علیؓ کی برائیاں لکھ بھیجوں"۔ پھر وہ خاموشی کے ساتھ اُٹھے۔ قریب ہی ایک بکری بندھی ہوئی تھی۔ خط اُس کے منہ میں دے دیا جسے وہ چبا گئی۔ پھر قاصد کی طرف متوجہ ہوئے: "یہ ہے تمہارے اس خط کا جواب"۔

درس میں حاضر سبھی لوگ دم بخود تھے۔ قاصد کا رنگ اُڑ گیا تھا۔ اُس نے عرض کی: "حضرت، جواب تحریر فرما دیجیے۔ خالی ہاتھ گیا تو میری شامت آجائے گی"۔ حاضرین نے بھی سفارش کی کہ شیخ خط کا جواب لکھ دیں، ورنہ قاصد کی خیر نہ ہو گی۔

بڑے اصرار کے بعد اعمش نے ایک چھوٹے سے پُرزے پر لکھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، امّا بعد! اگر عثمانؓ کی ذات میں ساری دنیا کی خوبیاں جمع ہوں تو بھی اس سے تمہاری ذات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور اگر علیؓ کی ذات دنیا بھر کی برائیوں کا مجموعہ ہو تو اس سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ تمہیں

اپنے نفس کی فکر کرنی چاہیئے۔"

اعمش مجموعۂ کمالات ہیں۔ کتاب اللہ کے عظیم قاری، احادیث رسولؐ کے بہت بڑے حافظ، علم فرائض کے ماہر، اجود الاسانید، سید المحدثین اور مجدد و زاہد۔ نماز باجماعت کے سخت پابند ہیں۔ ہمیشہ صف اول میں بیٹھتے ہیں اور تکبیر تحریمہ فوت نہیں ہونے دیتے۔ عیسیٰ ابن یونس کہتے ہیں ہم نے اور ہمارے پیشروؤں نے اعمش ایسا بزرگ نہیں دیکھا۔ مشہور محدث وامام زہریؒ عراق کے کسی عالم کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ایک مرتبہ اسحاق بن راشد نے کہا: "کوفے میں ایک اسدی غلام ہے جسے چار ہزار حدیثیں یاد ہیں۔" زہریؒ نے تعجب سے پوچھا۔ "چار ہزار؟" اسحاق نے کہا "ہاں چار ہزار! فرمائیں تو اس کا کچھ حصہ آپ کے سامنے پیش کروں۔" فرمایا: "ہاں ضرور" چنانچہ انہوں نے اعمشؒ کی بعض روایات ان کے سامنے پیش کیں۔ زہریؒ پڑھتے جاتے تھے اور حیرت کے مارے ان کا رنگ بدلتا جاتا۔ پڑھ چکے تو فرمایا: "بخدا علم اسے کہتے ہیں۔ مجھے خبر نہ تھی کہ یہ علم کسی اور کے پاس بھی ہوگا۔"

غرور باطل مردِ درویش کی نظر میں

بصرہ کا گورنر دولت و حکومت کے نشے میں اٹھلاتا اور اکڑتا ہوا جا رہا تھا۔ مالک بن دینار نے اُسے دیکھا تو برملا پکار اُٹھے: "اپنی اس طرز رفتار کو بدل دو۔ تم نہ تو زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو۔"

گورنر کے باڈی گارڈ مالکؒ کی طرف لپکے کہ انہیں اس گستاخی کی سزا دیں لیکن گورنر نے روک دیا۔ پھر خود مالکؒ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا:

"میرا خیال ہے آپ مجھے پہچانتے نہیں ہیں"۔

"خوب تر۔ ملک نے جواب دیا" مجھ سے زیادہ تمہیں جاننے والا کون ہے؟ تمہارا آغاز ایک حقیر سے پانی کے قطرے سے ہے، تمہارا انجام یک متعفن مردہ لاش ہے۔ اور آغاز وانجام کا درمیانی زمانہ تیرے کام کرنے کا زمانہ ہے۔ جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔"

گرد وپیش کھڑا ہوا مجمع دم بخود تھا۔ لوگ گورنر کی سخت گیری سے واقف تھے۔ مالک نے اسے سرِراہ ٹوکا تھا اور پھر بڑے گستاخانہ لہجے میں اس کی بات کاٹ دی تھی۔ سب کا خیال تھا ملک نے اپنی شامت آپ بلوائی ہے مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ گورنر نے مالک کی بات سُن کر سر جھکا لیا اور پھر چپ چاپ اپنی راہ لی۔ اس کی اکڑفوں اور ٹھاٹھ باٹ جاتی رہی تھی۔

خلیفہ منصور کو ایک اجنبی کی نصیحت

حج کا زمانہ ہے۔ مکہ کے پہاڑوں اور میدانوں میں جدھر نظر اٹھتی ہے خیمے ہی خیمے نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ اسلامی سلطنت کے دُور دراز گوشوں سے سمندر عبور کرتے، پہاڑوں کو پھلانگتے اور صحراؤں کا سینہ چیرتے ہوئے یہاں پہنچے ہیں۔ عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور بھی اپنے خدم وحشم جلو میں لیے آیا ہوا ہے اور دارالندوہ میں اقامت گزیں ہے۔ رات کا پچھلا پہر ہے۔ ہر طرف سناٹا طاری ہے۔ آسمان پر ستاروں کا خاموش کارواں سرگرم سفر ہے۔ منصور اٹھتا ہے اور دارالندوہ سے باہر نکلتا ہے۔ پہلے خانہ کعبہ کا طواف کرتا ہے پھر اپنے اللہ کے آگے سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ سپیدۂ سحر نمودار ہوتا ہے تو قیام گاہ پر واپس آجاتا ہے اور وہیں نمازِ فجر پڑھتا ہے۔ یہ اس کا

ہر شب کا معمول ہے۔ آج بھی وہ حسب دستور دار الندوہ سے نکل کر خانہ کعبہ پہنچا اور طواف کرنے لگتا ہے۔ اچانک اس کے کانوں میں آواز آتی ہے۔ کوئی بڑے رقت بھرے لہجے میں کہہ رہا ہے: "اے اللہ میں تیرے حضور میں شکوہ سنج ہوں۔ زمین فساد سے بھر گئی ہے۔ ایک شخص کا ظلم اور لالچ لوگوں اور ان کے حق کے درمیان حائل ہو گیا ہے۔ ہر طرف ظلم کا بازار گرم ہے۔" منصور کے قدم رک جاتے ہیں۔ نگاہ اٹھا کر دیکھتا ہے کوئی شخص ملتزم سے چمٹا آہ و زاری کر رہا ہے۔ منصور طواف پورا کر کے حرم کے ایک گوشے میں بیٹھ جاتا ہے اور دربان سے کہتا ہے اس شخص کو ہماری خدمت میں حاضر کرو۔ دربان اس کے پاس پہنچتا ہے اور کہتا ہے "تمہیں امیر المومنین طلب فرما رہے ہیں۔"

"مجھے؟" وہ کہتا ہے اور سمجھ جاتا ہے کہ تقریب ملاقات کیا ہے۔ دو رکعت نماز پڑھتا ہے اور قاصد کے ساتھ ہو لیتا ہے۔

"السلام علیکم یا امیر المومنین!" وہ منصور کی خدمت میں پہنچ کر بلند آواز سے سلام کرتا ہے۔

"یہ ہم نے کیا سنا ہے؟ تم کہہ رہے تھے زمین میں فتنہ و فساد پھیل رہا ہے اور ایک شخص کا لالچ اور ظلم لوگوں اور ان کے حق کے درمیان حائل ہو گیا ہے؟ بخدا ہمارے کان سنسنا اٹھے ہیں اور ہمیں بے حد قلق ہوا ہے۔" منصور کہتا ہے۔

"امیر المومنین! جان کی امان ہو تو میں صورت حال عرض کر دوں۔"

"ہاں ہم تمہیں جان کی امان دیتے ہیں۔"

"وہ شخص جس کا لالچ اور ظلم عامۃ الناس اور ان کے حق و صلاح کے درمیان حائل ہو چلے ہیں اور خدا کی زمین میں فتنہ پھیل گیا ہے، وہ آپ کی ذات ہے۔"

"بدبخت، ناہنجار!" منصور کی تیوری چڑھ جاتی ہے اور لہجہ خشمگیں ہو جاتا ہے۔ "ہم ظلم کا شکار کیسے ہو سکتے ہیں؟ جب کہ سفید اور زرد ہمارے ہاتھ میں ہیں اور تیغ و ترش ہمارے قبضہ میں؟"

"امیرالمومنین! آپ سے بڑھ کر ظلم کا شکار کون ہو سکتا ہے؟ آپ کو اللہ نے مسلمانوں کے معاملات اور مال و دولت کا نگران بنایا ہے، آپ ان کے معاملات سے تو غافل ہیں البتہ ان کے اموال سمیٹنے میں مصروف۔ آپ نے اپنے اور مسلمانوں کے درمیان آہنی دروازوں اور ہتھیاروں کی دیواریں کھڑی کر لی ہیں۔ آپ خود ان دیواروں کے پیچھے بیٹھ گئے ہیں اور اپنے گورنروں اور حکومت کے کارکنوں کو مال و دولت سمیٹنے کے لیے بھیج دیا ہے۔ آپ نے ایسے وزیر اور اعیانِ حکومت مقرر کیے ہیں جو آپ کو بھولے ہوئے فرائض یاد نہیں دلاتے اور اگر فرض یاد آ جاتا ہے تو اس کی انجام دہی میں آپ کا ہاتھ نہیں بٹاتے۔ آپ انہیں لوگوں پر ظلم و ستم ڈھانے کی شہ دیتے ہیں، وہ نہ صرف ان کے اموال چھین لیتے ہیں بلکہ ان پر ہتھیار اُٹھانے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ پھر آپ نے حکم دے رکھا ہے کہ فلاں فلاں لوگوں کے سوا اور کوئی شخص ہم سے ملاقات نہیں کر سکتا۔ مظلوم و دل شکستہ، بھوکے ننگے، ضعیف اور فقیر مارے مارے پھرتے ہیں چیختے چیختے ہیں مگر آپ ان کی دستگیری نہیں کرتے حالانکہ بیت المال پر ان

کا حق ہے۔

پھر وہ مقربینِ خاص ہیں جنہیں آپ نے اپنا وزیر و مشیر منتخب کیا ہے اور اپنی رعایا پر ترجیح دی ہے جو آپ سے بے روک ٹوک مل سکتے ہیں، یہ لوگوں سے مال و دولت تو چھیننے میں بڑے چابکدست ہیں لیکن اسے محتاج اور ضرورت مندوں میں تقسیم کرتے میں بے حد بخیل۔ وہ صاف صاف کہتے ہیں کہ جب خلیفہ اپنے اللہ سے خیانت کرتے نہیں ہچکچاتا، تو ہم لوگوں کے مال و جان میں خیانت کیوں نہ کریں جب کہ وہ ہمارے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ آپ کے یہ مقربینِ خاص حکم دیتے ہیں کہ آپ تک صرف وہی باتیں پہنچیں جنہیں یہ خود پہنچانا چاہیں۔ ان کے علاوہ کسی بات کی آپ کو سُن گُن نہ ہونے پائے۔ نتیجہ یہ کہ لوگ انہیں بہت بڑا سمجھنے لگتے ہیں، ان سے لرزتے اور خوف کھاتے ہیں۔ ان کی اس کیفیت سے یہ لوگ پورا پورا فائدہ اُٹھاتے ہیں ان سے ہدیے وصول کرتے ہیں اور کوئی کام رشوت لیے بغیر نہیں کرتے۔ ان کی دیکھا دیکھی یہی کھیل آپ کی رعایا کے اصحابِ مقدرت و ثروت کھیلنے لگے ہیں۔ وہ اپنے سے کمزور لوگوں کو اپنی اغراض کا ہدف بناتے ہیں۔ اس طرح اللہ کی زمین طمع، ظلم اور فتنہ و فساد سے بھر گئی ہے۔ یہ سب لوگ آپ کے ظلم میں شریک ہو گئے ہیں، لیکن آپ کو خبر تک نہیں۔

کوئی مظلوم دادخواہی کے لیے آتا ہے تو یہ اس کا راستہ روک لیتے ہیں اور کبھی آپ قصرِ اقتدار کی بلند دیواروں اور آہنی دروازوں سے باہر نکلتے ہیں اور کوئی شخص اپنی آواز بلند کر کے اپنی داستانِ مظلومیت آپ سے بیان

کرنا چاہتا ہے تو اسے روک دیتے ہیں بہت ہوا تو اس پہ توڑے جانے والے ظلم کی چھان بین کے لیے ایک آدمی مقرر کر دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ فریادی کا حق ادا کر دیا۔ اگر وہ ساری رکاوٹیں عبور کر کے محل تک پہنچ جاتا ہے تو بادشاہ ظالم پوری کوشش کرتے ہیں کہ وہ فریاد کرنے نہ پائے۔ اسے دھکے دے کر نکال دیتے ہیں، دھمکیاں دیتے ہیں، وہ پھر بھی نہیں ٹلتا اور آپ کے قصر سے برآمد ہونے کے انتظار میں کھڑا سختیاں سہتا رہتا ہے تو کوڑے مار مار کر اس کی چمڑی ادھیڑ دیتے ہیں۔"

حالات کے اس تجزیے سے منصور کی جیسے جان نکل جاتی ہے۔ وہ چپ چاپ بیٹھا اس شخص کی باتیں سُن رہا ہے۔ چہرے پہ ایک رنگ آتا ہے ایک جاتا ہے۔ آخر صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ بڑے دھیمے اور عاجزانہ لہجے میں کہتا ہے۔

"تم نے جو کچھ کہا ٹھیک ہے مگر بتاؤ ہم کیا کریں؟ ہمیں خائن لوگوں کے سوا کوئی نظر بھی تو نہیں آتا۔"

"امیر المومنین آپ ہدایت یافتہ ائمہ کو اپنا ساتھی بنا لیجیے۔"

"وہ کون ہیں؟"

"باعمل علماء، دنیا کے نہیں آخرت کے علماء۔"

"وہ تو ہم سے دُور بھاگتے ہیں۔"

"وہ آپ سے اس لیے بھاگتے ہیں کہ انہیں ڈر ہے کہیں آپ انہیں اپنے راستے پر نہ چلانے لگیں۔ اپنی زندگی بدل لیجیے، آہنی دروازے کھول

دیجئے۔ جو پردے اور رکاوٹیں اپنے اور عامۃ المسلمین کے درمیان کھڑی کر رکھی ہیں انہیں دور کر دیجئے۔ ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی مدد فرمائیے۔ ظالم کا ہاتھ روکیے۔ میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ جو لوگ آپ سے دور ہٹ گئے ہیں وہ آپ کے پاس آئیں گے، اور رعایا کی اصلاح و بہبود اور حکومت کو صحیح خطوط پر چلانے میں آپ کی اعانت کریں گے۔

منصور بہت متاثر ہوتا اور رونے لگتا ہے۔ روتے روتے اس کی آواز بلند ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرتا اور گڑگڑاتے ہوئے کہتا ہے!

"ہائے افسوس میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔ کاش میں حقیر سا چیز نسان ہوتا! اے اللہ اس شخص نے جو کچھ کہا مجھے اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے۔"

منصور کی چیخیں نکل رہی ہیں اور وہ بار بار یہی الفاظ دہرا رہا ہے۔ اسی اثنا میں وہ بندۂ خدا چپ چاپ غائب ہو جاتا ہے۔

انسان اور مچھر کا خون

جلیل القدر تابعی امام یزید بن حبیب کئی دن سے بیمار تھے۔ علم و فضل اور رشد و تقویٰ میں مصر کی برگزیدہ شخصیت تھے۔ ان کے احباب و رفقاء کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ لوگ عیادت کے لیے دور دور سے پہنچ رہے تھے۔ مصر کا گورنر حوثرہ بن سہیل بھی خدمت میں حاضر ہوا، مزاج پرسی کی اور پوچھا: "جس کپڑے پر مچھر کا خون لگا ہو، اس میں نماز جائز ہے یا نہیں؟"

امام کا چہرہ مارے غصے کے سرخ ہو گیا۔ انہوں نے جواب دینے کے بجائے

منہ پھیر لیا۔ ابنِ سہیل کچھ دیر چُپ چاپ بیٹھا رہا۔ جانے کے لیے اُٹھا تو امام نے نظر بھر کر اس کی طرف دیکھا اور فرمایا :

"تُو روزانہ خدا کے بندوں کا خون بہاتا ہے اور مجھ سے خون کا فتویٰ پُوچھنے چلا ہے!"

عظیم باپ کے عظیم بیٹے

عباسی خلیفہ منصور نے امام مالک اور مشہور تابعی طاؤس بن کیسان کے صاحبزادے عبداللہ کو بلا بھیجا۔ دونوں بزرگ دربار میں پہنچے، تو منصور عزت و احترام اور عقیدت سے ملا۔ باتیں شروع ہوئیں۔ منصور نے ابنِ طاؤس سے کہا :

"اپنے والد سے کوئی حدیث روایت کرو"

ابنِ طاؤس جیسے موقع ہی کے منتظر تھے۔ فرمایا "میرے والد نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ قیامت کے دن سب سے بڑھ کر عذاب اُس کو ہوگا جسے خدا نے حکومت عطا کی اور اُس نے ظلم و جور کو اپنا وطیرہ بنا لیا۔"

منصور ایسے قہرمان فرمانروا کے سامنے یہ جرأت۔ غصے میں وہ لال بھبوکا ہوگیا۔ امام مالکؒ نے جو یہ رنگ دیکھا تو انہیں ابنِ طاؤس کے قتل کا یقین ہوگیا۔ انہوں نے اپنے کپڑے سمیٹ لیے، مبادا خون کے چھینٹے پڑ جائیں!

تاہم منصور نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ وہ دیر تک ساکت و صامت بیٹھا رہا۔ پھر قریب رکھی ہوئی قلم دوات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا :

"ذرا یہ قلم دوات مجھے دے دو۔"

"اگر امیر المومنین اس سے ظلم پر مبنی کوئی حکم لکھنا چاہتے ہیں۔ تو میں اس ظلم میں حصہ دار نہیں بنوں گا۔" عبد اللہ ابنِ طاؤس نے بڑے پُرسکون لہجے میں حکم کی تعمیل سے صاف انکار کر دیا۔

منصور کی حالت دیدنی تھی۔ تاہم اس نے غصّے کو پھر ضبط کیا اور کہا قُوما عَنّی (میرے پاس سے دونوں اُٹھ جاؤ)

" ذَالِكَ مَاكُنَّا نَبغِ " (ہم خود یہی چاہتے ہیں)۔ عبد اللہ نے فرمایا اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔

امام مالکؒ فرمایا کرتے تھے: "مجھے اس روز پتہ چلا کہ طاؤس کے صاحبزادے کتنے عظیم انسان ہیں"۔

بادشاہِ وقت کو تلقین

یہ وہ نصیحت ہے جو عباسی سلطنت کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) نے خلیفہ ہارون الرشید کو تحریر کی۔

"امیر المومنین۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایک بہت بھاری ذمہ داری ڈال دی ہے جس (کے حسن وخوبی سے انجام دینے) کا صلہ بھی بہت زیادہ ہے۔ اور (کوتاہی کی صورت میں) سزا بھی سخت ہے۔ آپ خلقِ خدا کے جملہ امور کے سرپرست بنائے گئے ہیں۔ اس طرح درحقیقت آپ کی آزمائش کی جا رہی ہے۔ خلقِ خدا کے لیے جو عمارت آپ بنا رہے ہیں اُسے اگر تقویٰ کی بجائے کسی اور بنیاد پر کھڑا کیا گیا تو بعید نہیں کہ وہ اپنے معمار اور اس کے مددگاروں کے سر پر آگرے۔ جس نے اس اُمّت (درحقیقت) کے جو کام آپ کے سپرد کیے ہیں انہیں

خراب نہ کریں۔

"دنیا میں جو لوگ قوموں کے نگراں ہیں انہیں اپنے رب کے سامنے اس طرح حساب دینا ہوگا جس طرح ایک چرواہا اپنے مالک کو ایک ایک جانور کا حساب دیتا ہے۔ قیامت کے دن اللہ کے حضور سب سے نیک بخت نگران وہ ہوگا جو رعایا کے لیے موجبِ سعادت تھا۔ آپ کج روی اختیار نہ کریں۔ ورنہ آپ کی رعایا بھی راہِ راست سے ہٹ جائے گی۔ خواہشِ نفس کے تحت حکمرانی کرنے اور غیظ و غضب میں دار و گیر کرنے سے بچیں۔

"فرمانِ الٰہی کے باب میں سب لوگوں کو خواہ انہیں آپ کا قرب حاصل ہے یا دوری، یکساں سمجھیں اور اللہ کے دین کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کریں۔ زادِ عمل جمع کریں اس اجل کی خاطر جو اٹل ہے اس گھاٹ کی خاطر جس پر اترنا لازم ہے۔ یہ وہی برحق گھاٹ ہے، وہی عظیم پیشی ہے جس میں اوسان خطا ہو جائیں گے اور دلائل میں کوئی وزن نہ رہے گا۔ کیونکہ سابقہ ایک زبردست حاکم سے ہوگا جس کے آگے ساری مخلوق لرزاں و ترساں سرنگوں کھڑی ہوگی، پھر ایک ایک لمحے کا حساب ہوگا، اس وقت پشیمانی بے فائدہ ہوگی۔

"امیر المومنین اللہ سے ڈریے، زندگی چند روزہ ہے، آزمائشیں بہت خطرناک ہیں، قرار و بقا صرف آخرت کو حاصل ہے۔ ایسا نہ ہو کل آپ اللہ کے حضور پیش ہوں تو اس حالت میں کہ آپ کا طرزِ عمل سرکشوں اور باغیوں کا ہو۔ اس روز کے مواخذے کا جواب تیار رکھیے۔ آپ کے کام صرف وہ خدمات

آئیں گی جو آپ ان لوگوں کی انجام دیں گے جن کے معاملات اللہ نے آپ کے سپرد کیے ہیں۔"

امام محمدؒ کا نعرۂ حق

قاضی القضاۃ امام محمدؒ ہارون الرشید کے محل میں تشریف فرما ہیں۔ دار الخلافت کے دو ایک نامی گرامی علماء موجود ہیں۔ یکایک ہارون آجاتا ہے۔ تمام حاضرین تعظیم کے لیے سروقد کھڑے ہو جاتے ہیں، مگر امام محمدؒ اپنی جگہ سے جنبش تک نہیں کرتے۔ ہارون انہیں دیکھتے ہوئے گزر جاتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد انہیں تخلیے میں طلب کرتا ہے۔ امام محمدؒ اندر تشریف لے جاتے ہیں۔

"میں نقض عہد کر کے بنو تغلب (نصرانی عرب قبیلہ) کو قتل کرنا چاہتا ہوں، آپ کی کیا رائے ہے؟" ہارون کہتا ہے۔

"بنو تغلب کو حضرت عمرؓ نے امان دی تھی۔ اس لیے عہد شکنی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔" امام جواب دیتے ہیں۔

"مگر یہ امان مشروط تھی۔ شرط یہ تھی کہ وہ اپنے بچوں کو بپتسمہ نہیں دیں گے، وہ اس شرط کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔"

"حضرت عمرؓ نے اس خلاف ورزی کے باوجود انہیں امان میں رکھا۔" امام کہتے ہیں۔

ہارون تیز ہو اٹھتا ہے اور کہتا ہے:

"حضرت عمرؓ کو موقع نہ مل سکا، ورنہ وہ ان سے ضرور جنگ کرتے۔"

"اگر ایسا ہے، تو پھر حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے ان سے تعرض

کیوں نہ کیا؟" امام محمدؒ بڑے سکون کے ساتھ ہارون کی دلیل کاٹ دیتے ہیں۔ "اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُن سے غیر مشروط اطاعت کی تھی۔" امام اپنی بات پوری کر کے ہارون کی طرف دیکھتے ہیں۔ ہارون غصے میں لال پیلا ہو رہا ہے۔

"آپ میری تعظیم کے لیے کھڑے کیوں نہیں ہوئے؟" ہارون لاجواب ہو کر پوچھتا ہے۔

"یہ خدا کا حکم ہے۔ علم کا مرتبہ اس سے بہت بلند ہے۔ آپ کے ابن عم حضرت عبداللہ بن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا یہ ارشاد بیان کرتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کی تعظیم کے لیے بت بن کر کھڑے رہیں اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔" امام بڑے وقار کے ساتھ جواب دیتے ہیں۔ ہارون شرمندہ ہو جاتا ہے۔ دیر تک خاموش رہتا ہے پھر کہتا ہے:

"اچھا تشریف لے جائیے۔"

"السلام علیکم۔" امام کہتے ہیں اور چلے آتے ہیں۔

امرا کا نیلام

شیخ عزالدین کے فتوے سے امرائے سلطنت میں کھلبلی مچ گئی۔ عام و خاص جس نے بھی سنا دنگ رہ گیا۔ شیخ کی دینی عظمت اور حق گوئی و بے باکی سے سب واقف تھے، لیکن وہ کس قدر عظیم ہیں اس کا اندازہ انہیں اس روز ہوا جب انہوں نے کہا تھا:

"امرائے سلطنت مسلمانوں کے بیت المال کی ملکیت ہیں۔ جب تک وہ شرعی

طریقے سے آزاد نہ ہوں گے، اُن کے معاملات شرعاً صحیح نہیں ہیں، وہ عام غلاموں کے حکم میں ہیں۔"

یہ امرائے سلطنت نسلاً ترک اور ان غلاموں کی اولاد تھے جو مختلف جنگوں میں پکڑے گئے تھے۔ یہ لوگ سلطنت مصر کے در و بست پر چھائے ہوئے تھے۔ شیخ کے فتوے کا اثر یہ ہوا کہ لوگ ان کے ساتھ معاملہ کرنے میں محتاط ہو گئے۔ اس سے وہ سخت برہم ہوئے۔ ایک روز انہوں نے جمع ہو کر شیخ کو طلب کیا اور پوچھا:

"آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"ہم ایک مجلس طلب کریں گے اور بیت المال کی طرف سے آپ کو نیلام کر کے شرعی طریقے پر آزادی کا پروانہ دیں گے۔" شیخ نے جواب دیا۔

امرائے سلطنت نے سلطان سے شکایت کی: "شیخ ہمیں ذلیل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں تمہیں سر بازار نیلام کیا جائے گا۔"

سلطان نے شیخ کو بلایا، انہیں سلطنت کی مصلحتوں اور دربار اور حکومت کے وقار کا واسطہ دیا اور کہا کہ وہ اپنے فتوے سے رجوع کر لیں۔ مگر شیخ مصر تھے:

"شریعت کو کسی کی خاطر بدلا نہیں جا سکتا۔"

سلطان کو طیش آ گیا۔ "آپ سلطنت کے معاملات میں دخل دینے والے کون ہیں؟" اُس نے تند و تیز لہجے میں کہا "جائیے مسجد میں بیٹھئے اور اللہ اللہ کیجئے۔" اسی طیش کے عالم میں سلطان کے منہ سے شیخ کی شان کے خلاف کچھ کلمات بھی نکل گئے۔

شیخ خاموشی سے اٹھے، گھر آئے، سامان بار کیا، گھر والوں کو ساتھ لیا اور

نکل کھڑے ہوئے "شیخ عزالدین مصر چھوڑ کر جا رہے ہیں"۔ جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر قاہرہ میں پھیل گئی۔ ہر طرف رنج و غم کی لہر دوڑ گئی۔ شہر کی آبادی کا ایک بڑا حصہ امڈ پڑا اور ان کے پیچھے ہو لیا۔ علماء، صلحاء، تاجر اور اساتذہ سب ان کا ساتھ دینے والوں میں شامل تھے۔ مصری معاشرے کا نمک اُن کے ساتھ تھا۔ "ہم بھی مصر چھوڑ دیں گے"۔ ہر شخص کی زبان پر یہی کلمہ تھا۔ سلطان کو خبر ہوئی۔ کسی نے کہا، شیخ چلے گئے تو سلطان کی سلطنت جاتی رہے گی۔ سلطان خود ان کے پیچھے گیا، اپنی گستاخی پر معافی طلب کی، انہیں راضی کیا اور کہا: "شریعت کا جو حکم ہے، ہم اس کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔ آپ خود امرائے سلطنت کو نیلام کریں"۔

شیخ عزالدین واپس آ گئے۔ نائب السلطنت کو جب پتہ چلا کہ سلطان نے ان کی نیلامی منظور کر لی ہے، تو وہ آپے سے باہر ہو گیا: "یہ شیخ ہمارا نیلام کرے گا؟ ہم ملک کے حاکم ہیں، خدا کی قسم میں اس تلوار سے اُس کی گردن اڑا دوں گا"۔

اُس نے اپنے باڈی گارڈ کو ساتھ لیا۔ وہ ہاتھ میں برہنہ شمشیر لیے شیخ کے گھر پہنچا۔ دروازے پر دستک دی۔ شیخ کے صاحبزادے نے دروازہ کھولا۔ دیکھا، نائب السلطنت دروازے پر کھڑا ہے۔ برہنہ تلوار اس کے ہاتھ میں ہے۔ انہوں نے اندر جا کر سارا ماجرا سنایا۔

"بیٹے، تمہارے باپ کے ایسے نصیب کہاں کہ وہ اللہ کے رستے میں شہید ہو"۔ انہوں نے نہایت بے پروائی سے جواب دیا اور باہر نکلے۔ انہیں دیکھتے ہی نائب السلطنت کی عجیب حالت ہو گئی۔ بدن پر رعشہ طاری ہو گیا۔ تلوار ہاتھ سے گر پڑی۔ رو کر شیخ سے عرض کی:

"میرے آقا، آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

"میں تمہارا نیلام کروں گا اور تمہیں فروخت کروں گا۔" شیخ نے جواب دیا۔

"ہماری قیمت آپ کس مد میں صرف کریں گے؟" اُس نے دریافت کیا۔

"مسلمانوں کی ضرورت پر۔" شیخ نے فرمایا۔

"قیمت کون وصول کرے گا؟"

"میں خود۔"

"بہت اچھا، ہم راضی ہیں۔"

شیخ نے ایک ایک کر کے سب امرا کو نیلام کیا اور بہت بڑی بڑی بولیوں پر [illegible] فروخت کیا۔ قیمت وصول کر کے فلاحِ عامہ کے کاموں پر صرف کی اور [illegible] ہو کر اپنے گھر گئے۔

ایک عالم کی عظمت [illegible] کی [illegible] مثال دنیا کی تاریخ میں شاذ و نادر ہی نظر آتی ہے۔

انصاف کی کرنیں

○

عدل میں مساوات

امیر المومنین عمرؓ مسجدِ نبوی میں تشریف فرما تھے۔ حضرت علیؓ بھی ان کی مجلس میں موجود تھے۔ ایک شخص تیز تیز قدموں سے لپکتا ہوا آیا اور حضرت علیؓ کے خلاف دعویٰ دائر کیا۔ حضرت عمرؓ نے مدعی کا بیان سُن کر حضرت علیؓ کی طرف دیکھا اور کہا: "اے ابوالحسن! اُٹھیے اور مدعی کے ساتھ جا کر بیٹھیے۔"

حضرت علیؓ نے حکم کی تعمیل کی۔ امیر المومنین نے فریقین کے بیانات سُن کر فیصلہ دے دیا۔ مدعی چلا گیا تو حضرت علیؓ پھر اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئے۔ عمرؓ نے دیکھا کہ علیؓ کا رنگ بدلا ہوا ہے۔ پوچھا:

"ابوالحسن! مجھے آپ کا رنگ متغیر نظر آتا ہے، کیا کوئی بات ناگوار گزری ہے؟"

"ہاں اے ابنِ خطابؓ!" علیؓ نے کہا۔

"کون سی بات؟"

"یہ کہ آپ نے مجھے نام کے بجائے کنیت سے پکارا۔ آپ کو کہنا چاہیے تھا: علیؓ! اُٹھو اور مدعی کے پاس جا کر بیٹھو۔"

امیر المومنین عمرؓ نے علیؓ کا ماتھا چُوم لیا اور فرمایا: "میرا باپ آپ پر قربان

ہو، آپ لوگوں ہی کے ذریعے اللہ نے ہمیں ہدایت دی اور آپ ہی کے ذریعے ہم کفر کے اندھیرے سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آئے ہیں"۔

زمین کا طوق

اندلس کے اموی حکمران الحکم نے پہاڑی کی چوٹی سے وادیٔ کبیر کے کنارے پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ بڑا دلکش منظر تھا۔ دریا کے کنارے بلند و بالا درختوں کی قطار چلی گئی تھی۔ عقب میں وسیع سبزہ زار پھیلا ہوا تھا۔ سبزہ زار ختم ہوتے ہی قرطبہ کی عمارتیں شروع ہو گئی تھیں۔ آفتاب غروب ہونے کو تھا اور شفق کی سُرخی میدان کے سبزے سے گلے مل کر عجب بہار دے رہی تھی۔ الحکم کو یہ منظر کچھ ایسا بھایا کہ میدان میں ایک عظیم الشان قصر بنوانے کا فیصلہ کر لیا۔

انجینئر اور کاری گر طلب کر لیے گئے۔ نقشہ تیار ہو گیا۔ زمین کی پیمائش ہوئی۔ قصر کے حُسن کو دوبالا کرنے اور باغات لگوانے کے لیے قرب و جوار کے مکانات گرانے کا فیصلہ ہوا۔ مالکوں سے بات چیت کی گئی۔ سب نے معقول معاوضہ لے کر مکان دے دیے، لیکن ایک بیوہ خاتون نے اپنا مکان بیچنے سے صاف انکار کر دیا۔ شاہی حکام نے ہر چند کہا، دوسرے لوگوں سے کئی گنا قیمت پیش کی، دباؤ ڈالا، ڈرایا دھمکایا، مگر بیوہ عورت تحریص کے دام میں آئی نہ دھمکیوں سے مرعوب ہوئی۔ معاملہ الحکم تک پہنچا۔ وہ سخت چراغ پا ہو گیا۔ فوراً فرمان جاری کیا: "مکان زبردستی لے لیا جائے اور قصر کی تعمیر شروع کر دی جائے۔" حکم کی تعمیل ہوئی۔ کوتوال نے بیوہ کو زبردستی مکان سے نکال دیا۔ کدال اور پھاوڑے حرکت میں آ گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے مکان زمین بوس ہو گیا۔ چند روز بعد اُس کی جگہ ایک خوش نما قصر سر اُٹھائے

کھڑا تھا۔

عورت نے عدالت میں بادشاہ پر استغاثہ دائر کر دیا۔ قاضی سے کہا: "میں ایک غریب بیوہ ہوں۔ بادشاہ نے میرے یتیم بچوں کا حق غصب کر لیا ہے۔ بادشاہ کے مقابلے میں انصاف کی توقع کم ہے۔ لیکن اگر آپ آزادی اور جرأت سے کام لیں اور انصاف کریں تو میرے بچے بھی اپنے حق سے محروم نہیں رہ سکتے۔"

"بی بی بے فکر رہو۔ میں عدل و انصاف سے کام لوں گا۔ بادشاہ اور ایک غریب عورت میری نظر میں یکساں ہیں۔ اگر تمہارا حق بنتا ہے تو کوئی تمہیں اس حق سے محروم نہیں کر سکتا۔" قاضی نے جواب دیا۔

قاضی، بادشاہ کے مزاج سے خوب واقف تھا۔ وہ بڑا تند خو اور شعلہ صفت انسان تھا۔ ایک بار اس نے دھوکے سے، اپنے تین سو مخالفین قتل کر کے ان کے سر اپنے محل پر ٹنگوا دیئے تھے۔ کسی کو اس کے سامنے بولنے کی مجال نہ تھی۔

قاضی نے عورت کو لمبی تاریخ دے دی اور بادشاہ کے نام عدالت میں حاضر ہونے کے سمن جاری کر دیئے۔ عورت لمبی تاریخ ملنے کے بعد مایوس ہو گئی تھی۔ قاضی چاہتا تھا کہ مقدمے کی سماعت کی نوبت نہ آئے اور دوسری تدبیروں سے غریب عورت کا حق مل جائے۔

قصر تعمیر ہو چکا تھا۔ باغات لگ رہے تھے۔ ایک روز قاضی کو خبر ملی کہ بادشاہ قصر کا معائنہ کرتے تنہا جا رہا ہے۔ قاضی ایک گدھے پر خالی بورا لادے پہنچ گیا اور عرض کی کہ غلام اس جگہ کی مٹی بطور اعزاز اپنے ذاتی باغ میں ڈالنا چاہتا ہے۔ ایک بورا بھرنے کی اجازت مرحمت فرمایئے۔ بادشاہ نے اجازت

دے دی۔ قاضی بورا بھر چکا تو کہنے لگا: "تھوڑا سا ہاتھ بٹائیے میں بورا گدھے پر
رکھ دوں۔" بادشاہ تمسخر کے انداز میں ہنس دیا اور بوجھ اٹھانے میں مدد دی، لیکن بورا
بہت بھاری تھا اٹھ نہ سکا۔

قاضی نے کہا: "اے امیر! آپ ایک بورے کا بوجھ دوسرے کی مدد سے بھی
نہیں اٹھا سکتے۔ پھر قیامت کے روز جب [illegible]
اور عدل و انصاف کے لیے رعایا اور بادشاہ اور فقیر و غنی سب کو ایک قطار میں
کھڑا کر دے گا۔ جب غریب و بے نوا اپنے اچھے اعمال کی بدولت نا انصاف
بادشاہوں پر سبقت لے جائیں گے اور جب وہ غریب بیوہ عورت جس کا
مکان زبردستی چھین کر آپ نے یہ محل بنوایا ہے۔ بارگاہِ الٰہی میں آپ کے
خلاف مقدمہ دائر کرے گی اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ اس زمین کا
بوجھ آپ کی گردن میں ڈال دیا جائے تو آپ اس کا بوجھ کیسے اٹھا سکیں گے؟"

حکمران قاضی کی تقریر سن کر رونے لگا اور اسی وقت حکم دیا کہ محل اور باغ
مع سازوسامان کے اس بیوہ عورت کو دے دیے جائیں۔

[illegible]

اندلس کے دورِ حکومت میں عدالت کا اجلاس ہو رہا ہے۔ جسٹس (قاضی)
ابن بشیر کرسیِ عدالت پر جلوہ افروز ہیں۔ اندلس کے حکمران اوّل امیر عبدالرحمٰن الداخل
کے شہزادے سعید الخیر کا مقدمہ زیرِ غور ہے۔ سعید الخیر کا وکیل دلائل دے رہا
ہے۔ شہزادہ سعید وثیقۂ شہادت ہاتھ میں لیے بیٹھا ہے۔ وثیقے میں کئی
گواہوں کی شہادت ثبت ہے۔ ان گواہوں میں ایک تو خود امیر المؤمنین الحکم

ہیں، دوسرا ایک غیر معروف شخص زید۔ زید کی گواہی ہو چکی ہے تو امیر المومنین الحکم کا نام پکارا جاتا ہے۔ مگر وہ موجود نہیں۔ سعید الخیر اُٹھتا ہے اور وثیقہ شہادت ابنِ بشیر کی خدمت میں پیش کر دیتا ہے، لیکن عدالت اس تحریری وثیقے میں ثبت شدہ شہادت قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ سعید الخیر کے پندارِ کبریائی پر چوٹ سی لگتی ہے۔ سلطنت کا ایک اہل کار اور امیر المومنین کی تحریری گواہی مسترد کر دے! عدالت میں تو وہ خاموش رہتا ہے مگر امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہو کر دل میں کھولتا ہوا لاوا اگل دیتا ہے۔

"امیر المومنین اس وثیقے پر آپ کی شہادت ثبت ہے، آپ کے دستخط موجود ہیں جو آپ نے اپنے خلد آشیاں والد کی زندگی میں بادشاہ ہونے سے قبل کیے تھے مگر قاضی کی جسارت دیکھیے کہ وہ آپ کی شہادت کو خاطر میں نہیں لاتا۔ ایسا مغرور متکبر شخص اس قابل نہیں کہ اسے مسندِ عدالت پر فائز رکھا جائے۔ ایسے شخص کو فوراً معزول کر دینا چاہیے۔"

امیر المومنین اپنے چچا کی باتیں سُن رہے ہیں، مگر خاموش ہیں۔ سعید کا اصرار بڑھتا جاتا ہے۔ آخر وہ کہتے ہیں: "عمِ مکرم آپ جانتے ہیں ہم نے اس قسم کے معاملات سے کنارہ کشی کر لی ہے۔ ہمیں سلطنت کے انصرام و انتظام ہی سے فرصت نہیں۔ ہمارے پاس اتنا وقت کہاں کہ عدالتوں میں گواہیاں دیتے پھریں، آپ مقدمہ لڑنے کے بجائے یہ دیکھئے کہ انصاف کیا کہتا ہے۔ اگر انصاف آپ کے مخالف کے حق میں ہے تو اپنے دعوے سے دستبردار ہو جائیے۔ جو نقصان ہوگا میں اس کی تلافی کر دوں گا۔"

مگر سعید الخیر اپنے موقف پر بضد ہے۔ قاضی کا تقرر آپ نے کیا اس کی برطرفی بھی آپ کے اختیار میں ہے۔ یہ بات ناقابلِ برداشت ہے کہ وہ ہمیں عام دعویداروں کی صف میں کھڑا کر دے۔

سعید الخیر کا اصرار جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو امیر المومنین الحکم سرکاری کاغذ پر اپنی شہادت لکھتے ہیں خود اپنے ہاتھ سے شاہی مُہر لگاتے ہیں اور دو نامور فقہا کے حوالے کرتے ہیں کہ وہ اسے عدالت میں پیش کر دیں اور ساتھ ہی گواہی دیں کہ یہ خود میری شہادت ہے اور میں نے اپنے ہاتھ سے مُہر ثبت کی ہے۔

○

جسٹس ابنِ بشیر بر سرِ عدالت ہیں۔ شاہی تحریر ان کے ہاتھ میں ہے اور وہ اُسے بڑے غور سے پڑھ رہے ہیں۔ سعید الخیر بڑی شان سے عدالت میں کھڑا ہے۔ دونوں علماء نے امیر المومنین کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ عدالت میں ایک باوقار سناٹا طاری ہے۔ جسٹس ابنِ بشیر سر اٹھاتے ہیں، ایک نظر سعید الخیر اور ان کے ساتھیوں پر ڈالتے ہیں اور پھر تمکنت آمیز آواز خاموشی کو توڑتی ہے۔

"آپ حضرات نے جو شاہی تحریر پیش کی ہے میں نے پڑھ لی۔ یہ شہادت کافی نہیں ہے۔ کوئی عادل گواہ پیش کیجئے۔"

سعید الخیر تلملا اٹھتا ہے "کیا آپ امیر المومنین کی شہادت کو غیر معقول قرار دیتے ہیں؟" اُس کی آواز میں غصہ صاف کروٹیں لے رہا ہے۔

"جو کچھ میں نے کہا وہ آپ نے سُن لیا۔" جسٹس ابنِ بشیر کہتے ہیں۔ "آپ

حضرات تشریف لے جائیے اور شہادت لائیے۔ عدالت کی کارروائی چند روز کے لیے ملتوی کی جاتی ہے۔"

○

سعید الخیر غصّے میں آگ بگولا الحکم کے پاس پہنچتا ہے: "امیر المومنین آج سلطنت کا وقار ختم ہو گیا، شاہی خاندان ذلیل و رُسوا ہو گیا۔ عدالت کے نزدیک خود بادشاہ کی وقعت بھی پرِکاہ کے برابر نہیں۔ ابنِ بشیر آپ کی شہادت کو غیر معقول اور آپ کو غیر عادل گواہ قرار دیتے ہیں۔"

الحکم اپنے چچا کی باتیں بڑے سکون سے سنتے ہیں اور پھر متانت سے کہتے ہیں:

"عمِ محترم، کیا آپ کا خیال ہے قاضی صاحب نے میرے متعلق غلطیاں کہی ہیں؟ وہ راست باز اور راست رو انسان ہیں، حق گو اور حق پرست ہیں، حق کے معاملے میں کسی کی پروا نہیں کرتے۔ ان کا جو فرض تھا اُسے ادا کر دیا۔ انہوں نے اپنے عمل سے وہ دروازہ بند کر دیا جس میں داخل ہونا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ اللہ انہیں نیک عمل کی جزائے خیر دے۔"

سعید الخیر کا پارہ چڑھ جاتا ہے۔ تیوری پر بل پڑ جاتے ہیں۔ پھر شکایت بھرے لہجے میں کہتا ہے: "امیر المومنین، مجھے آپ سے یہ توقع نہ تھی۔"

"محترم چچا!" امیر المومنین کہتے ہیں: "میں نے وہی کچھ کہا جو مجھے کہنا چاہیے تھا۔ میں قاضی صاحب سے کسی قسم کی کوئی باز پُرس نہیں کروں گا۔ جو شخص حق کے معاملے میں بادشاہ تک کو خاطر میں نہیں لاتا، اس کے فیصلے کس

قدرحق وانصاف پر مبنی ہوں گے! کیا آپ چاہتے ہیں میں لوگوں کے معاملات میں خیانت کاری کی بنیاد رکھوں ایسا مجھ سے ہرگز نہیں ہوگا۔"

سعید الخیر چپ چاپ اُٹھ جاتا ہے۔ جسٹس ابنِ بشیر ناکافی شہادت کی بنا پر فیصلہ سعید الخیر کے خلاف صادر کر دیتے ہیں۔

غصب شدہ باغ کی واپسی

کوفے میں عدالت کا اجلاس ہو رہا تھا۔ قاضی شریک بن عبداللہ مقدمات کی سماعت کر رہے تھے۔ عدالت کے باہر اہلِ مقدمہ کا ہجوم تھا اور دربان انہیں باری باری ایک ایک کر کے اندر بھیج رہا تھا۔ فریقین قاضی کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اپنا معاملہ پیش کرتے۔ قاضی صاحب ان کا بیان لیتے۔ ان کی شکایتوں کی چھان بین کرتے اور حق و عدل کے مطابق فیصلہ کر دیتے۔

ایک عورت بھی اس ہجوم میں منتظر کھڑی تھی۔ فکر و تردد اور ضعف اُس کے چہرے سے صاف نظر آ رہا تھا۔

عورت کھڑے کھڑے اُکتا گئی۔ لوگ آ جا رہے تھے۔ انتظار طویل تر ہوتا چلا گیا۔ وہ تھک کر چُور ہو گئی۔ آخر اُس نے دُور ہی سے باآوازِ بلند دربان کو اپنی جانب متوجہ کیا اور التجا کی کہ مجھے عدالت میں پیش ہونے کی اجازت دی جائے۔

دربان نے اسے اندر بھیج دیا۔ قاضی صاحب نے ایک نظر اُس پر ڈالی اور پوچھا:

"بی بی تمہارا کیا معاملہ ہے؟"

"میں قاضی کے پاس فریاد لے کر آئی ہوں"۔

"تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟"

"امیر موسیٰ بن عیسیٰ نے"۔

"کیا کہہ رہی ہو؟ امیر المومنین کے چچا نے!"

"جی ہاں"۔

"تفصیل سے بتاؤ قصہ کیا ہے؟"

"دریائے فرات کے کنارے میرا کھجور کا باغ تھا" عورت نے کہنا شروع کیا۔ "مجھے اپنے باپ سے ورثے میں ملا تھا۔ میرے بھائیوں نے اُسے تقسیم کیا تو میں نے اپنے حصے کے درمیان دیوار بنالی اور باغ کی حفاظت، پرورش اور دیکھ بھال کے لیے ایک نوکر رکھ لیا۔ کچھ مدت بعد امیر موسیٰ بن عیسیٰ نے میرے بھائیوں کے حصے کا باغ خرید لیا اور میرے حصے پر حریصانہ نظریں گاڑ دیں اور مجھ سے کہا تم بھی اپنا باغ بیچ دو۔ لیکن میں نے انکار کر دیا۔ ایک روز امیر چند نوجوان ساتھ لیے باغ میں آیا اور اس دیوار کو ڈھا دینے کا حکم دے دیا جو میں نے تعمیر کی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باغ کی حدود گڈمڈ ہو گئیں۔ مقصد یہ تھا کہ میں باغ بیچنے پر آمادہ ہو جاؤں۔ اے قاضی اب میں آپ کی خدمت میں اپنا حق لینے آئی ہوں اور آپ کے سامنے اعلان کرتی ہوں کہ اپنا باغ امیر کے ہاتھ ہرگز نہ بیچوں گی"۔

قاضی شریح نے لمحے بھر کے لیے سر جھکایا اور پھر آواز دی۔ "غلام!"

"جناب حاضر ہوں"۔

"مٹی کا ایک ڈھیلا لاؤ۔"

غلام نے ڈھیلا پیش کر دیا۔ قاضی نے اس پر اپنی مہر لگائی اور غلام کو دے کر کہا:

"امیر موسیٰ بن عیسیٰ کے ہاں جاؤ، انہیں یہ ڈھیلا دو اور اپنے ساتھ لے کر آؤ۔"

غلام امیر کے محل پر پہنچا اور قاضی شریک کا جاری کردہ سمن اس کے حوالے کیا۔ امیر مارے غصے کے دل بھبوکا ہو گیا۔ آنکھوں سے چنگاریاں جھڑنے لگیں۔ غیظ و غضب میں کبھی مسند پر بیٹھ جاتا کبھی اُٹھ کر ٹہلنے لگتا۔ پھر اپنے باڈی گارڈ افسر کو طلب کیا اور حکم دیا:

"قاضی شریک کے پاس جاؤ۔ میری طرف سے کہو تم بھی عجیب آدمی ہو۔ ایک عورت کا بالکل جھوٹا دعویٰ تم نے سن لیا اور اب مجھے اس کے دوش بدوش کھڑا کرنے کے لیے اپنی عدالت میں بلا رہے ہو۔"

"امیر محترم! میں معافی کا خواستگار ہوں۔ میری جگہ کسی اور کو بھیج دیجئے گا۔" افسر نے دست بستہ عرض کیا۔

"کیا تمہیں اس سے ڈر لگتا ہے؟ جاؤ ابھی جاؤ۔" امیر چیخا۔

گارڈ افسر قاضی شریک کی عدالت میں حاضر ہوا اور امیر کا پیغام پہنچا دیا۔ قاضی نے باوقار آواز میں غلام کو حکم دیا: "اس شخص کو پکڑو اور جیل میں ڈال دو۔"

"کیا آپ مجھے قید کرنے چلے ہیں؟" گارڈ افسر نے حیرت اور خوف بھرے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں میں تمہیں قید کر دوں گا۔"

"میں تو صرف قاصد ہوں۔"

"تم ایک ناجائز کام کروانے میرے پاس آئے ہو، تم شریعت کا حکم معطل کرنا چاہتے ہو۔"

امیر کو خبر ملی کہ قاضی نے گارد افسر کو جیل بھیج دیا ہے تو اس کا پارہ اور چڑھ گیا۔ اپنا حاجب شریک کی عدالت میں بھیجا۔ اس نے معزز جج سے گزارش کی:

"وہ گارد افسر تو صرف پیغام لے کر آیا تھا، اس کا قصور کیا تھا کہ آپ نے اسے جیل میں ٹھونس دیا؟"

"غلام!" قاضی شریک نے آواز دی۔ وہ حاضر ہوا تو کہا اس حاجب کو بھی اس کے دوست کے ساتھ قید کر دو۔"

دن ختم ہو چلا تھا۔ امیر حاجب کا نہایت بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ آخر کھوج لگایا تو حقیقت آشکارا ہوئی۔ اُس نے کوفے کے بڑے بڑے معزز شہری جن میں قاضی شریک کے دوست احباب بھی تھے طلب کیے۔ انہیں سارا قصہ سنایا اور کہا "آپ لوگ قاضی کے پاس جائیں۔ انہیں میرا سلام کہیں اور بتائیں کہ انہوں نے میری توہین کی ہے۔ میں عام آدمی نہیں کہ عدالتوں میں حاضری دیتا پھروں۔"

قاضی شریک کے احباب ان کے ہاں گئے اور امیر کا پیغام پہنچایا۔

"تم لوگ مجھے ایسی بات کہنے آئے ہو جس کا تمہیں کوئی حق نہیں" قاضی نے جواب دیا اور پھر خدام کو آواز دی "یہ کچھ لوگ ہیں!"

چند نوجوان دوڑتے ہوئے آئے۔ قاضی نے کہا "ان لوگوں کو جیل پہنچا دو"

قاضی کے دوست دم بخود رہ گئے۔ انہیں توقع نہ تھی کہ قاضی صاحب اس طرح بے رُخی سے پیش آئیں گے۔ "بولے ہمارا جرم کیا ہے؟"

"تم لوگ فتنہ بڈ حق کی رہ میں مزاحم اور قوانین شریعت کے نفاذ میں رکاوٹ بن رہے ہو۔ تمہاری سزا قید ہی ہو سکتی ہے"۔

"کیا واقعی کر گزرو گے؟"

"ہاں تاکہ آئندہ کسی ظالم کا پیغام نہ لاؤ"۔

امیر موسیٰ بن عیسیٰ کو پتہ چلا تو اپنا گھڑ سوار دستہ لے کر جیل خانے پہنچ گیا۔ دروازہ کھلوایا اور ان سب قیدیوں کو چھوڑ دیا جنہیں قاضی نے قید کیا تھا۔

اگلے روز صبح سویرے قاضی شریک کچہری لگائے بیٹھے تھے کہ جیل کا داروغہ حاضر ہوا اور امیر موسیٰ نے جو کچھ کیا تھا اس کی ساری رُوداد سنائی۔ قاضی شریک فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے، گھر پہنچے اور غلام سے کہا میرا سامان بغداد پہنچا دو۔

"کیا جناب منصبِ عدالت چھوڑ دینا چاہتے ہیں؟"

"بخدا ہم نے یہ منصب ان سے مانگا نہیں تھا بلکہ انہوں نے خود یہ کام زبردستی ہمارے سپرد کر دیا تھا اور ہمیں ضمانت دی تھی کہ وہ عدالت کے کام میں مداخلت نہیں کریں گے"۔

امیر کو خبر ملی کہ قاضی صاحب نے استعفا دے دیا ہے اور بغداد جا رہے

ہیں تو بڑا اگھبرایا۔ انہوں نے خلیفہ کو اس مظلوم خاتون کی داستان سنادی تو کیا ہوا؟ فوراً باڈی گارڈ ساتھ لیا اور قاضی صاحب کو راستے ہی میں جالیا اور لگا منت سماجت کرنے" ابوعبداللہ، دیکھیے نا، آپ نے میرے آدمی قید میں ڈال دیے۔"

"ہاں میں نے انہیں قید و بند میں ڈال دیا۔ وہ میرے پاس پیغام لیکر آئے تھے اور تو نے ایک بے کس عورت پر ظلم کیا ہے۔"

"آپ واپس تشریف لے چلیے اور اپنے فرائض ادا کیجئے۔ میں عہد کرتا ہوں جو کچھ آپ چاہیں گے وہی کروں گا۔"

"نہیں جب تک وہ سب لوگ جیل نہیں چلے جاتے، میں یہاں سے ہرگز جنبش نہ کروں گا۔"

"قید خانے واپس چلے جائیں۔"

"تب ورنہ میں امیرالمومنین مہدی کے دربار میں جاؤں گا اور جو عہدہ انہوں نے میرے کندھوں پر لاد رکھا ہے، اسے اتار کر ان کی خدمت میں رکھ دوں گا۔"

امیر موسیٰ کے لیے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ ان سب لوگوں کو جیل بھجوا دیا جنہیں قاضی صاحب نے محبوس کیا تھا۔ تب قاضی صاحب نے اپنے معاونین سے کہا: "امیر کی سواری کی لگام پکڑو اور اسے میری عدالت میں حاضر کرو۔"

حکم کی تعمیل ہوئی، امیر موسیٰ عدالت میں حاضر کیے گئے۔ قاضی شریک نے

مظلوم عورت کو امیر کے ساتھ کھڑا کیا اور کہا:

"بی بی فریقِ ثانی حاضر ہے جو کچھ کہنا چاہتی ہو کہو۔"

"لیکن سب سے پہلے آپ ان لوگوں کو تو جیل سے رہا کریں۔ میں حاضر ہو چکا ہوں۔" میر موسیٰ نے کہا۔

"ہاں اب انہیں رہا کر دیا جائے گا۔" قاضی صاحب نے کہا اور پھر میر سے پوچھا: "اس خاتون نے جو دعویٰ کیا ہے اس کے متعلق کیا خیال ہے؟"

"یہ سچ کہتی ہے۔"

"جو مال آپ نے لیا ہے اسے واپس کر دیجیے اور جو دیوار گرائی تھی ویسی ہی نئی دیوار فوراً بنوا دیجیے۔"

"حکم کی تعمیل ہو گی۔"

"بی بی، کوئی شکایت باقی تو نہیں رہی؟" قاضی صاحب نے پوچھا۔

"نہیں حضرت! اللہ تعالیٰ آپ کی زندگی میں برکت دے اور آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔"

عورت چلی گئی اور اسلامی عدل کی تاریخ میں ایک اور روشن واقعہ کا اضافہ ہو گیا۔

"مغرور" گواہوں کا قرار

قاضی یوسف کو خلیفہ معتضد باللہ کا پیغام پہنچا:

"فلاں شخص کے متعلق حال ہی میں آپ نے جو فیصلہ کیا ہے، اور دونوں کو ان کا مال دلوایا ہے، جس کی طرف میرا بھی حق نکلتا ہے۔ مجھے بھی مدعی سمجھیے

اور میرے دعویٰ پر غور کر کے میرا حصّہ بھی دلوا دیجئے۔"

ابوحازم نے جواب میں کہلا بھیجا:

عدالت کا جُوا میری گردن میں ڈال کر آپ فرماتے ہیں کہ میں بغیر گواہوں کے آپ کا دعویٰ مان لوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اپنے گواہ پیش کیجیے۔"

خلیفہ نے کہلوایا:

"فلاں فلاں میرے دو معزز گواہ ہیں۔"

قاضی نے جواب دیا:

"وہ گواہ آپ کے نزدیک معزز ہوں گے، میں جب تک یہ نہ دیکھ لوں کہ وہ شریعت کے مطابق شہادت دینے کے قابل ہیں یا نہیں۔ آپ کے دعوے کو نہیں مان سکتا نہ اُن کی شہادت قبول کر سکتا ہوں۔"

گواہوں کو جب پتہ چلا کہ اُن پر سخت جرح ہونے والی ہے، انہوں نے گواہی دینے سے انکار کر دیا۔ قاضی ابوحازم نے خلیفہ کا دعویٰ خارج کر دیا۔

دادرس سلطان

رات کا پچھلا پہر ہے۔ محمود غزنوی، کوشکِ سلطانی میں سرخ مخملی گدّوں پر دراز محوِ خواب ہے۔ اچانک اُس کی آنکھ کُھل جاتی ہے۔ حجرے میں کمبیر سنّاٹا ہے۔ پائنتی کی طرف چھت سے معلّق فانوس سے قوسِ قزح کے رنگوں میں ڈوبی ہلکی ہلکی پُرسکوں روشنی چھن چھن کر پھوار کی طرح آ رہی ہے۔ سلطان یک نظر فانوس پر ڈالتا اور آنکھیں میچ لیتا ہے، مگر نیند ہے کہ کوسوں دُور جا چکی ہے۔ دیر تک بے چینی سے تڑپتا اور کروٹیں بدلتا رہتا ہے، لیکن آنکھ

نہ لگی —— پھر ایک خیال برق بن کر ذہن کے افق پر لہراتا ہے، شاید کوئی مظلوم اپنی فریاد لے کر آیا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی بے قرار ہو جاتا ہے اور غلام کو حکم دیتا ہے: "باہر جاکر دیکھو، کون ہے"۔ غلام قصر سے نکل کر نگاہ دوڑاتا ہے۔ دُور دُور تک کوئی آدم ہے نہ آدم زاد۔ واپس آتا اور کورنش بجالا کر عرض کرتا ہے: "جہاں پناہ! کوئی شخص نہیں۔"

محمود پھر سونے کی کوشش کرتا ہے، مگر نیند کا کہیں پتہ نہیں، بے چینی اور گھبراہٹ اور بڑھ گئی ہے۔ غلاموں کو دوبارہ حکم دیتا ہے۔ اچھی طرح جاکر دیکھو ضرور کوئی دادخواہ آیا ہے۔"

حکمِ سلطانی کی تعمیل میں غلام اِدھر اُدھر پھیل جاتے ہیں اور تلاشِ بسیار کے بعد واپس آکر عرض پرداز ہوتے ہیں "جہاں پناہ! کہیں کوئی شخص نظر نہیں آیا۔"

"نا ہنجار! آدھی رات کو تلاش کرنے سے جان چرا رہے ہیں اور کہتے ہیں کوئی آدمی نہیں ملا"۔ سلطان جی ہی جی میں کہتا ہے۔ غصّے سے اس کا چہرہ تمتما اُٹھا ہے۔ تلوار ہاتھ میں لے کر نکل کھڑا ہوتا ہے۔ بہت تلاش کرتا ہے، مگر کوئی شخص دکھائی نہیں دیتا۔ قریب ہی ایک مسجد ہے۔ سوچتا ہے اسے بھی دیکھ لیں۔ دروازے پر آکر رکتا اور اندر جھانکتا ہے۔ اندھیرے میں سسکیاں اُبھرتی ہوئی سنائی دیتی ہیں۔ سلطان مسجد میں داخل ہو جاتا ہے۔ ایک شخص فرش پر اوندھے منہ پڑا کہہ رہا ہے:

اے کہ از غم نہ دیدہ خواری	از غم ما کجا خبرداری
خفتہ ماندی چو بختِ ما ہمہ شب	تو چہ دانی ز رنج بیداری

وائے وہ شخص جس نے غم نہیں چکھا تجھے ہمارے غم والم کی قدر کیوں کر ہو سکتی ہے، ہماری قسمت کی طرح تو ساری رات سویا رہتا ہے تجھے کیا علم کہ بیداری کا دُکھ کیا شے ہے؟)

پھر وہ بڑبڑاتا ہے: "سلطان کا دروازہ بند ہے تو کیا ربِّ جہان کا دروازہ تو کھلا ہے، اگر محمود سو رہا ہے تو میرا معبود تو جاگ رہا ہے۔"

"بندۂ خدا! محمود کی شکایت کیوں کرتے ہو؟ وہ تو رات بھر تمہاری تلاش میں سرگرداں اور پریشاں رہا۔ تمہیں کیا تکلیف ہے، کس نے ستایا ہے اور کہاں سے آئے ہو؟" سلطان قریب پہنچ کر کہتا ہے۔

وہ شخص ہڑبڑا کر اُٹھ کھڑا ہوتا ہے اور پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے قصۂ درد سناتا ہے: "جہاں پناہ کے سائے تلے اسی شہر میں رہتا ہوں۔ حضور کے ایک درباری کا زخم خوردہ ہوں۔ میں اس کا نام نہیں جانتا۔ اُس نے میری عزت خاک میں ملا دی ہے۔ وہ ہر رات کو مستی کے عالم میں میرے گھر آ جاتا ہے مجھے نکال باہر کرتا ہے اور میرے ناموس پر ڈاکہ ڈالتا ہے۔ یہ کئی روز سے ہو رہا ہے۔ میرا دل داغ داغ ہے۔ جہاں پناہ! اپنی تلوار کی آب سے آپ نے یہ داغ نہ دھوئے، تو کل قیامت کے دن میرا ہاتھ ہوگا اور آپ کا گریبان۔" وہ پھر رونے لگتا ہے۔

محمود کا عجیب حال ہے۔ چہرے کا رنگ دم بدم بدلتا جاتا ہے۔ جوشِ غضب سے پسینہ آگیا ہے۔

"کیا اس وقت بھی وہ ملعون وہاں ہوگا؟" وہ پوچھتا ہے۔ غصے سے اُس

کی آواز کانپ رہی ہے۔

"حضور! بہت رات گزر گئی ہے، شاید اب چلا گیا ہو، لیکن وہ پھر آئے گا۔ یہ تو اُس کا ہر دوسرے تیسرے روز کا معمول بن چکا ہے۔"

"اچھا! اس وقت تو جاؤ۔ جس روز وہ بدمعاش آئے، مجھے فوراً خبر کرو۔" سلطان کہتا ہے۔

"حضور کا ہُمائے اقبال ہم بے کسوں پر سایہ گستر رہے۔" فریادی دعائیں دیتا ہوا گھر کی طرف چل پڑتا ہے۔

"ذرا ٹھہرو۔" سلطان کی بھاری بھرکم آواز گونجتی ہے جس میں غصہ اب بھی تلملا رہا ہے۔ فریادی ٹھٹھک جاتا ہے۔

"میرے ساتھ آؤ۔" سلطان کہتا ہے۔

شاہی محل پہنچ کر سلطان پہرے داروں سے کہتا ہے: "دیکھو یہ شخص جس وقت بھی آئے، میں سوتا ہوں یا جاگتا، اسے فوراً مجھ تک پہنچا دو۔"

پہرے دار سینے پر ہاتھ رکھ کر سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ محمود اندر چلا جاتا ہے اور فریادی اپنے گھر کی راہ لیتا ہے۔

تیسرے دن خاصی رات گئے وہ فریادی در سلطانی پر دستک دیتا ہے۔ پہرے دار اُسے دیکھتے ہی سلطان کے حضور پہنچا دیتے ہیں۔ سلطان جاگ رہا ہے۔ چہرے سے ظاہر ہوتا ہے اُس نے جھپکی تک نہیں لی۔ فوراً تلوار لے کر اُٹھ کھڑا ہوتا ہے اور کہتا ہے "چلو۔ مجھے راتوں کو تنگ کرنے والی اس لومڑی تک لے چلو۔" مرد مظلوم آگے آگے ہے اور سلطان اس کے پیچھے پیچھے۔ گھر پہنچ کر سلطان

دیکھتا ہے وہ بدمعاش، اس شخص کی خواب گاہ میں خزانے کا سانپ بنا سو رہا ہے۔ سلطان تلوار کا بھرپور ہاتھ مارتا ہے۔ گردن کٹ کر الگ ہو جاتی ہے، خون کا فوارہ اُبلتا ہے اور فرش لالہ زار ہو جاتا ہے۔ پھر فریادی سے کہتا ہے "اب تو تم محمود سے راضی ہو؟ اچھا جانماز لاؤ۔"

فریادی جانماز حاضر کرتا ہے۔ سلطان ایک طرف بچھا کر دو رکعت پڑھتا ہے، پھر اس شخص سے مخاطب ہو کر کہتا ہے "گھر میں کچھ کھانے کو ہے تو لے آؤ۔"

"جہاں پناہ! ایک حقیر چیونٹی سلیمان کی کیا خاطر کر سکتی ہے؟ ہاں جو کچھ ہے پیش کرتا ہوں۔"

وہ رُوکھی سُوکھی روٹی کے کچھ ٹکڑے لاتا اور دسترخوان پر سلطان کے سامنے چُن دیتا ہے۔ سلطان بڑے شوق و رغبت سے کچھ اس طرح کھاتا ہے جیسے اس سے بڑھ کر لذیذ غذا اُس نے زندگی بھر نہیں کھائی۔ روٹی کھانے کے بعد سلطان کہتا ہے "معاف کرنا، میں نے تمہیں کھانے کے لیے تکلیف دی۔ بات یہ ہے کہ جس روز تم ملے اور اپنا دکھڑا سنایا میں نے اسی وقت قسم کھا لی تھی کہ جب تک اس خبیث کا سر اس کے کندھوں سے الگ کر کے تمہارا گھر پاک نہ کر دوں گا۔ اپنے اُوپر کھانے کو حرام سمجھوں گا اور یہ جو دو رکعت نماز میں نے پڑھی یہ شکرانے کی نماز تھی۔ میرا خیال تھا میرے درباری اور مصاحب ایسی جرأت نہیں کر سکتے۔ وہ میرے مزاج اور میری تیغ کی کاٹ سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اتنی بڑی گستاخی کی ہمت صرف بادشاہ کی اولاد ہی کو ہو سکتی ہے، وہی نشۂ غرور میں بدمست

رہتے ہیں۔ چنانچہ میں تمہارے ساتھ جب محل سے روانہ ہوا تو یہی سوچ کر کہ اپنے بیٹے کو قتل کرنے چلا ہوں، لیکن یہاں پہنچ کر اس کی صورت دیکھی تو معلوم ہوا کہ وہ میرا بیٹا نہیں کوئی اور شخص ہے۔ اس لئے میں خدا کے حضور بطورِ شکر و سپاس سجدہ ریز ہو گیا۔

ذمّی کا خون

محمد تغلق کا عہدِ حکومت ہے۔ دارالحکومت دہلی میں ایک روز اچانک خبر پھیل جاتی ہے کہ ایک ہندو امیر نے قاضی کی عدالت میں سلطان پر قتل کا مقدمہ دائر کر دیا ہے۔ جو بھی سنتا ہے انگشت بدنداں ہے۔ کوئی ہندو امیر کی جرأت کی داد دے رہا ہے کوئی اسے سلطانِ ذی شکوہ کی شان میں جسارت اور گستاخی قرار دیتا ہے۔ ہندو امیر کا دعویٰ یہ ہے کہ سلطان نے میرے بھائی کو کسی تقصیر کے بغیر مار ڈالا ہے۔ قاضی نے مقدمے کی سماعت قبول کر لی ہے اور سلطان کے نام حکم بھیجا ہے کہ وہ ان کی عدالت میں حاضر ہو کر جوابِ دعویٰ پیش کریں۔ دربار میں تہلکہ مچ جاتا ہے۔ لیکن محمد تغلق پُرسکون ہے۔ وہ نہ عدالت کے اختیارات محدود کرنے کا کوئی آرڈی نینس جاری کرتا ہے۔ نہ ہندو امیر پر تہمت گواہوں میں پیدا کرتا ہے اور نہ اپنے آپ کو عدالت سے مستثنیٰ قرار دیتا ہے۔ وقت پر عدالت میں پہنچ جاتا ہے۔ سلطان کا معمول ہے وہ جہاں کہیں جاتا ہے آگے آگے چوبدار سونے چاندی کی عصائیں لئے چلتے ہیں۔ دائیں بائیں باڈی گارڈ اور جلو میں خدم و حشم ہوتے ہیں۔ سلطان پرتلے میں تلوار لگائے اسپِ تازی پر سوار نہایت شان سے سفر کرتا ہے۔ اب بھی دبدبۂ شاہی کا وہی عالم ہے، لیکن سلطان تنہا ہے۔ تلوار اس نے محل میں چھوڑ دی ہے اور قاضی کو کہلا

بھیجا ہے کہ میری آمد پر قاضی یا عدالت میں موجود کوئی شخص تعظیم کے لیے نہ اُٹھے۔
شاہی جلوس عدالت کے دروازے پر رُک جاتا ہے۔ محمدؐ تغلق گھوڑے سے اترتا ہے اور عدالت میں داخل ہو جاتا ہے۔ خدم وحشم سب باہر رہ جاتے ہیں قاضی مسندِ عدالت پر جلوہ افروز ہے۔ سب لوگ اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے ہیں۔ سلطان بلند آواز سے السلام علیکم کہتا ہے۔ وعلیکم السلام کی صدا سے کمرۂ عدالت گونج اٹھتا ہے۔ سلطان آگے بڑھ کر مدّعی کے ساتھ جا کھڑا ہوتا ہے۔ عدالت کی کارروائی شروع ہوتی ہے۔

ہندو امیر اپنا دعویٰ پیش کرتا ہے۔ "داس مہابلی کی عدالت میں انصاف کی بھیک لینے آیا ہے۔ مہاراج نے میرے بھائی کو مار ڈالا ہے۔ وہ نردوش تھا۔ بس مہاراج کا ذرا سا مجاز بگڑا اور اُس کی گردن اُتار دی۔"

"کیا مدّعی سچ کہتا ہے؟" قاضی، سلطان سے پُوچھتا ہے۔ اس کی آواز دبنگ بھی ہے اور پُروقار بھی۔

"جی ہاں مدّعی سچا ہے۔ ہماری تیغ جوہر دار نے اس ہندو بچّے کا خون ضرور پیا۔ مگر یہ اُس کا اپنا قصور تھا۔ ہمارے حکم کی تعمیل میں اس نے تاخیر کی تھی۔"

"کتنی تاخیر؟"

"بس ذرا سی۔"

"یہ بات تو کسی انسان کا خون حلال نہیں کر دیتی۔ انسان کی جان بہت گراں بہا ہے۔ ذمّیوں کی جان و مال کا ذمّہ تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خود لیا ہے۔ قیامت کے روز حضورؐ ان کی طرف سے مستغیث ہوں گے۔ سلطان

اپنی رعایا کی جان و مال اور آبرو کا امین ہے۔ اس امانت میں خیانت اُس کو دہرا مجرم بنا دیتی ہے۔ سلطان مدعی کو راضی کرے ورنہ ہم قصاص کا حکم جاری کر دیں گے۔" قاضی نے فیصلہ سنا دیا۔

عدالت میں ہیبت ناک سناٹا طاری ہو جاتا ہے۔ پھر سلطان کی آواز اُبھرتی ہے: "مجھے مدعی سے راضی نامہ کرنے کی مہلت دی جائے۔"

"ہاں ہم دس دن کی مہلت دیتے ہیں۔" قاضی درخواست منظور کر لیتا ہے اور سلطان سلام کر کے رخصت ہو جاتا ہے۔

عدالت کے فیصلے کی خبر آناً فاناً دارالحکومت میں پھیل گئی ہے۔ ہر جگہ قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں۔ لوگوں کا خیال ہے قاضی پر عتابِ سلطانی نازل ہوگا۔ سلطان اتنی بھاری گستاخی برداشت نہیں کرے گا۔ دس دن اسی انتظار اور افواہوں کی گہما گہمی میں گزر جاتے ہیں۔ گیارھویں روز مدعی عدالت میں حاضر ہو کر بتاتا ہے کہ سلطان سے راضی نامہ ہو گیا ہے۔ قاضی مقدمہ داخلِ دفتر کر دیتا ہے۔ اور تاریخ کے ایوان میں عدل و انصاف کی ایک اور زرّیں مثال قائم ہو جاتی ہے۔

تصوّف کی مہک

○

ایمان و توکّل

وہ بصرہ کے ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ چھوٹی سی تھیں کہ والدین کا سایہ سے اُٹھ گیا۔ ایک مرتبہ شہر میں قحط پڑا اور لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ بے شمار گھرانوں نے شہر چھوڑ دیا۔ اُن کی بہنیں بھی انہیں ساتھ لیے وہاں سے نکلیں۔ افراتفری کے عالم میں کسی نے ان کو پکڑ لیا اور کنیز بنا کر بیچ دیا۔ ان کا مالک ان سے گھر کا سارا کام کاج کرواتا۔

ایک روز رات گئے ان کے آقا کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھا کنیز سجدے میں پڑی گڑگڑا کر اللہ سے دعا مانگ رہی ہے: "اے میرے اللہ! میں بہت مجبور اور بے بس ہوں۔ گھر کے مشاغل کی وجہ سے میں تیری عبادت دلجمعی اور سکون کے ساتھ نہیں کر سکتی۔ میرے گناہ معاف فرما، میری معذرت قبول کر۔ رات کا وقت، ہُو کا عالم اور ایک کم سن لڑکی کی عبادت گزاری کا یہ ذوق و شوق۔ آقا بہت متاثر ہوا۔ اُس وقت انہیں آزاد کر دیا۔ اب انہیں عبادت کے سوا کوئی کام نہ تھا۔ فرض اور سنّت نمازوں کے علاوہ وہ ایک ہزار نفل دن رات میں ادا کرتیں۔ قرآن بھی حفظ کر لیا اور احادیثِ رسول پر بھی عبور حاصل تھا۔ زندگی میں کئی حج کیے۔ کسی کے آگے دستِ سوال دراز نہ کرتیں۔ بار ہا ایسا ہوا کہ کھانا

کھانے بیٹھیں۔ ناگہاں کسی سوالی کی آواز کانوں میں آئی۔ کھانا اُسے دے دیا اور خود بھوکی ہی رکوع و سجود میں مصروف ہوگئیں۔ یہ تھیں رابعہ بصریؒ۔ اپنے وقت کی بہت بڑی عارفہ اور ولیہ۔

حضرت رابعہؒ کی ایک بڑی خصوصیت ان کا اپنے اللہ کی ذات پر یقین اور توکل تھا۔ ایک مرتبہ ان کے ہاں بیک وقت دس مہمان آگئے۔ گھر میں صرف ایک روٹی تھی۔ اتنے میں دروازے پر ایک سوالی آگیا۔ خادمہ سے کہا وہ روٹی اسے دے دو۔ خادمہ کے لیے یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ حضرت رابعہؒ کا معمول تھا خود بھوکی رہتیں، مگر سائل کو خالی ہاتھ اپنے دروازے سے نہ لوٹاتیں۔ وہ حیران تھی اس پر کہ ان دس مہمانوں کا کیا بنے گا؟ خاصی دیر گزر گئی۔ حضرت رابعہؒ مصلے پر بیٹھی تھیں کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ خادمہ باہر ہوگئی۔ واپس آکر بتایا کہ ایک شخص کھانا لایا ہے۔ آپ نے پُوچھا کتنی روٹیاں ہیں؟ خادمہ نے کہا "دو" فرمایا "اُسے واپس کردو۔ یہ ہمارا کھانا نہیں"۔

تھوڑی دیر بعد خادمہ پھر حاضر ہوئی اور کہنے لگی "کوئی اور شخص کھانا لایا ہے"۔ دریافت کیا کتنی روٹیاں ہیں؟ خادمہ نے کہا "پانچ"۔ فرمایا "اسے بھی واپس کردو یہ ہمارا کھانا نہیں"۔

کچھ وقت اور گزر گیا۔ اب ایک تیسرے آدمی نے دستک دی۔ خادمہ نے آکر بتایا "ایک اور شخص کھانا لایا ہے۔" آپ نے پوچھا کتنی روٹیاں ہیں؟ جواب دیا گیارہ۔ فرمایا "ہاں یہ ہمارا کھانا ہے۔ لے آؤ۔" حضرت رابعہؒ نے دس روٹیاں دس مہمانوں کو دے دیں اور گیارہویں کے دو حصے کیے۔ ایک حصہ

خادمہ کو دے دیا اور دوسرا خود کھایا۔ خادمہ نے دریافت کیا "آپ کو کیسے پتہ چلا یہ ہمارا کھانا تھا اور وہ پہلے کھانے ہمارے نہ تھے؟"

فرمایا: "اللہ کا ارشاد ہے 'میں دنیا میں ایک کے بدلے دس اور آخرت میں ستر دوں گا۔' میں نے بھی ایک ایک روٹی سائل کو دے کر اس سے سودا کیا تھا۔ اللہ کا وعدہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ وہ پہلا آدمی دو روٹیاں لایا تو میں فوراً سمجھ گئی یہ کسی اور کا کھانا ہے ہمارا نہیں۔ پھر دوسرا آدمی پانچ روٹیاں لیکر آیا وہ بھی ہماری نہ تھیں۔ تیسری مرتبہ جب اللہ کے وعدے کے مطابق دس روٹیاں آئیں تو میری ایک روٹی کے عوض تھیں اور یہی ہماری تھیں جو اللہ میاں نے ہمیں واپس کرنا تھی۔"

ایک مرتبہ نماز پڑھتے پڑھتے رابعہ کی آنکھ لگ گئی۔ اتنے میں ایک چور آیا۔ رابعہ کے گھر میں مال و دولت تو تھی نہیں، ایک چادر ہاتھ لگی وہی لے کر چلتا بنا۔ دروازے کے قریب پہنچا تو اندھا ہو گیا۔ سامنے دیوار آئی ہوئی تھی۔ ادھر اُدھر دیکھا مگر دروازہ کہیں دکھائی نہ دیا۔ اُس نے چادر وہیں رکھ دی۔ دروازہ پھر سامنے نظر آ رہا تھا۔ چادر اٹھانے کے لیے جھکا تو آواز آئی "کیوں اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالتے ہو۔ اس گھر کی مالکن نے اپنے آپ کو اللہ کی نگہبانی میں دے رکھا ہے۔ وہ اگر سو رہی ہے تو اللہ تو جاگتا ہے۔"

بُرے اعمال اور نیکیاں

یہ ان دنوں کا قصہ ہے جب مالک بن دینار کی زندگی عیش و نشاط اور شراب و کباب سے عبارت تھی۔ آخرت کے حساب سے بھی وہ رات دن گناہوں میں ڈوبے

رہتے۔ ان کی ایک بچی تھی کوئی تین چار برس کی۔ مینا کی طرح پیاری پیاری باتیں کیا کرتی۔ مالک کو اس بچی سے بے حد محبت تھی۔ ایک روز وہ بیمار پڑی اور دیکھتے ہی دیکھتے داغِ جدائی دے گئی۔ مالک کو سخت صدمہ ہوا۔ کئی روز تک بچی کے غم میں رنجیدہ و دلگیر رہے۔ ایک رات سوئے تو بڑا دہشت ناک خواب دیکھا۔ یہ دیکھتے ہیں کہ قیامت قائم ہو چکی ہے اور وہ ایک وسیع و عریض میدان میں کھڑے ہیں۔ اچانک ایک خوفناک اژدہا نمودار ہوا اور ان کی طرف لپکا۔ دہشت سے بچنے کے لیے بھاگے۔ اژدہا بھی ان کے پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ دور ایک نحیف و نزار بوڑھا کھڑا دکھائی دیا۔ یہ دوڑ کر اس کے پاس پہنچے۔ "خدا کے لیے مجھے اس اژدہے سے بچاؤ۔" وہ چلائے۔ ان کی فریاد سن کر بیچارہ بوڑھا رو دیا۔ "میرے بھائی میں ضعیف و ناتواں ہوں۔ اتنی طاقت کہاں کہ تمہیں اس سے بچا سکوں۔ ہاں اُدھر قبلہ رُخ بھاگتے چلے جاؤ۔ شاید بچاؤ کی کوئی صورت نکل آئے۔"

یہ قبلہ رُخ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اژدہا بھی منہ پھاڑے ان کے پیچھے پیچھے تھا۔ جیسے آگ اگل رہا ہو۔ بھاگتے بھاگتے آگے خندق آ گئی اور مالک رک گئے۔ خوف کے مارے ان کی بُری حالت تھی۔ اژدہا قریب آتا جا رہا تھا۔ پھر خندق سے آواز آئی: "مالک پیچھے کی طرف دوڑو۔"

یہ پیچھے ہٹ کر ایک طرف ہو گئے۔ سامنے انہیں ایک اور بوڑھا دکھائی دیا۔ یہ بھاگتے ہوئے اُس کے پاس پہنچے۔ "اے مردِ خدا، مجھے اس آفت سے بچاؤ۔" وہ چلائے۔ بوڑھے کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ "میرے عزیز میں کمزور و ناتواں ہوں، اتنی طاقت کہاں! ہاں وہ جو پہاڑ سامنے نظر آ رہا ہے۔

اُس پر چڑھ جاؤ۔ وہاں مسلمانوں کی امانتیں ہیں۔ تمہاری بھی کوئی امانت وہاں ہوئی
تو وہ تمہیں اپنی حمایت میں لے کر اس اژدہے سے شاید بچا سکے۔"

مالک پہاڑ پر چڑھ گئے۔ پہاڑ چاندی کا تھا جس میں ہر طرف نہریں رواں
تھیں۔ ایک چوٹی پر ایک عالیشان قلعہ تھا۔ مالک اس کے دروازے پر پہنچے، تو
کسی نے پکار کر کہا: "دروازہ کھول دو شاید اس کی کوئی امانت یہاں ہو اور وہ
اسے دشمن سے بچا سکے۔"

دروازہ کھل گیا۔ مالک اندر داخل ہو گئے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ان کی بچی جو انتقال
کر گئی تھی ایک سبزہ زار میں کھیل رہی ہے۔ وہ انہیں دیکھتے ہی "ابا جان، ابا جان"
کہہ کر ان سے لپٹ گئی۔ مالک کے چہرے پر بدستور ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ بیٹی
نے پوچھا: "ابا خیر تو ہے، آپ بڑے خوفزدہ نظر آتے ہیں؟"

"بیٹی، وہ خونخوار اژدہا میرے پیچھے لگا ہوا ہے۔ سارے میدانِ محشر میں
دوڑاتا پھرا ہے۔ کوئی بھی میری مدد نہیں کرتا۔ خدا کے لیے مجھے اس سے بچاؤ۔"
لڑکی نے اژدہے کی طرف دیکھا جو پیچھے لگا چلا آ رہا تھا: "اے اژدہے تم
میرے باپ کو کیوں ستاتے ہو؟ خیر چاہتے ہو تو واپس چلے جاؤ ورنہ میں اپنے
قدرت سے زیر کرنے میں دیر نہیں کروں گی تو تمہیں مزا آ جائے گا۔" لڑکی کا یہ
کہنا تھا کہ اژدہا غائب ہو گیا۔

اب بچی نے مالک سے کہا:

"ابا جان! دنیا میں آپ کے مشاغل کیا ہیں؟ وہ نامراد شراب چھوڑی یا نہیں؟"
پھر اس نے قرآن کریم کی آیت پڑھی۔ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ

قُلُوبُہُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ" اباجان آپ جانتے ہیں یہ اژدہا کون تھا؟ یہ آپ کے بُرے اعمال تھے جو آپ کا پیچھا کر رہے تھے"۔

"اور وہ بوڑھے کون تھے بیٹی۔" مالکؒ نے پوچھا۔

وہ آپ کی نیکیاں تھیں۔ ضعیف و ناتواں نیکیاں، جن میں آپ کو بُرے اعمال کے ہولناک انجام سے بچانے کی سکت نہ تھی"۔

مالک بن دینارؒ کی آنکھ کھل گئی۔ اسی وقت اٹھے اور اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو گئے۔ رو رو کر اپنے گناہوں سے توبہ کی اور پھر جو زندگی کے شب و روز باقی رہے تھے، وہ عبادت میں گزارے۔ آج مالک کا شمار اُمت کے بڑے بڑے زاہدوں اور عابدوں میں ہوتا ہے۔

نفس کا بہکاوا

ابوبکر شبلیؒ کی مجلس میں کچھ لوگ جمع تھے۔ عبداللہ رازی آئے تو سب کی نظریں ان پر پڑ گئیں۔ ایک بڑا قیمتی جبہ پہن رکھا تھا۔ پتہ چلا کسی امیر نے عطا کیا ہے۔ ابوبکر نے اس وقت کلاہ پہن رکھی تھی۔ عبداللہ رازی نے ٹوپی پر نظر ڈالی اور دل میں کہا کاش یہ کلاہ میرے پاس ہوتی۔ میں اسے اس جبے کے ساتھ پہنتا تو کتنا شاندار دکھائی دیتا۔

شبلیؒ نے رازی کے چہرے سے دل میں اٹھنے والے خیالات پڑھ لیے مجلس برخاست ہوئی تو شبلیؒ اٹھے، رازی کا ہاتھ پکڑا۔ اپنے مکان پر لائے اور فرمایا "اپنا جبہ اتار دو۔" رازی نے تعمیل کی۔ شبلیؒ نے جبہ تہ کیا، پھر اپنی کلاہ اتار کر جبے پر رکھ دی اور دونوں کو جلتے تنور میں جھونک دیا۔ دونوں آن واحد میں جل کر

"میاں تم نے اسے ذبح نہیں کیا؟" جنیدؒ نے دریافت فرمایا۔
"حضرت آپ نے فرمایا تھا اس جانور کو ایسی جگہ ذبح کروں جہاں کوئی نہ دیکھے۔ میں جہاں بھی گیا ہستیٔ باری تعالیٰ کو حاضر موجود پایا۔ فرمائیے میں کہاں جا کر ذبح کرتا؟"

جنید بغدادیؒ نے اپنے مریدوں کے حلقے پر نظر ڈالی اور فرمایا: "تم لوگوں نے دیکھ لیا میں اس شخص کو تم سب سے زیادہ کیوں چاہتا ہوں۔"

ایک بار آپ نے کسی امام کے پیچھے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد امام نے پوچھا "آپ نہ تو کوئی کام کرتے ہیں نہ کسی سے کچھ لیتے ہیں پھر کھاتے کہاں سے ہیں؟"
فرمایا "پہلے مجھے نماز قضا ادا کر لینے دو ایسے شخص کی اقتدا میں نماز جائز نہیں جو روزی دینے والے کو نہیں جانتا۔"

روح کا انقلاب

ابو محمد حبیب عجمیؒ کا کاروبار پورے عروج پر تھا۔ معاشی بدحالی سے اچھے اچھے گھرانے فاقوں کا شکار ہو رہے تھے۔ ایسی حالت میں سودی کاروبار کرنے والوں کے وارے نیارے ہوتے ہیں۔ یہی حال حبیب کا تھا۔ اتنا بڑا ساہوکار پورے عراق میں کوئی نہ تھا۔ بھاری سود پر روپیہ دیتے اور قرض کا تقاضا بھی سخت کرتے۔ روزانہ ہر ایک کے یہاں جا دھمکتے اور جس سے جو لینا ہوتا لے کر چھوڑتے۔ اپنی آمدورفت کے مصارف بھی قرض داروں سے وصول کرتے۔ خلق خدا ان کے ہاتھوں نالاں تھی۔ مگر سود خوروں اور لوٹ کھسوٹ کرنے والوں کو دکھی اور مصیبت زدہ انسانوں کا خیال کب آیا ہے کہ انہیں آتا۔ سود کی روپے پر ہوں

سے ہماری جو مراد بنا لی تھی۔ اپنی دنیا میں ڈوبے ہوئے تھے کہ ایک عجیب واقعہ
رونما ہوا۔

ایک روز حبیب کسی کے ہاں تقاضا کرنے گئے۔ قرض دار گھر پر نہ تھا۔
البتہ اس کی بیوی موجود تھی۔ اس نے کہا: "میاں گھر پر نہیں اور نہ ہمارے
پاس کوئی پیسہ دھیلا ہے کہ ادا کیا جائے۔ ہاں ایک بکری ذبح کی تھی اس کی گردن
بچی ہے۔ چاہے تو لے جا سکتے ہو۔" کہنے لگے اچھا وہ گردن ہی دے دو۔
گردن لے کر گھر آئے اور کہا یہ سود میں ملی ہے اسے پکا لو۔ بیوی بولی "نہ آٹا
ہے نہ لکڑی۔" بولے "ٹھیرو ابھی یہ دونوں چیزیں بھی لائے دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر
گھر سے نکلے۔ قرض داروں کے پاس گئے اور ان سے لکڑی اور آٹا سود میں
لے آئے۔ بیوی نے گوشت پکایا۔ کھانا تیار ہو گیا اور کھانے کے لیے بیٹھے تو
باہر سے کسی سوالی کی آواز آئی "بھوکا ہوں کچھ کھانے کو مل جائے۔" دونوں بہان
میں بچہ ہوگا۔ دوسروں کے استحصال پر جینے والے لوگ ہمیشہ اپنے نفس کو
ترجیح دیتے ہیں۔ انہیں دوسروں کی بھوک کا احساس ہوتا ہے نہ پیاس کا۔
انسانی ہمدردی کا جذبہ اُن کے دل میں ہوتا، تو لوٹ کھسوٹ کرتے ہی کیوں؟
حبیب نے اندر ہی سے سائل کو جھڑک دیا اور وہ چلا گیا۔

بیوی نے ہنڈیا میں ڈوئی ڈال کر سالن نکالا، تو انگشت بدنداں رہ گئی۔
پتیلے میں سالن نہیں خون تھا۔ حیرت کے عالم میں شوہر کی طرف دیکھا اور چیخ
پڑی "یہ تمہاری سود خوری کا نتیجہ ہے۔" حبیب نے ہنڈیا دیکھی۔ وہ خون سے
بھری ہوئی تھی۔ آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ قلب کی گہرائیوں میں کوئی پکارا یہ وہ

سے نکلے کہ قرض داروں کے پاس جا کر اُن سے معافی مانگیں، ور سُود معاف کر
دیں۔ راستے میں ایک واقعہ اور پیش آیا جس نے قلب و رُوح کا رہا سہا میل کچیل
بھی صاف کر دیا۔ محلّے میں ایک جگہ بچّے کھیل رہے تھے۔ حبیب کو دیکھ کر
سب چلّانے لگے: "ہٹ جاؤ حبیب سُود خور آ رہا ہے۔ ہم پر اس کی گرد پڑ
گئی تو ہم بھی اس جیسے ہو جائیں گے۔" دل پر سخت چوٹ لگی موم کی طرح تو
وہ پہلے ہی پگھل چکا تھا، آنکھوں کے رستے پھر بہہ نکلا۔ قرض داروں کے پاس
جانے کے بجائے سیدھے حضرت حسن بصریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے
اور عرض کی اللہ کی بارگاہ میں دُعا فرمائیے میرے گناہ بخش دیے جائیں میں
آج سے سُودی لین دین سے توبہ کرتا ہوں۔ حسن بصریؒ نے دُعا فرمائی اور پھر
دیر تک پند و نصیحت کرتے رہے۔ وہاں سے نکلے تو اعلان کر دیا: مجھے لوگوں
سے جو کچھ لینا تھا وہ انہیں معاف کرتا ہوں۔ پھر ایک ایک کے گھر جا کر اُن کی
دستاویزیں واپس کر دیں۔ اس کام سے فارغ ہو کر گھر آئے اور جو کچھ مال و اسباب
جمع تھا سب اللہ کی راہ میں دے دیا۔

اب حبیب کے شب و روز ہی اور تھے۔ دن بھر حسن بصریؒ کی خدمت میں
حاضر رہتے۔ ان سے کتاب و سنّت کا علم اور معرفتِ الٰہی کے اسرار سیکھتے اور
رات عبادت میں بسر کرتے۔ گھر میں فاقوں تک نوبت آ جاتی مگر ہمیشہ اللہ پر
توکل کرتے۔ کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاتے۔ صرف ایک پوستین جسم پر ہوتی۔
ایک بار لوگوں نے کہا آپ دنیاوی معاملات سے الگ تھلگ ہو کر گوشے میں بیٹھ
گئے ہیں۔ بتائیے رضا کس چیز میں ہے۔ فرمایا: جس دل میں نفاق کا غبار

نہ ہو رضا اسی میں ہے۔

نفسِ طیّبہ کا حج

ایک شخص حضرت جنیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پوچھا: "کہاں سے آ رہے ہو؟" جواب ملا۔ "حج کر کے آ رہا ہوں"۔ دریافت کیا: "واقعی؟" جواب ملا۔ "جی ہاں"۔ فرمایا: "جس وقت تم حج کا ارادہ کر کے گھر سے نکلے تھے، کیا گناہوں کو ترک کر دینے کا عزم بھی کیا تھا؟" جواب تھا: "نہیں ایسا تو کوئی ارادہ نہیں کیا تھا"۔ فرمایا: "پھر تم حج کے لیے نکلے ہی نہ تھے"۔ پھر پوچھا: "دورانِ سفر جب تم منزل پر منزل طے کر رہے تھے، کیا مقاماتِ حق بھی ساتھ ساتھ طے کیے تھے؟" جواب ملا "نہیں"۔ فرمایا: "تو تم نے حج کی منزلیں طے نہیں کیں"۔ پھر دریافت کیا "جب تم نے روزمرّہ کا لباس اتار کر احرام باندھا تو کیا بشری صفات سے بھی مفارقت کی؟" جواب تھا: "نہیں"۔ ارشاد ہوا "تم نے احرام باندھا ہی نہیں"۔ پھر پوچھا "جب تم عرفات میں کھڑے ہوئے تو معرفتِ حق سے بھی بہرہ مند ہوئے؟" جواب ملا "نہیں"۔ فرمایا: "پھر تم نے عرفات میں وقوف کیا ہی نہیں"۔ پھر پوچھا: "جب تم مزدلفہ گئے تو اپنی نفسانی خواہشات سے ہمیشہ کے لیے دستکش ہو گئے تھے؟" جواب ملا "نہیں"۔ فرمایا "تم مزدلفہ گئے ہی نہیں"۔ دریافت کیا: "خانہ کعبہ کا طواف کرتے وقت جمالِ حق کا پرتو بھی دیکھا تھا یا نہیں؟" کہا "نہیں"۔ فرمایا "تم نے طوافِ کعبہ کیا ہی نہیں"۔ پھر پوچھا "صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے وقت اس کے مرتبہ و مقام کا ادراک بھی ہوا تھا؟" جواب دیا: "نہیں"۔ فرمایا "تم نے سعی بھی نہیں کی"۔ پھر ارشاد ہوا "منیٰ میں جب تم نے قربانی دی تو

اس کے ساتھ اپنی نفسانی خواہشات کو بھی قربان کیا تھا؟" جواب دیا "نہیں" فرمایا: "تم نے قربانی بھی نہیں کی"۔ پھر دریافت کیا "جب تم نے سنگ ریزے پھینکے تو نفسِ امّارہ اور ہوا و ہوس کو بھی کچلا تھا یا نہیں؟" جواب دیا "نہیں" فرمایا: "تم نے سنگریزے بھی نہیں پھینکے" پھر ارشاد ہوا "تم نے حج کے آداب و شرائط کو ملحوظ ہی نہیں رکھا۔ واپس جاؤ اور ان آداب و شرائط کے ساتھ فریضۂ حج ادا کرو۔"

کلامِ درویش کی تاثیر

نیل۔ عظیم اور باشکوہ نیل بہہ رہا تھا۔ سورج مغربی اُفق سے جا لگا تھا اور اُس کی سنہری کرنیں سونا بکھیر رہی تھیں۔ دریا کے کنارے دُور تک پھیلے ہوئے باغوں سے آنے والی عطر بیز ہوا بے حد رُوح پرور تھی۔ ایک بڑا ہجوم سیر و تفریح کے لیے جمع تھا۔ کچھ لوگ ڈونگیوں میں سوار سیرِ دریا سے محظوظ ہو رہے تھے۔ اپنے عہد کے بہت بڑے عارف باللہ ذوالنون مصری اپنے چند ارادتمند دل کی رفاقت میں کہیں جا رہے تھے۔ اچانک ایک کشتی ان کے قریب سے گزری۔ کشتی کے مسافر رنگ رلیوں میں مصروف تھے اور جام و سبو سے کھیل رہے تھے ساتھ ہی ساتھ ہنسی مذاق بھی کرتے جاتے تھے۔ ارادت مندوں نے انہیں دیکھا اور عرض کیا: "شیخ! ان کے لیے بددُعا کیجیے۔ اللہ ان سب کو غرق کر دے اور مخلوقِ خدا ان کی نحوست سے محفوظ ہو جائے۔"

ذوالنون قبلہ رُخ کھڑے ہو گئے اور ہاتھ اُٹھا کر دعا کی: "اے اللہ تو نے ان لوگوں کو جس طرح دنیا میں خوشی عطا کی ہے، آخرت میں بھی خوش رہنے کی

توفیق عنایت کر۔"

ارادت مند یہ دُعا سن کر بے حد متعجب ہوئے، لیکن دیکھتے ہی دیکھتے کشتی والوں کی عجیب حالت ہوگئی۔ چیخ چیخ کر رونے لگے، سامانِ لہو ولعب توڑ ڈالا، رندی و سرمستی کی زندگی سے سچی توبہ کی اور اپنے اللہ کے آگے جھک گئے۔ "دیکھا، ان لوگوں کے لیے دونوں جہان کا عیش ان کی توبہ تھی اور اس کے ذریعے ان کی مراد پوری ہوگئی۔" حضرت ذوالنّون نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا۔ [illegible] پھر اپنی منزل کی طرف رواں تھا خاموش و باوقار۔ ایک مردِ مومن کے کلامِ شفقت آمیز نے کئی انسانی زندگیوں کا رُخ بدل ڈالا تھا۔

تربیت کے اندازِ جمیل

نوجوان درویش مکہ معظمہ کی راہ پر جا رہا تھا۔ آگے آگے ایک خدارسیدہ بزرگ بھی چلے جاتے تھے۔ وہ لپک کر ان کے قریب پہنچا اور جب اسے پتہ چلا کہ یہ بزرگ ابراہیم خواصؒ ہیں تو بہت خوش ہوا۔ عرض کی: "یا شیخ، کیا آپ مجھے اپنی رفاقت کی سعادت سے نوازیں گے؟"

رفاقت کے لیے ایک امیر اور ایک فرمانبردار کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم امیر بننا چاہتے ہو یا فرمانبردار؟ یا تو خود امیر بنو یا مجھے بنا دو۔ شیخ نے جواب دیا۔

"حضرت آپ امیر بن گئے اور میں آپ کا فرمانبردار" نوجوان نے کہا۔

"بہت خوب، مگر دیکھو میری حکم عدولی جائز نہ ہوگی" ابراہیم خواصؒ نے ہدایت کی۔

دونوں چل کھڑے ہوئے۔ دورانِ سفر میں جب بھی کسی منزل پر پہنچتے۔

میں ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں سانپوں کی کثرت تھی۔ ابراہیم خواصؒ نے اپنی ڈولچی وہاں رکھ دی اور بیٹھ گئے۔ ہم سفر بھی وہیں بیٹھ گئے۔ رات کے وقت سرد ہوا چلنے سے خاصی ٹھنڈ ہو گئی اور بہت سے سانپ نکل آئے۔ ایک ساتھی نے شیخ کو آواز دی۔ انہوں نے جواب دیا "اللہ کو یاد کرو"۔ اُس نے ذکرِ الٰہی شروع کر دیا اور سانپ چلے گئے، مگر کچھ دیر کے بعد پھر آدھمکے۔ وہ پھر شیخ کو پکارا۔ انہوں نے پھر وہی جواب دیا۔ صبح تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ علی الصبح روانہ ہو گئے۔ شیخ بھی ساتھ تھے۔ اتفاق سے شیخ کے بستر سے ایک بڑا سانپ گرا۔ ایک ساتھی نے پوچھا:

"آپ نے بستر میں اتنے بڑے سانپ کو نہیں دیکھا تھا؟"

فرمایا: "بڑی مدّت کے بعد مجھے آج ہی نیند آئی تھی۔"

تقربِ الٰہی کا طریقہ

ابو مسلم فارس بن غالب، شیخ ابو سعید ابو الخیر فضل اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو دم بخود رہ گئے۔ وہ تو شیخ کی درویشی اور خدا رسیدگی کا چرچا سُن کر اُن سے فیض یاب ہونے آئے تھے، لیکن یہاں تو عالم ہی دوسرا تھا۔ شیخ ابو سعید ایک مسند پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ ایک پاؤں اپنی دوسری ٹانگ پر بڑی تمکنت سے [illegible] ہوا تھا۔ لباس عمدہ اور برف کی طرح سفید تھا اور ایک بیش قیمت مصری چادر اوڑھ رکھی تھی۔ اُدھر ابو مسلم کا یہ حال کہ بہت معمولی کپڑے بدن پر تھے اور وہ بھی میلے کچیلے۔ جسم مجاہدے سے دُبلا پتلا اور رنگ زرد ہو رہا تھا۔ دل میں بیزاری کے [illegible] پیدا ہوئے۔ اپنے آپ سے کہنے لگے: "میں بھی درویش ہوں اور یہ بھی درویش ہے۔ میں ریاضت اور مجاہدے سے پگھلا جاتا ہوں اور یہ بڑے عیش

اور آرام سے زندگی بسر کر رہا ہے۔

شاید چہرے نے دل کے جذبات کی غمازی کی۔ ابوسعید بھانپ گئے فرمایا:

"ابومسلم! تم نے کس کتاب میں لکھا دیکھا ہے کہ صاف ستھرا رہنا، اچھی غذا کھانا اور عمدہ لباس پہننا شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے؟ اور یہ کہاں لکھا ہے کہ عمدہ لباس پہننے اور خوشحالی کی زندگی بسر کرنے والا درویش کہلانے کا مستحق نہیں؟ جب میں نے اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکریہ ادا کیا اور دامنِ طاعت ہاتھ سے نہ چھوڑا تو خدا نے مجھے تخت پر بٹھایا اور مزید نعمتیں عطا کیں۔ لیکن جب تم نے محض اپنے آپ کو دیکھا اور رہبانیت اختیار کر کے اللہ سے اس کی جائز نعمتیں بھی طلب نہ کیں تو فرشِ خاک پر بیٹھنے اور میلے کچیلے کپڑے پہننے کے سوا تمہیں کچھ نصیب نہ ہوا۔ ہمارے حصے میں مشاہدہ آیا اور تمہارے حصے میں مجاہدہ، لیکن مشاہدہ مجاہدے سے بہت بلند چیز ہے۔"

ابومسلم خاموش بیٹھے سن رہے تھے۔ شرم و ندامت سے ان کا سر جھک گیا تھا۔ انہیں زندگی میں پہلی بار محسوس ہوا کہ کسی شخص کے ظاہر کو دیکھ کر اُس کے باطن کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ خدا کا تقرب، رہبانیت کی زندگی بسر کرنے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اپنے جسم و رُوح اور اہل و عیال کے تقاضے اور اللہ اور اُس کے بندوں کے حقوق پورے کرنے سے ملتا ہے۔

درویشی کی قیمت

بلخ کے بادشاہ ابراہیم بن ادہم کی جاہ و حشمت کے قصے دُور دُور تک پھیلے ہوئے تھے۔ بڑے عالی شان محل میں رہتے اور اطلس و کمخواب کی پوشاک زیب تن

"اس سے پہلے؟"

"پردادا۔"

فقیر نے کئی پشتوں تک یہی سوال کیا۔ پھر پوچھا "تمہارے بعد یہاں کون رہے گا؟"

"میری اولاد"

"ابراہیم" فقیر نے کہا اس کی آواز میں ہیبت و جلال کی گونج تھی: "ذرا سوچو جس مقام پر ایک آتا ہے ایک جاتا ہے، جب تم چلے جاؤ گے تو کوئی اور آجائے گا، کسی کا مستقل قیام نہیں، وہ مقام سرائے نہیں تو اور کیا ہے؟"

فقیر نے اپنی بات ختم کی اور باہر آگیا۔ ابراہیم ادہم اس کے پیچھے دوڑے مگر دروازے پر پہنچے تو دیکھا دُور دُور تک کوئی آدم ہے نہ آدم زاد۔ دل کی دنیا تہہ وبالا ہوگئی اور پھر ان کے ذہن میں رات کا واقعہ ابھر آیا۔ وہ اپنے محل میں محوِ خواب تھے۔ اچانک آنکھ کھل گئی۔ معلوم ہوا کوئی شخص چھت پر چل پھر رہا ہے۔ پوچھا: "کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"آپ کا دوست ہوں اور اپنا اونٹ تلاش کر رہا ہوں۔" اجنبی نے جواب دیا۔

"اونٹ!" انہوں نے حیرت سے کہا: "بھلے آدمی شاہی محل کی چھتوں پر اونٹ آجائیں کہیں ممکن ہے؟"

اجنبی مسکرایا۔ "اونٹوں کا شاہی محل کی چھتوں پر آنا ممکن نہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اطلس و کمخواب پہن کر اور عیش و عشرت کے جھولے جھول کر خدا مل جائے؟"

اس جواب پر وہ دیر تک گم صُم اپنے آپ میں کھوئے کھڑے رہے اور جب

خیالات کی دنیا سے اُبھرے تو وہ شخص غائب تھا۔

ان پے در پے واقعات نے ابراہیم ادہم کو گویا جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ سارا دن انہوں نے سخت بے چینی میں گزارا۔ سکونِ دل مٹ چکا تھا۔ چین آتا بھی تو کیسے ؟ آخر حکم دیا گھوڑا تیار کرو ہم ذرا ہوا خوری کو جائیں گے۔ خدام نے تعمیلِ حکم کی۔ ابراہیم گھوڑے پر بیٹھے اور تن تنہا جنگل کی طرف روانہ ہو گئے۔ خیالات میں مستغرق چلے جا رہے تھے کہ ایک آواز سنائی دی: "ابراہیم اس سے پہلے کہ موت تمہاری آنکھیں کھولے، جاگو اور جس زندگی میں ڈوب کر تم سمجھتے ہو کہ خدا مل جائے گا اس سے دامن کش ہو جاؤ"! ابراہیم نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ ایک ہُو کا عالم طاری تھا ان کی اپنی ذات کے سوا دُور دُور تک کوئی انسان دکھائی نہ دیتا تھا۔ شاید ان کی فطرت میں گندھی ہوئی نیکی کی آواز تھی جو پچھلے واقعات سے بلند آہنگ ہو گئی تھی۔ دل میں بیٹھا ہوا خوف اور دُنیاوی زندگی سے نفرت دو چند ہو گئی۔ اسی وقت تخت و تاج کو لات ماری، فقیرانہ لباس پہنا اور شہر سے نکل گئے۔

لوگوں نے تختِ اقتدار حاصل کرنے کے لیے اخلاق اور دین ہر چیز کو تجتے اکثر دیکھا ہے لیکن دین کی خاطر اقتدار کو لات مارنے والے لوگ بہت کم نظر آتے ہیں۔ درویشی کا یہ سودا اگرچہ خاصا مہنگا تھا لیکن ابراہیم بن ادہم اسے بڑا سستا سمجھتے۔ ایک مرتبہ ایک درویش آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور لگا اپنی مفلسی کی شکایت کرنے۔ ابراہیم ادہم نے فرمایا:

"معلوم ہوتا ہے تم نے درویشی مفت میں حاصل کی ہے"۔

"کیا درویشی خریدی بھی جا سکتی ہے؟" درویش نے پوچھا۔
ہاں میں نے درویشی بلخ کے تخت و تاج کے بدلے میں خریدی ہے
اور سمجھتا ہوں ارزاں خریدی ہے۔"
ایک بار ایک عقیدت مند نے ہزار درہم بطورِ نذر پیش کیے اور عرض کی
قبول فرمائیے۔ "میں محتاجوں سے کچھ نہیں لیا کرتا۔" آپ نے جواب دیا۔
"میں محتاج نہیں، دولت مند ہوں۔" اُس نے کہا۔
"کیا تو اپنی دولت میں اضافے کا خواہش مند نہیں؟"
"ضرور ہوں۔"
"تو پھر اپنا روپیہ اُٹھا لو تم تو محتاجوں کے سردار ہو۔"
ایک بار لوگوں نے پوچھا "آپ اپنی زندگی کیسے بسر کرتے ہیں؟"
فرمایا: "میرے پاس چار سواریاں ہیں۔ جب مجھ پر کوئی سختی آتی ہے
تو شکر کی سواری پر بیٹھ جاتا ہوں۔ جب طاعت کی سعادت حاصل ہوتی
ہے تو اخلاص کی سواری اختیار کرتا ہوں۔ گناہ سرزد ہوتا ہے تو توبہ کی سواری کام
میں لاتا ہوں اور جب کوئی ابتلا نازل ہوتی ہے تو صبر کی سواری سے کام لیتا ہوں۔

سفرِ حیات کی تمثیل

بشر حافی شراب کے نشے میں دُھت چلے جا رہے تھے۔ اچانک ان کی نظر
کاغذ کے ایک پُرزے پر پڑی جس پر بسم اللہ لکھا ہوا تھا۔ "اللہ کا نام اور زمین
پر پڑا ہے۔" انہوں نے دل میں کہا اور فوراً کاغذ اُٹھا لیا۔ اُسے چوما، آنکھوں
سے لگایا، پھر کہا: "میرے مالک و محسن اور رحیم و کریم کا نام مبارک ہے اور

اس طرح سرِ راہ پڑا تھا۔" دو درہم کا عطر خریدا، کاغذ کو معطّر کیا اور اپنے عمامے میں رکھ لیا۔

اسی رات کو حضرت حسن بصریؒ نے خواب میں دیکھا، ہاتفِ غیب کہہ رہا تھا۔

"حسن، جاؤ بشر سے کہہ دو، تم نے اللہ کے نام کی تعظیم و تکریم کی، اللہ تمہارے مدارج بلند کرے گا۔ تم نے اسے گرد و غبار سے پاک کر کے مقام بلند پر رکھا ہے، اللہ تمہیں گرد و غبار سے پاک کر کے تمہارے نام کو بلند کرے گا۔"

صبح حسن بصری بشر کے گھر تشریف لے گئے۔ بشر بڑے حیران ہوئے اور آگے بڑھ کر عرض کی:

"حضرت مجھ گناہگار کا گھر اور آپ کی تشریف آوری!"

حضرت حسن بصریؒ نے کہا: "بشر اللہ نے تیرے اس فعل کو قبول کر لیا ہے۔"

بس اتنا سننا تھا کہ بشر کی چیخ نکلی اور زمین پر ماہیِ بے آب کی طرح تڑپنے لگے "اے اللہ، مجھ گناہگار کی یہ سرکشی اور تیری یہ غفاری۔" وہ بار بار کہہ رہے تھے۔ حتیٰ کہ روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آئے تو رنگ ہی اور تھا۔ اپنا سارا مال و اسباب اللہ کی راہ میں لٹا دیا اور پھر اتنے بڑے بزرگ ہوئے کہ احمد بن حنبلؒ جیسے بلند مرتبت امام بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔

زندگی کی حقیقتوں پر اُن کی نظر بہت گہری تھی اور انہیں مخاطب کے دل میں بڑی خوبی کے ساتھ جاگزیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ

نہیں جو رہے تھے، ساتھی کو پیاس لگی، اُس نے کہا: "شیخ اس کنوئیں سے پانی پی لیں۔" فرمایا: "اگلے کنوئیں سے پی لیں گے۔" جب وہ کنواں آیا تو بشر نے اگلے کنوئیں کی نشاندہی کی اور فرمایا کہ وہاں تک صبر کرو۔ اسی طرح تسلّی دیتے ہوئے بہت دُور لے آئے۔ پھر فرمایا: "میرے بھائی، اسی طرح دنیا کا سفر طے ہو جاتا ہے۔"

نیکی کا غلط تصوّر

احمد حماد سرخسی ایک جنگل میں رہا کرتے تھے، اُونٹوں کا ایک بہت بڑا گلہ اُن کے پاس تھا۔ زندگی کا رنگ عام دنیاداروں کا سا تھا۔ بڑے مہمان نواز تھے۔ بارہا ایسا ہوا کہ اُن کے اُونٹ دُور چراگاہوں میں ہوتے اور کوئی مہمان پاس فرآجاتا، تو احمد خود بھوکا رہ کر اس کی خاطر تواضع کرتے۔ شیخ اپنی اس نیکی پر بڑے خوش ہوتے اور اُسے نجاتِ آخرت کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھتے۔ ایک دن شیر آیا اور اُن کا ایک اُونٹ ہلاک کر کے پہاڑی پر جا بیٹھا۔ پھر زور زور سے دہاڑنے لگا۔ اُس کی دہاڑ جو نہی جنگل میں گونجی، احمد نے حیرت سے دیکھا کہ گرد و نواح کے درندے، لومڑیاں، گیدڑ، اور بھیڑیے وغیرہ چلے آرہے ہیں۔ شیر نیچے اُترا اور اُونٹ کو چیر پھاڑ کر واپس چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی سارے جانور اُونٹ کے گوشت پر ٹوٹ پڑے اور جب خوب سیر ہو کر کھا چکے تو جس طرف سے آئے تھے اُدھر چلے گئے۔ اب شیر پہاڑی سے اُترا تاکہ خود بھی کچھ کھا لے۔ اتنے میں ایک لومڑی آتی دکھائی دی۔ وہ لنگڑا کر چل رہی تھی۔ شیر پھر پہاڑی پر جا بیٹھا۔ لنگڑی لومڑی پیٹ بھر چکی تو شیر آیا اور بچا کھچا گوشت کھانے لگا۔

احمد یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ اچانک دل و دماغ پر پڑے ہوئے پردے

چاک ہو گئے۔ انہیں یوں محسوس ہوا جیسے شیر کو زبان مل گئی ہے اور وہ کہہ رہا ہے:

"لقموں کا ایثار بھی کوئی ایثار ہے؟ اور یہ بھی کوئی ایسی نیکی ہے جس پر فخر کیا جائے۔ ایسا ایثار تو جانور بھی کر سکتے ہیں، تُو تو انسان ہے، تجھے چاہیے کہ اپنے ایثار میں انسانیت کا ثبوت دے۔"

احمد پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی اور پھر جب وہ سنبھلے تو شیر جا چکا تھا۔ انہوں نے دنیادارانہ مشاغل سے توبہ کی، نیکی کے غلط تصوّر کو خیرباد کہا اور اپنی پوری زندگی حق کی اطاعت میں دے دی۔

حق تعالیٰ کی نوازشیں

علی بن مُوَفّق ایک بہت بڑے بزرگ ہیں۔ حج کے زمانے میں منیٰ میں مقیم تھے۔ نویں شب تھی، خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے آپس میں محوِ گفتگو ہیں۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا "اب کی بار کتنے حاجی آئے؟" جواب ملا "چھ لاکھ"۔ پھر پوچھا "حجِ مقبول کی سعادت کتنوں کے حصے میں آئی؟" جواب دیا "صرف چھ کے"۔ خوف و دہشت سے علی کی آنکھ کھل گئی۔ دل ہی دل میں کہنے لگے: مجھ فرومایہ اور تیرہ قسمت کا شمار ان چھ خوش نصیبوں میں کہاں ہوگا۔ شاید ساری محنت و مشقت اور دوڑ دھوپ رائگاں گئی۔ دسویں شب عرفات سے واپسی کے بعد خواب میں پھر وہی دونوں فرشتے نظر آئے۔ ایک نے پوچھا: "حجِ مقبول بس چھ کا ہوا؟" دوسرے نے جواب دیا: "ان چھ کے طفیل پورے چھ لاکھ کے حج مقبول ہو گئے"۔ علیؒ کی آنکھ کھل گئی ان کی زبان پر حق تعالیٰ کی نوازشوں اور رحمتوں کا ترانہ جاری ہو گیا۔

محاسبۂ نفس

راہِ سلوک کی منزلیں بڑی کٹھن ہوتی ہیں۔ قدم قدم پر رنج و مشقت اٹھانا اور دردر کی خاک چھاننا پڑتی ہے۔ اہلِ حق و عزیمت نے ساری صعوبتیں اور شنتیں خندہ پیشانی اور صبر و شکر سے اٹھائی ہیں۔ نفس کا احتساب اُن کی سب سے بڑی خصوصیت ہوتی ہے۔ ذرا ذرا سی غلطیوں کی کھٹک انہیں زندگی بھر اس طرح بے چین رکھتی ہے جیسے کوئی انگارہ جسم کے ساتھ چمٹ گیا ہو۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ ایسی ہی منزلوں سے گزرتے ہوئے سیاحت کے دوران شام کے ایک شہر میں پہنچتے ہیں۔ پتہ چلتا ہے یہاں کچھ فاصلے پر ایک غار ہے جہاں ایک مردِ خدا شب دروز اپنے رب کی حضوری میں کاٹ رہے ہیں۔ خواجہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ بزرگ ہڈیوں کی مالا پہنے، آنکھیں بند کیے، اپنی دنیا میں گُم اپنے رب سے لو لگائے بیٹھے ہیں۔ آنکھوں سے اشک رواں ہیں اور غار میں ایک عجیب پُر ہیبت سناٹا طاری ہے۔ خواجہ صاحب بلند آواز سے سلام کہتے ہیں۔ بزرگ آنکھیں کھولتے ہیں۔ ایک نظر خواجہ صاحب پر ڈالتے ہیں اور جواب دیتے ہیں "وعلیکم السلام"۔ حضرت خواجہ ان کے سامنے زانوئے ادب تہہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔ ذرا دیر خاموشی رہتی ہے، پھر بزرگ فرماتے ہیں:

"کہاں سے آنا ہوا؟"

"بغداد سے آرہا ہوں"۔ حضرت خواجہ جواب دیتے ہیں۔

"خوب آئے"۔ بزرگ فرماتے ہیں۔ "لیکن مناسب یہ ہے کہ آدمی زندگی سے الگ نہ ہو، خلقِ خدا کے ساتھ تعلق قائم رکھے اور درویشوں کی خدمت

کرتا رہے کہ ذوقِ درویشی اسی طرح حاصل ہوتا ہے۔"

"اے مردِ خدا! کچھ وصیت فرمائیے۔" حضرت خواجہ عرض کرتے ہیں۔

"وصیت ؟" بزرگ کہتے ہیں۔ "ہاں دیکھو عزیز! میں اس غار میں کئی سال سے ڈیرہ ڈالے ہوئے ہوں۔ دنیا بھر سے دامن جھاڑ کر یہاں آ چھپا ہوں، مگر دل پھر بھی پوری طرح مطمئن نہیں۔ ایک بات سے تو ایسا ڈرتا ہوں کہ رات دن روتے گزرتے ہیں۔"

"حضرت! وہ کون سی بات ہے ؟" خواجہ صاحب دریافت کرتے ہیں۔

"نماز۔" بزرگ فرماتے ہیں۔ آنکھوں کی شمعیں فروزاں ہو کر پگھلنے لگتی ہیں۔ کچھ دیر چپ رہتے ہیں، پھر کہتے ہیں "جب بھی نماز پڑھتا ہوں یہی خوف رہتا ہے کہیں فروگذاشت نہ ہو گئی ہو اور ساری محنت پر پانی نہ پھر گیا ہو۔ قیامت کے روز یہی نماز عتابِ خداوندی کا موجب بن گئی تو کیا ہوگا؟ بس یہی بات مجھے شب و روز تڑپاتی اور رلاتی ہے۔"

بزرگ کی زبان میں کچھ ایسی تاثیر ہے کہ حضرت خواجہؒ کا دل موم ہو جاتا ہے اور آنکھوں کے سوتے بہہ نکلتے ہیں۔ اپنی پوری سیاحت میں انھیں پہلی بار نماز کی حقیقی اہمیت کا احساس ہوتا ہے۔ انھیں اب تک پڑھی ہوئی نمازیں بے مایہ نظر آتی ہیں۔ پھر وہ چپ چاپ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور سلام کہہ کر رخصت ہو جاتے ہیں۔ اس حاضری کے بعد وہ پہلی نماز پڑھتے ہیں تو دل کا عجب عالم ہوتا ہے اور زندگی میں پہلی بار رکوع و سجود اور قیام و قعود میں وہ لذت حاصل ہوتی ہے کہ جس سے اب تک ناآشنا رہے تھے۔

اُٹھتا۔ مگر پھر یوں محسوس ہوتا جیسے کوئی صبر کی تلقین کر رہا ہے اور کہتا ہے یہی تو انبیاء اور اولیاء کی عظیم الشان سُنت ہے۔ کوئی دُکھ دے تو انسان نہایت صبر کے ساتھ اُسے برداشت کرے۔ اور پھر ان کا دل فرحت و انبساط سے معمور ہو گیا۔ ان کی اُلجھن دُور ہو گئی اور وہ راز منکشف ہو گیا جس کے لیے وہ یک عرصے سے بے چین چلے آتے تھے۔ وہ علی الصبح اُٹھے اور اپنے وطن کی طرف روانہ ہو گئے۔ نو دریافت شدہ راز ان کی زبان پر تھا۔ وہ کہہ رہے تھے: "اب میں سمجھا ش رِخ طریقت جاہلوں کی سختیاں کیوں سہتے چلے آتے ہیں۔"

بارِ ناخوشگوار

حضرت مخدوم الملک خواجہ شرف الدین یحییٰ منیری کی درویشی اور زہد و تقویٰ کا چرچا گل و یاسمن کی خوشبو کی طرح دُور دُور تک پھیلا ہوا ہے۔ بڑے ہی متبع سنت حق گو اور خادم خلق ہیں۔ ایک دنیا ان سے فیض حاصل کرنے ان کے آستانے کی طرف چلی آتی ہے۔ سلطان محمد تغلق کے کانوں میں یہ چرچا پہنچتا ہے۔ ایک فرمان بہار کے گورنر مجد الملک کے نام جاری کرتا ہے کہ حضرت مخدوم الملک کے لیے ایک خانقاہ تعمیر کر دی جائے اور اس کے لیے راجگیر کا پرگنہ انہیں بطور جاگیر حوالے کیا جائے۔ وہ اگر قبول نہ کریں تو زبردستی دیا جائے۔ مجد الملک فرمان پر عمل کرتا ہے۔ حضرت مخدوم الملک ہر چند انکار کرتے ہیں، لیکن سلطان کا تقاضا بڑا سخت ہے۔ سلطان کی پیشکش ناگواری کے عالم میں قبول کرنا پڑتی ہے۔ خانقاہ کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے۔ سلطان نے اس کے لیے اپنی طرف سے بخاری مصلّے بھیجا ہے۔ سرکاری اہتمام میں افتتاح ہوتا ہے۔ حضرت مخدوم الملک مصلّے پر جلوہ افروز کیے جاتے

ہیں۔ مگر وہ بہت مضطرب ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں: "میں تو اسلام ہی کے لائق نہیں کہاں یہ کہ مصلّے کے لائق ہوں"۔

مجلس کا ایک درویش پکار اٹھتا ہے "مخدوم! آپ کو خانقاہ اور مصلّے کی وجہ سے کون جانتا ہے؟ ہم لوگ تو یہاں آپ کی روحانی قوت کی بدولت جمع ہوئے ہیں۔ آپ کی برکت سے اس دیار میں اسلام پھیلے گا اور قوت و سطوت پکڑے گا"۔

درویش کی بات پوری ہوتی ہے حضرت مخدوم الملک کے فیوض و برکات سے ایک دنیا اپنا دامن بھر رہی ہے۔ خانقاہ میں طریقت کے ساتھ ساتھ علمی مجالس بھی منعقد ہوتی ہیں، جن میں علما اور محدثین شریک ہوتے ہیں۔ مختلف مسائل پر گفتگو ہوتی ہے حضرت مخدوم الملک ہر مسئلہ وضاحت سے بیان کرتے ہیں اور مجلس کے ذوق و شوق کا یہ عالم کہ وہ کہیں اور سنا کرے کوئی۔ بایں ہمہ مخدوم الملک جاگیر کو ایک بار محسوس کرتے ہیں۔ یوں لگتا ہے اُن کی رُوح کسی بھاری پتھر تلے کچلی جا رہی ہے۔ اس احساس سے اکثر رات کو نیند نہیں آتی۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس بوجھ میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ پھر ایک روز خبر آتی ہے سلطان محمد تغلق کا انتقال ہو گیا ہے، اور فیروز شاہ تخت نشین ہوا ہے۔ مخدوم الملک دہلی کا قصد کرتے ہیں۔ اہلِ خانقاہ حیران ہیں۔ محمد تغلق جب تک زندہ رہا، حضرت خواجہ کبھی دہلی کا ذکر تک زبان پر نہ لائے۔ سلطان کی طرف سے ایک آدھ بار اشارہ بھی ہوا۔ لیکن انہوں نے درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ مخدوم الملک اور فیروز شاہ کے دربار میں جائیں بات ہی حیران کُن تھی!

دہلی پہنچتے ہیں تو دربار ہی بھی دم بخود رہ جاتے ہیں۔ خیال ہوتا ہے شاید

"فقیرِ بے نوا کو درہم و دینار کی کیا فکر۔ وہ جس کے پاس دو جہاں کے خزانوں کی کنجیاں ہیں وہ خود مصارف کا انتظام کرے گا۔"

"حضرت! آپ نے خلد آشیاں سلطان کی نیاز مندانہ عقیدت کو شرفِ قبولیت بخشا تھا، ہمیں بھی اس سعادت سے نواز یے۔"

"سلطان مرحوم کی نیاز مندانہ عقیدت ....!" مخدوم الملک زیرِ لب کہتے ہیں، پھر فرماتے ہیں: "فقیر کو نیاز مندیوں سے کیا واسطہ.... سلطان اس کو اس جنجال سے معاف ہی رکھیں...."

مخدوم الملک انکار کرتے ہیں اور سلطان اصرار۔ آخر پے بہ پے اصرار غالب آتا ہے۔ حضرت مخدوم، سلطان کی پیش کردہ خطیر رقم قبول کر لیتے ہیں، لیکن شاہی دربار سے نکلتے ہی ایک ایک کوڑی فقیروں اور مسکینوں میں بانٹ دیتے ہیں۔ شاہی انعامات کا وہ بوجھ جس کے تلے وہ محمد تغلق کے پورے عہد میں پستے رہے تھے، اُن کے سر سے اُتر گیا ہے اور وہ ہلکے پھلکے دل و دماغ کے ساتھ شاداں و فرحاں اپنے وطن کی راہ پر رواں ہیں۔

عارفانِ حق

○

واعظِ شیریں بیاں

یہ بلال بن سعدؒ ہیں۔ تابعین میں سے ایک۔ اپنے وقت کے بہترین واعظ۔ امام اوزاعیؒ کا ارشاد ہے: میں نے بلال بن سعدؒ سے بڑھ کر کوئی واعظ نہیں دیکھا۔ بڑے ہی فصیح و بلیغ۔ زبان کی شیرینی فصاحت و بلاغت کے ساتھ مل کر سننے والوں کا دل موہ لیتی ہے۔ دل موم کر دینے والا سوز و گداز اور قلب کی گہرائیوں میں اُتر جانے والی تاثیر اس پر مستزاد۔ بلال کا وعظ سننے کی خاطر ایک دنیا امڈی پڑتی ہے۔ سنیے کیا کہہ رہے ہیں:

اللہ کے بندو! ہم سے پوچھا جاتا ہے کیا تم مرنا پسند کرتے ہو؟ ہم جواب دیتے ہیں نہیں۔ سوال ہوتا ہے کیوں؟ ہم کہتے ہیں: اس لیے کہ کچھ اعمال اپنے نامۂ زندگی میں لکھ لیں۔ سوچتے ہیں ہم بہت جلد عمل شروع کر دیں گے۔ لیکن پھر آج کل کرنے لگتے ہیں۔ نہ تو ہم مرنا چاہتے ہیں نہ نیک عمل ہی کرتے ہیں۔ گویا ہماری یہ تو آرزو ہے اللہ اپنے عمل کو مؤخر کر دے۔ لیکن ہم خود دنیا سے دُور ہونا نہیں چاہتے۔

رحمٰن کے بندو! جب بندہ ایمان کا دعویٰ کرتا ہے تو اللہ اسے اور اس کے دعوے کو چھوڑ نہیں دیتا۔ وہ اس کے عمل کو پرکھتا ہے۔ اگر اس کا دعویٰ درست اور عمل اہلِ ایمان کا سا ہوتا ہے تو دیکھتا ہے اس کے عمل میں ورع و تقویٰ کبھی پایا جاتا ہے؟

اگر اس کے عمل کا دامن ورع و تقویٰ سے معمور ملتا ہے، تو پھر اس کی نیت کا جائزہ لیتا ہے کہ اس میں اخلاص ہے یا نہیں۔

ایک اور وعظ سنیئے۔۔

چار باتیں ایسی ہیں جن سے خدائے رحمٰن نے تمہاری خطاؤں اور اپنی جان پر ستم رانیوں کے باوجود تمہیں بہرہ ور کر رکھا ہے:

ایک اس کا رزق جو تمہارے گرد و پیش گھوم رہا ہے۔

دوسری اس کی رحمت جس نے تمہیں اپنے دامن میں لے رکھا ہے۔

تیسرا اس کا پردہ جس نے تمہارے گناہوں کو ڈھانپ رکھا ہے۔

چوتھا اس کا عتاب جس سے اس نے تمہیں بچا رکھا ہے۔

پھر ان ساری باتوں کے باوجود تم اپنے اللہ کے مقابلے میں بڑے ہی جری ہو۔ بڑھ چڑھ کر باتیں بناتے ہو، لیکن جب اللہ بات کرے گا، تو تمہارے لب پر مُہرِ سکوت لگ جائے گی۔ پھر تمہارے اعمال سے ایسا دھواں نکلے گا جس سے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے۔ فَاتَّقُوْا یَوْماً تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۔

(اس روز سے ڈرو جب تمہیں اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا۔ پھر ہر نفس کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائیگا)

ایک اور وعظ ارشاد ہو رہا ہے:۔

"رحمٰن کے بندو! ایک بندہ ہے اللہ نے جو فرائض عائد کیے ہیں وہ ان

میں سے ایک فرض ادا کرتا ہے اور باقی سب ضائع کر دیتا ہے ۔ مگر شیطان ہے کہ اسے ہمیشہ آرزوؤں میں مبتلا رکھتا ہے ۔ اس ایک عمل کو اس کے سامنے بہت بنا سنوار کر پیش کرتا ہے حتیٰ کہ اس میں بھی فتور آجاتا ہے ۔ لہٰذا عمل کرنے سے پہلے دیکھو کہ اس سے تمہارا مقصد کیا ہے ؟ اگر خالصتاً اللہ کے لیے کرنا چاہتے ہو ، تو کر گزرو اور اگر مقصود غیر اللہ کی رضا ہو تو اس کے لیے اپنے آپ کو بے سود مشقت میں نہ ڈالو کیونکہ اللہ تعالیٰ عملِ خالص کے سوا کوئی عمل قبول نہیں کرتا ۔ اس کا ارشاد ہے : اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ (فاطر : ۱۰)

پاکیزہ کلمہ اور عملِ صالح اس کی جانب چڑھتا اور بلند ہوتا ہے ۔

بندگانِ خدا ! اللہ سے ڈرو تمہیں نہ تو اس کی خفیہ تدبیروں سے بے خوف ہونا چاہیے نہ اس کی رحمت سے مایوس ۔ یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رکھو کہ اللہ نے تمہیں گراں بہا نعمتیں عطا کی ہیں ۔ اپنی جانیں مشقت میں نہ ڈالو ۔ کیا تم ثوابِ دنیا کی خاطر عمل کرتے ہو ؟ جو شخص ایسا کرتا ہے بخدا وہ بڑی ہی فرومایہ بات پر رضامند ہوا ہے ۔

(۲)

بلال کے بعض اقوال تو زبان زدِ عام ہو چکے ہیں ۔

قیامت کے روز آگ سے کہا جائے گا اسے آگ اجلا ڈال ۔ اسے آگ پکا دے ۔ اسے آگ اکھا جا ، مگر قتل نہ کر ۔

بظاہر اللہ کا ولی اور بباطن اس کا دشمن نہ بن ۔

اگر کسی شخص کو نماز ظلم وستم سے نہیں روکتی ، تو ایسی نماز اللہ تعالیٰ کی ناراضی

کا باعث ہی ہو سکتی ہے۔

اللہ چاہتا ہے ہم دنیا میں اپنا دل نہ لگائیں۔ لیکن ہم ہیں کہ دنیا میں کھوئے جاتے ہیں۔ کیا ہمارا یہی ایک گناہ کافی نہیں ہے؟

اے مسکن بنانے دوام کے ساکنو! تمہیں مٹ جانے کے لیے نہیں پیدا کیا گیا۔ تمہاری تخلیق زندگی جاوداں کے لیے ہوئی ہے۔ تم ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوتے ہو۔ تم صلب سے رحم مادر میں منتقل ہوئے اور رحم مادر سے دنیا میں۔ دنیا سے قبروں میں منتقل ہو جاؤ گے اور قبروں سے اللہ کی بارگاہ میں پھر جنت یا جہنم کی زندگی جاوداں سے ہمکنار ہو جاؤ گے۔

یہ خیال نہ کر کہ تو نے چھوٹا سا گناہ کیا ہے، بلکہ یہ دیکھ کہ تجھ سے کس کی نافرمانی سرزد ہوئی ہے۔

(۳)

چند اقوال مزید۔

ایک زمانہ تھا لوگ صوم و صلوٰۃ، زکوٰۃ و خیرات، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور دوسرے اعمالِ صالح کو دوست رکھتے تھے۔ آج یہ وقت ہے کہ وہ "رائے" کو پسند کرتے ہیں۔

تین باتیں ایسی ہیں جن کی موجودگی میں کوئی عمل اللہ کی بارگاہ میں مقبول نہیں ہوتا: شرک، کفر اور رائے۔

عرض کیا گیا رائے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کو چھوڑ دینا اور اپنی رائے پر عمل کرنا۔

بلال، رب العزت کی بارگاہ میں یہ دُعا مانگا کرتے تھے: میں دلوں کی کجی سے، گناہوں کی بھرمار سے، بے اثر اعمال سے اور گمراہ کن فتنوں سے تیری پناہ کا طالب ہوں۔

ایک بار اہلِ دمشق سے کہا: اللہ فرماتا ہے انما المومنون اِخوَۃٌ (اہلِ ایمان بھائی بھائی ہیں) پھر اس قوم کے ایمان کا کیا حال ہے جو آپس میں بغض و عناد رکھتی ہے۔

بلال کہتے ہیں میرے والد سعدؓ فوت ہونے لگے تو مجھ سے کہا: بیٹے اپنے بال بچوں کو بلاؤ، چنانچہ وہ حاضر ہوئے اور سعدؓ نے یہ دعا کی: اے اللہ تو انہیں کفر، عمل کی گمراہی اور بنی آدم کی احتیاج سے بچانا۔

عبداللہ ابنِ مبارکؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعدؓ کے سر پر اپنا دستِ مبارک پھیرا تھا اور ان کے حق میں دُعا فرمائی تھی۔

انوکھا تاجر

وہ مسجد میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ رب کا بلاوا آ گیا اور آناً فاناً شہر میں اور پھر بلادو امصار میں خبر پھیل گئی کہ حماد بن سلمہ انتقال کر گئے ہیں۔ جس نے بھی سُنا ان کی موت پر رشک کیا۔ اس سے بڑھ کر خیر و سعادت در کیا ہو سکتی ہے کہ ایک شخص اپنے رب سے باتیں کرتے ہوئے اس سے جا ملے۔ لیکن حماد کی موت ہی نہیں زندگی بھی قابلِ رشک تھی۔

موسیٰ بن اسمٰعیل کہتے ہیں: اگر میں یہ کہوں کہ میں نے حماد بن سلمہ کو کبھی ہنستے نہیں دیکھا، تو سچ کہوں گا۔ بس وہ اپنے آپ میں گم رہتے، کبھی قرآن

کی تلاوت میں مصروف نظر آتے، کبھی احادیثِ رسولؐ کا تذکرہ فرماتے سُنے جاتے، کبھی تسبیح و تحمید کے ترانے اُن کی زبان پر ہوتے اور کبھی اپنے آقا و مولا کے حضور سجدہ ریز دکھائی دیتے۔ انہوں نے اپنے شب و روز بھی اسی طرح مختلف کاموں میں تقسیم کر رکھے تھے۔

تجارت اُن کا ذریعۂ معاش تھا۔ مگر جیفۂ دنیا کے پیچھے دیوانہ وار دوڑ لگانے والے آج کے تاجران کے اندازِ تجارت کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ شاید وہ سوچیں کہ حمادکسبِ حرام کے اجتناب میں حد سے زیادہ اہتمام برتتے ہوں گے۔ یہ تو انسان کا ادنیٰ درجے کا اخلاق ہے کہ وہ حرام کی کمائی سے اجتناب کرے اور اپنے پیٹ میں کوئی ایسا لقمہ نہ ڈالے جو کسی پر ظلم کر کے یا دھوکے فریب سے حاصل کیا گیا ہو۔ حماد کی خصوصیت یہ تھی کہ کسبِ حلال کا اہتمام کرتے تھے اور تجارت کا مقصد یہ نہ تھا کہ درہم و دینار اور سیم و زر کے ذخائر جمع کریں بلکہ وہ اس سے محض قوتِ لایموت فراہم کرتے۔ صرف اتنا کماتے جتنا اپنے اور اپنے اہل و عیال کا پیٹ پالنے اور دوسروں کے آگے دستِ سوال دراز کرنے سے بچنے کے لیے کافی ہوتا۔

حماد دوپٹوں کی تجارت کرتے تھے۔ بازار میں آتے، دکان کھولتے اور تین چار دوپٹے بک جاتے تو بند کر دیتے۔ گویا جب اتنا کما لیتے کہ ایک دن گزر جاتا، تو دکان پر نہ بیٹھتے اور اس تجارت میں مصروف ہو جاتے جس کا ذکر اللہ نے قرآنِ کریم میں اس طرح کیا ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ

عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَیُدْخِلْکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْھٰرُ وَمَسٰکِنَ طَیِّبَۃً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ (الصف: ۱۰-۱۲)

”اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت نہ بتاؤں جو تمہیں عذاب الیم سے نجات دلا دے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو اگر تم جانو تو اس میں تمہاری خیر و فلاح ہے (اس کے صلے میں) اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی اور عدن کے باغات میں پاکیزہ مکانات ہوں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔“

اور اس تجارت میں محویت کا جو عالم تھا اس کے بارے میں عفان بن مسلم کہتے ہیں: ”میں نے حمّاد بن سلمہ سے کہیں بڑھ کر عبادت گزار لوگ دیکھے ہیں، لیکن بھلائی کے کاموں میں پابندی، قراءتِ قرآن اور خالصتاً اللہ کی خاطر عمل میں ان سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔“

عبدالرحمٰن بن مہدی کا قول ہے: اگر حمّاد بن سلمہ سے کہا جاتا کہ موت کل تمہیں آ لینے والی ہے، تو انہیں اپنے اعمال میں رتّی بھر اضافے کے لیے بھی فکر و تامل کی ضرورت نہ ہوتی۔

(۲)

اپنے اللہ کی رحمت اور کرم نوازی پر اتنا توکل تھا کہ ایک مرتبہ سفیان ثوریؒ

بیمار پڑے تو ان کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ سفیان کہنے لگے: اے ابوسلمہ:
تمہارا کیا خیال ہے اللہ مجھ ایسے شخص کو بھی بخش دے گا؟ حماد بولے اگر مجھے
اختیار دیا جائے کہ میں اللہ تعالیٰ کے محاسبے اور اپنے ماں باپ کے محاسبے میں
سے کسی ایک کو اپنے لیے پسند کر لوں تو میں اللہ کے محاسبے کو اپنے والدین کے محاسبے
پر ترجیح دوں گا۔ اس لیے کہ اللہ مجھ پر میرے ماں باپ سے بھی زیادہ مہربان اور
شفیق ہے۔

اسحٰق بن عیسیٰ حماد کا یہ قول نقل کرتے ہیں: جس نے حدیث کی طلب غیر اللہ
کے لیے کی اس نے گویا اللہ کے ساتھ مکر و فریب کیا۔ اس مختصر سے قول میں حکم و
بصائر کا ایک دریا بند کر دیا گیا ہے۔ کہنے والا کہتا ہے علم کی عظمت و جلالت
تو یہ ہے کہ اللہ کے لیے حاصل کیا جائے اور اس سے اللہ کی مخلوق ہدایت یاب
و متمتع ہو۔ ایسا علم انسان کے قلب و ذہن کو منور کرے گا۔ اس کے کردار و
سیرت کو خیر و فلاح سے بہرہ ور کرے گا۔ اس کے برعکس جو علم اللہ کے لیے
حاصل نہیں کیا جاتا وہ معاشرے میں اصلاح کی بجائے شر اور فساد پھیلانے کا
موجب ہوتا ہے۔ حماد نے تابعین اور بڑے بڑے محدثین کی وساطت سے
احادیث رسول کی خاصی بڑی تعداد روایت کی ہے اور اکثر احادیث زندگی کے
عملی معاملات سے تعلق رکھتی ہیں۔

یہ حماد کی زندگی کا ایک خوبصورت رخ تھا دوسرا رخ اس سے بھی حسین تر
تھا۔ ان کا رہن سہن بالکل سادہ تھا۔ گھر میں صرف ایک چٹائی تھی جو بیٹھنے کے کام
آتی تھی۔ چمڑے کا ایک تو بڑا تھا جسے ان کی علمی زنبیل کہنا چاہیے۔ احادیث کا جو

کر لیجئے۔ آنا ہو تو تنہا آئیے، خدم و حشم میلو میں لے کر نہیں۔ بعبارتِ دیگر میں نہ تو آپ کے ساتھ خیر خواہی کر سکوں گا نہ اپنے ساتھ۔"

قاصد جواب لے کر رخصت ہو گیا۔ کچھ دیر بعد کسی نے پھر دروازہ کھٹکھٹایا۔ لونڈی نے اطلاع دی۔ امیر بصرہ محمد بن سلیمان تشریف لائے ہیں۔ فرمایا: "کہہ دو تنہا آئیں"۔ امیر نے حاضرِ خدمت ہو کر سلام عرض کیا۔ وہ قدرے گھبرایا ہوا نظر آتا تھا۔ آواز میں ارتعاش اور چہرے پر خوف کے آثار۔ تھوڑی دیر چپ کھڑا رہا جیسے اپنے ٹوٹتے ہوئے اعصاب پر قابو پانے کا منتظر ہو، پھر بولا: "شیخ! جب کبھی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں، مجھ پر خوف و دہشت طاری ہو جاتی ہے۔ اس کا سبب کیا ہے؟"

فرمایا: "رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے: جب کوئی عالمِ دین اپنے علم کے ذریعے اللہ کی خوشنودی چاہتا ہے۔ تو اس سے ہر چیز ڈرنے لگتی ہے اور جب وہ اپنے علم سے دنیا کے خزانوں کا خواہاں ہوتا ہے تو وہ خود ہر چیز سے ڈرنے لگتا ہے"۔

محمد بن سلیمان نے اپنا مسئلہ پیش کیا۔ حمادؔ نے جواب دیا۔ امیر نے چالیس ہزار درہم پیش کیے۔ حمادؔ نے حقارت بھری نظر اس پر ڈالی اور فرمایا: "انہیں لے جاؤ اور جن لوگوں پر ظلم کر کے حاصل کیے ہیں انہیں واپس کر دو۔"

"بخدا یہ روپیہ مجھے وراثت میں ملا ہے"۔ امیر نے کہا۔

"مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کسی کو دینا ہی چاہتے ہو تو مستحقین میں تقسیم کر دو"۔ حمادؔ کا جواب دوٹوک تھا امیر کچھ دیر چپ چاپ کھڑا رہا اور

پھر رخصت ہو گیا۔

زہد و ورع کا پیکر

امام شعبہؒ کو کون نہیں جانتا؟ ان کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی پورے عراق میں دھوم ہے۔ اپنے عہد کے بڑے بڑے ائمہ و فضلا ان کی علمی عظمتوں کے معترف ہیں۔ امام سفیان ثوری انہیں اقلیم علم حدیث کا امیر المومنین کہتے ہیں۔ درس و تدریس اور کتاب و سنت کی اشاعت ان کی زندگی کا اوّل و آخر مقصد ہے ایک دنیا ان سے فیض پانے امڈی چلی آتی ہے خلیفۂ وقت بھی ان کا عقیدتمند ہے لیکن ان کا دل بے نیاز ہر دو جہاں سے غنی ہے۔ ہدیے اور عطیات آتے ہیں مگر انہیں کبھی اپنے کام میں نہیں لاتے، فوراً محتاجوں اور مساکین میں تقسیم کر دیتے ہیں اور خود نہایت عسرت اور تنگدستی کی زندگی گزارتے ہیں۔ ایک بار خلیفہ مہدی نے ان کی خدمت میں تین ہزار درہم بھیجے، انہوں نے پوری رقم اہلِ احتیاج میں بانٹ دی۔ کسی غریب کو دیکھتے تو ان کا دل بھر آتا۔ اور جو کچھ پاس ہو دے ڈالتے۔

ایک مرتبہ گدھے پر سوار کہیں جا رہے تھے راستے میں مشہور محدث سلیمان بن مغیرہ ملے اور فقر و فاقہ کی شکایت کی۔ انہوں نے کہا واللہ میرے پاس یہی ایک گدھا ہے اور کوئی چیز نہیں۔ یہ فرما کر نیچے اترے اور گدھا سلیمان کے حوالے کر دیا۔

ایک بار کسی پڑوسی نے ان سے کچھ مانگا۔ فرمایا تم نے ایسے وقت سوال کیا کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ اچھا یہ سواری کا گدھا لے لو۔ اس نے گدھا لینے

سے انکار کیا۔ امام نے اصرار کیا تو اس نے لے لیا۔ ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ امام کے بعض احباب کی نظر گدھے پر پڑی تو پہچان گئے۔ امام کی سواری کا گدھا ہے وہ ان کی طبیعت سے واقف تھے اس لیے حقیقت حال سمجھ گئے۔ انہوں نے اس شخص سے پانچ درہم میں گدھا خرید لیا اور پھر امام کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کر دیا۔

امام شعبہ اس وصف میں بالکل انصار کا نمونہ تھے جن کے متعلق قرآن نے کہا ہے: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (ان کا حال یہ ہے کہ وہ خود تنگدستی میں مبتلا ہونے کے باوجود ایثار سے کام لیتے ہیں)

امام کو آخرت کا خوف ہر وقت دامن گیر رہتا ہے۔ حدیث کی روایت میں بڑے محتاط ہیں مگر اس احتیاط کے باوجود ہر وقت ڈرتے ہیں کہ کوئی غلطی ہو گئی تو خدا کے حضور پکڑا جاؤں گا۔ اکثر فرماتے ہیں: کاش میں معمولی فرد ہوتا مجھے حدیث کی معرفت حاصل نہ ہوتی جب کوئی حدیث ان کے سامنے بیان کی جاتی ہے تو یہ چیخ اُٹھتے ہیں۔ یہ خوف حدیث کے راوی ہونے کی حیثیت ہی سے ان پر طاری نہیں ہوتا بلکہ یہ خیال بھی پریشان رکھتا ہے کہ جو احادیث لوگوں کے سامنے بیان کر رہے ہیں ان پر خود کس حد تک عمل پیرا ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں ان کا شمار ان لوگوں میں ہو جن کو اللہ نے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ (وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر عمل نہیں کرتے اللہ کے نزدیک قول اور فعل کا یہ تضاد بہت بڑی بات ہے)

فقیرِ بے نوا

سلطان محمود غزنی کے تخت پر بیٹھا تو اس نے اپنی مملکت کے ایک مشہور بزرگ شیخ ابو الحسن خرقانی کو اپنے دربار میں بلا بھیجا۔ خادم، بادشاہ کا فرمان لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ کچھ لکھنے میں مصروف تھے۔ وہ دیر تک کھڑا منتظر رہا۔ آخر شیخ نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ خادم نے بڑے ادب سے بادشاہ کا حکم گوش گزار کیا۔

"جاؤ اپنے آقا سے کہہ دو ہم فقیروں کا بادشاہوں اور ان کے درباروں سے کیا واسطہ؟"

بادشاہ نے شیخ کا جواب محمود کو جا سنایا۔ محمود نے ایک ورق پر شیخ کو قرآن مجید کی یہ آیت لکھ بھیجی: یا ایہا الذین اٰمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولوا الامر منکم (اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسولؐ کی اطاعت کرو اور حکمرانوں کی اطاعت کرو جو خود تمہارے میں سے ہوں)

شیخ نے آیت پڑھی، مسکرائے اور قاصد سے کہا: "اپنے آقا سے کہو میں اپنے اللہ کے احکام ماننے میں اتنا مشغول ہوں کہ ابھی اطاعتِ رسولؐ کی نوبت نہیں آئی۔ بادشاہ کی اطاعت تو بہت دُور کی بات ہے۔"

آخر وزیر اعظم نے مداخلت کی۔ اُس نے سلطان سے کہا:

"شیخ حضور کے نوکر نہیں ہیں اور نہ انہیں آپ سے کسی قسم کی کوئی غرض ہے۔ آپ کو خود ان کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے۔ آپ کے والدِ مرحوم سلطان سبکتگین کا بھی یہی معمول تھا۔ وہ شیخ کی خدمت میں خود حاضری دیا کرتے تھے۔"

سلطان محمود شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے روانہ ہوا، مگر اس شان سے کہ خود اس نے خدام کا سا لباس پہن رکھا تھا اور ایک نوجوان باندی کو شاہانہ لباس اور تاج پہنا رکھا تھا۔ خانقاہ میں پہنچا تو شیخ مطالعے میں مصروف تھے۔ انہوں نے نگاہ اُٹھا کر نقلی سلطان کو دیکھا اور فوراً آنکھیں جھکا لیں، پھر محمود سے کہا۔

"یہ کیا سوانگ ہے؟ اللہ نے سلطان کو جس مرتبۂ بلند سے نوازا ہے اُس کی اس طرح تضحیک زیب نہیں دیتی۔ مجھ درویش کے حجرے میں ایک عورت کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے"۔

سلطان نے اپنی گستاخی پر معافی طلب کی، کنیز کو باہر بھیج دیا اور باتیں شروع ہوئیں۔ سلطان نے بتایا:

مجھے ہندوستان کی مہم درپیش ہے۔ جے پال نے والدِ مرحوم کے آخری زمانے میں مملکتِ اسلام پر حملہ کر کے کئی گاؤں لُوٹ لیے تھے۔ انہوں نے وصیت کی تھی کہ زمامِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اس حملے کا بدلہ لوں۔ مجھے آپ کی دعائیں درکار ہیں"۔

شیخ سلطان کی باتیں سنتے رہے اور پھر فرمایا:

"اللہ آپ کی مدد کرے، مگر انسان اللہ کی مدد کا مستحق اسی وقت قرار پاتا ہے جب وہ اپنی طرف سے کسی کام کی کوشش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا۔ میری یہ نصیحت حرزِ جاں بنا لیجئے کہ جب بھی کوئی مشکل پیش آئے مایوسی کو قریب نہ پھٹکنے دیجئے بلکہ رات کے آخری حصّے میں اپنے اللہ کے حضور کھڑے ہو

ہو جائیے اور اس سے عرض کیجیے: "اے اللہ، جہاں تک میری بساط تھی، میں کر چکا ہوں، اب تیری مدد درکار ہے۔ اے خدا اپنی نصرت سے بہرہ ور کر اور دشمن پر غلب فرما"۔

سلطان نے شیخ کی خدمت میں اشرفیوں کی ایک تھیلی پیش کی، مگر شیخ نے اُسے ہاتھ تک نہ لگایا بلکہ ایک رکابی اُس کے آگے بڑھا دی جس میں جَو کی روٹی کے چند سُوکھے ٹکڑے تھے۔ سلطان نے ایک ٹکڑا اُٹھا کر منہ میں ڈال لیا، اُسے بڑی مشکل سے چبایا اور حلق سے اتارا۔

"میرے لیے آپ کا یہ سونا نگلنا اس سُوکھی روٹی سے بھی زیادہ دشوار ہے، یہ آپ ہی کو مبارک ہو"۔ شیخ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

سلطان نے اجازت طلب کی۔ شیخ رخصت کرنے کے لیے دروازے تک آئے۔ سلطان نے دریافت کیا:

"میں جب حاضر ہوا تھا، تو آپ نے نگاہِ التفات تک نہ کی تھی، مگر اب یہ احترام؟"

"جب آپ آئے تھے، تو قوت کے نشے میں بدمست اور مغرور تھے اور اب آپ جا رہے ہیں، تو صورتِ حال برعکس ہے"۔

سلطان نے یکے بعد دیگرے سترہ حملے کیے۔ آخری حملہ سومنات پر تھا۔ ہندوستان کے طول و عرض سے ہندو فوجیں سومنات کی حفاظت کے لیے پہنچ گئی تھیں۔ سلطان کی فوج بہت تھوڑی تھی۔ مسلمان بڑی بہادری سے لڑے، لیکن ٹڈی دل فوج کو شکست نہ دی جا سکی۔ سلطان کو شیخ خرقانی کی

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے سیرت و کردار سے بچپن ہی سے
سعادت کے آثار ہویدا تھے۔ سات سال کے تھے کہ ان کے والدین انہیں شیخ
جمال الدین خندہ رُو کی خدمت میں لے گئے۔ ان کے پاس ایک طباق کھجوروں
کا بھرا رکھا تھا۔ شیخ نے حاضرین میں بانٹ دینے کا حکم دیا۔ مخدوم جہانیاں نے
اپنے حصّہ کی کھجوریں گٹھلیوں سمیت کھانی شروع کر دیں۔ شیخ مسکرائے اور بولے
سید گٹھلیاں بھی کھا رہے ہو؟ مخدوم نے جواب دیا: "کھجوریں آپ کے ہاتھ سے
نصیب ہوئی ہیں، ان کی گٹھلیاں بھی فیض سے خالی نہیں۔" چھوٹے سے بچے کا یہ
جواب سن کر شیخ بہت خوش ہوئے اور ان کے حق میں دعا فرمائی۔

مخدوم جہانیاں غیر شرعی رسوم سے اجتناب کرتے۔ غیر شرعی تعظیم و احترام
پسند نہ تھا۔ عقیدت مند احترام و تعظیم میں غلو کرتے اور پاؤں چومنے کی کوشش
کرتے تو فوراً روک دیتے۔ شیخ کے پاؤں پر سر رکھنا بھی عقیدت مندوں کا عام
وطیرہ تھا لیکن یہاں اس کی سخت ممانعت تھی۔ ایک مرتبہ [illegible]
شان میں [illegible] سعادت کے [illegible]
[illegible]
[illegible] ایک مرتبہ خواجہ شرف الدین [illegible] نے آپ [illegible]
کفش بھیجی جس کا منشا یہ تھا کہ میں آپ کی کفش پا ہوں۔ آپ نے اپنی دستار
خواجہ صاحب کی خدمت میں بھیج دی۔ یہ لطیفہ مقصود تھا اس بات کا کہ آپ
کفش پا نہیں میرے سر کا تاج ہیں۔

تصنع سے پرہیز کرتے اور فرماتے یہ ایک اختلافی چیز ہے اور خلقی چیز

سے بچنا چاہیے۔ جاہل صوفیا اور شیوخ کی غیر شرعی حرکتوں پر فوراً ٹوک دیتے۔
ایک مرتبہ ایک شخص مخدوم جہانیاں کے شہر اُچہ میں وارد ہوا۔ اپنے آپ کو بڑا
ولی اللہ کہتا تھا۔ عوام و خواص گویا امنڈ پڑے۔ ہر وقت مجمع لگا رہتا۔ مخدوم جہانیاں
بھی تشریف لے گئے اور اس کے بالکل قریب جا بیٹھے۔ وہ بولا: "اے سید
ابھی ابھی حق تعالیٰ میرے پاس سے گیا ہے" حضرت مخدوم کا چہرہ غصے سے تمتما
اُٹھا۔ فرمایا: "بدبخت تو کافر ہو گیا ہے پھر سے کلمہ شہادت پڑھ" اسی وقت
اُٹھے اور شہر کے قاضی کے پاس گئے اور مطالبہ کیا کہ اس منہ پھٹ اور گستاخ کو
طلب کرو، اس سے توبہ کرواؤ اگر نہیں کرتا تو اسے قتل کرنے کا حکم دو۔ اس شخص
نے اچھا خاصا پاکھنڈ مچا رکھا تھا۔ شہر کے بعض بڑے بڑے لوگ اس کے
پھندے میں آچکے تھے انہی میں شہر کا حاکم بھی تھا۔ قاضی کمزور آدمی تھا۔ حاکم کے
خوف سے سزا دینے میں پس و پیش کرنے لگا۔ مخدوم جہانیاں نے مایوس ہو کر
حاکم کو پیغام بھیجا کہ یہ جھوٹا شخص کفر پھیلا رہا ہے۔ اگر تم نے اس کو سزا نہ دی تو
میں بادشاہ سے جا کر کہوں گا۔ حاکم نے اسے شہر بدر کر دیا۔

مخدوم جہانیاں دوسرے تمام سلسلوں کی طرح بڑے ہی زاہد و عابد تھے۔ احکام
شریعت پر خود بھی عمل کرتے اور دوسروں کو بھی تلقین فرماتے۔ ان کے نزدیک
ولی اللہ کا معیار یہ تھا کہ وہ عبادت کا پابند اور شریعت پر چلتا ہو۔ اگر کوئی شخص اوامر و
نواہی اور عبادت کا پابند نہ ہونے کے باوجود درویشی کا دعویٰ کرتا تو تسلیم نہ کرتے۔
بلکہ اس پر سخت تنقید کرتے۔ مکہ معظمہ سے واپس بھکر آئے تو سنا کہ قصبہ الور کے
پاس ایک پہاڑ کے غار میں ایک درویش رہتا ہے جس کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے اس کے لیے نماز معاف فرما دی۔ مخدوم جہانیاں نے سنا تو اس کے پاس گئے وہاں میروں، علاقے کے روسا اور دوسرے لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگے تھے اس ہجوم کو چیرتے ہوئے درویش کے قریب پہنچے اور سلام کیے بغیر بیٹھ گئے اور پوچھا: "تم نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ نماز مومن اور کافر کے درمیان امتیاز پیدا کرتی ہے۔"

"سید، میرے پاس جبرئیل آتے ہیں، بہشت کا کھانا لاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا سلام پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں تمہارے لیے نماز معاف کر دی گئی اور تمہیں اپنا مقرب خاص بنا لیا ہے۔" درویش نے جواب دیا۔

"کیا بیہودہ بک رہے ہو۔" مخدوم جہانیاں جلال میں آ گئے۔ "اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو نماز معاف نہ ہوئی تجھ جیسے جاہل کے لیے کیسے معاف ہو سکتی ہے۔ وہ تو شیطان ہے جو تیرے پاس آ کر کہتا ہے کہ میں جبرئیل ہوں۔ جبرئیل وحی کے فرشتے ہیں وہ پیغمبر کے سوا کسی کے پاس نہیں آتے اور وہ جو کھانا تیرے پاس آتا ہے وہ غلیظ ہے۔"

"شیطان آتا ہے۔۔۔۔" درویش بڑبڑایا اور پھر بلند آواز سے بولا۔ "سید، وہ کھانا تو بہت لذیذ ہوتا ہے بخدا الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔"

"ہوں۔" مخدوم جہانیاں نے اس کے چہرے پر نگاہیں گاڑ دیں اور کہا۔ "اب وہ فرشتہ آئے تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھنا۔"

اگلے روز مخدوم جہانیاں درویش کے ہاں گئے تو وہ ان کے قدموں پر گر گیا۔ وہ اسے تکتے رہ گئے کہ یہ کیا حرکت کر رہے ہو۔ پھر اٹھا اور کہنے

لگا: "سید، میں نے آپ کی بات پر عمل کیا تھا۔ جب وہ فرشتہ آیا تو لاحول ولا قوۃ پڑھا، وہ فوراً غائب ہو گیا اور جو کھانا اس نے دیا تھا وہ غلاظت میں بدل کر میرے ہاتھوں سے گر گیا اور میرے سارے کپڑے اس نجاست سے بھر گئے۔

مخدوم جہانیاں نے فرمایا: "اب تم اپنی اس حرکت پر توبہ کرو اور نماز پابندی سے پڑھو۔" چنانچہ اس نے صدقِ دل سے توبہ کی اور جو نمازیں فوت ہوئی تھیں ان کی قضا بھی پڑھی۔

مخدوم جہانیاں کی خدمت میں اکثر ہدیے آیا کرتے جب بھی کوئی ہدیہ آتا اس کا بدلہ کسی نہ کسی صورت میں ضرور ادا کر دیتے۔ ایک بار ایک معتقد نے سونے اور چاندی کے تنکے (روپے) پیش کیے جب رخصت ہونے لگا تو اس کو اپنی بارانی دے دی اور فرمایا حدیث صحیح میں ہے جو شخص تمہارے لیے ہدیہ لائے تم اسے بدلے میں کچھ نہ کچھ دو۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اس کے لیے دعا ہی کرتے رہو، حتیٰ کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ تم نے ہدیے کا بدلہ ادا کر دیا۔

۸
میدانِ جنگ میں

○

اے سرفروش مجاہدو!

اسامہ بن زید کی قیادت میں اسلامی لشکر شام کی طرف روانہ ہوا تو اسلامی مملکت کے سربراہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مجاہدین سے خطاب کیا۔ فرمایا:

"میں تمہیں چند نصیحتیں کرتا ہوں، انہیں اپنے پلّے باندھ لو اور ہمیشہ یاد رکھو۔ خیانت نہ کرنا، جھوٹ نہ بولنا، بدعہدی نہ کرنا، بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا۔ کسی پھل دار درخت کو نہ تو کاٹنا نہ جلانا۔ دشمن کو قتل کرنے کے بعد اس کی تکا بوٹی نہ کرنا۔ کھانے کی ضرورت کے علاوہ کسی جانور کو ذبح نہ کرنا۔ راہبوں اور خانقاہ نشینوں سے تعرض نہ کرنا۔ نفاق نہ برتنا۔

○

عراق کے محاذ پر ابوعبیدہ ثقفی کو شکست ہوئی اور وہ شہید ہو گئے تو امیرالمومنین حضرت عمر بن خطابؓ نے سعد بن ابی وقاص کی قیادت میں ایک اور فوج روانہ کی۔ روانگی سے پہلے آپ نے حضرت سعدؓ کو بلایا اور نصیحت کی۔

اے سعدؓ تمہیں ایک نہایت شدید اور ناگوار صورتِ حال کا مقابلہ کرنا ہے۔ یہی صورتِ حال جس سے حق پرستی کے سوا چھٹکارا ناممکن ہے۔ تمہیں چاہیے کہ نیکی کو اپناؤ اور معصیت سے احتراز کرو۔ یاد رکھو نیکی کی بنیاد صبر

ہے۔ جب بھی کوئی مشکل اور مصیبت پیش آئے صبر و استقامت سے کام لو۔
صبر ہی خشیتِ الٰہی کا منبع ہے اور خشیتِ الٰہی دو چیزوں پر مبنی ہوتی ہے۔
ایک اللہ کی اطاعت اور دوسری معصیت سے اجتناب۔

○

حضرت سعدؓ اسلامی لشکر کے ساتھ قادسیہ کی طرف بڑھے تو انہیں امیرالمومنین
کا ایک مکتوب ملا۔ انہوں نے لکھا تھا:

تمہارا سامنا ایک ایسی قوم سے ہے جو کثیر التعداد ہے، ساز و سامان بھی
جس کے پاس وافر ہے اور جس کا رعب ایک دنیا پر طاری ہے۔ یہ قوم بہت
چالباز اور زیرک ہے۔ تم ان کی چالبازیوں سے ہوشیار رہنا اور ان کا توڑ
کرنا۔ قادسیہ فارس کا دروازہ ہے تم وہاں پہنچ جاؤ تو پہاڑوں اور زمینوں
کے درمیان پڑاؤ ڈالو جہاں پانی کے چشمے ہوں۔ جب ٹھہر جاؤ تو اپنی جگہ
سے مت ہٹو، استقلال اور پامردی سے دشمن کے مقابلے میں جمے رہو۔
مجھے امید ہے کہ تم ان پر فتح یاب ہوگے۔ خدا نخواستہ ناکامی ہوئی تو پہاڑ
تمہارے عقب پر ہوگا اور تم پیچھے ہٹ کر اپنے ملک میں پناہ لے سکو گے۔
جرأت و دانائی سے لڑوگے تو اللہ تعالیٰ تمہیں فتح و کامرانی سے ہمکنار کرے
گا اور دشمن کو مغلوب و نامراد۔

○

یرموک کے میدان کی طرف روانہ ہوتے وقت اسلامی افواج کے کمانڈر خالد بن ولیدؓ
نے مجاہدین سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"مجاہدو، ایک بات یاد رکھو تمہیں نہ تو اختلاف کا شکار ہونا چاہیے نہ ضعفِ ایمان کا۔ اللہ کی طرف سے نصرت نیت کے مطابق آتی ہے اور اجر بقدرِ خلوص ملتا ہے۔ کسی مشکل میں گرفتار ہو کر پریشان ہو جانا مسلمان کو زیب نہیں دیتا، کیونکہ نصرتِ الٰہی اس کے ساتھ ہوتی ہے۔

○

قادسیہ کے میدان میں سعد بن ابی وقاصؓ نے غازیانِ اسلام کو جہاد پر اُبھارتے ہوئے کہا:

"مسلمانو، اللہ کی ذات برحق ہے اس کی بادشاہت میں کوئی شریک نہیں اور وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اس نے خود قرآنِ کریم میں یہ ارشاد فرمایا ہے:

"ہم نے زبور میں لکھ دیا تھا کہ اس سرزمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے"

یہ سرزمین تمہاری میراث ہے اور تمہارے پروردگار نے اس کا وعدہ کیا ہے۔ اپنی اپنی جگہ پہاڑ کی طرح جمے رہو اور جب آگے بڑھو تو دریا کے پُر جوش سیلاب کی طرح آگے بڑھو۔ اگر تم دنیا سے بے رغبت ہو کر آخرت کو پسند کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا اور آخرت دونوں سے نوازے گا اور اگر کمزوری اور بزدلی کا مظاہرہ کرو گے تو دنیا میں تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور آخرت تباہ و برباد ہو جائے گی۔

○

جسر کی لڑائی میں مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ مسلمان فوج کے کمانڈر

ابو عبیدؓ ثقفی شہید ہو گئے اب کمان مثنیٰؓ بن حارثہؓ نے سنبھال لی۔ بویب کے مقام پر ایرانیوں کے ساتھ ایک اور زبردست جنگ ہوئی۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے مثنیٰؓ نے اپنی فوج میں رُوحِ جہاد پھونکتے ہوئے کہا:

"مسلمانو، دشمن تمہارے ساتھ آج پھر نبرد آزما ہونا چاہتا ہے۔ ایسا دن پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ میرے لیے تو یہ دن عید کے دن سے بھی زیادہ نشاط انگیز ہے۔ میرا دل جوشِ ایمانی سے لبریز ہے۔ میں اگر تن تنہا ہوتا تب بھی دشمنانِ اسلام کے سامنے سے نہ ہٹتا، افسوس تم لوگ مسلمان ہو کر مجوسیوں سے ڈرتے ہو۔ جنت کے دروازے تمہارے لیے کھول دیے گئے ہیں۔ بڑھو اور بڑھ کر اپنے دل کی مراد حاصل کرو۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی طلب کرو۔ بلاشبہ اللہ انہی لوگوں کا دوست ہے جو اس کی راہ میں صف بہ صف عزم و استقلال سے لڑتے ہیں۔"

○

ایران کے فتح ہو جانے کی خبر دارالخلافہ مدینہ منورہ میں پہنچی تو ہر طرف مسرت اور شادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ حضرت عمرؓ نے اہلِ مدینہ کا اجتماع بلایا اور بڑی مؤثر تقریر کی۔ اللہ کی حمد و ثنا کے بعد انہوں نے فرمایا:

"بے شک آج مجوسیوں کی حکومت ختم ہو گئی۔ آج ان کے قبضے میں ایک بالشت زمین بھی نہیں رہی کہ وہ مسلمانوں کو کوئی نقصان پہنچا سکیں۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ نے جو تمہیں ان کی زمینوں اور مال و متاع کا وارث بنایا ہے تو اس کا مقصد تمہیں آزمانا اور پرکھنا ہے۔ اللہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کس عمل و کردار

کا مظاہرہ کرتے ہو۔ دیکھو اپنی زندگی کے منہاج کو مت بدلنا، ورنہ اللہ تعالیٰ تم سے حکومت چھین کر دوسروں کو دے دے گا۔ مجھے اگر ڈر ہے تو یہی کہ کہیں اس امت پر بھی وہی حالت طاری نہ ہو جائے جو اس سے پہلے کے لوگوں پر طاری ہو چکی ہے جس کے نتیجے میں وہ بُرے حشر سے دوچار ہو گئے۔"

کفر و اسلام کا پہلا معرکہ

بدر کا معرکہ ایثار و جانبازی کا عجب معرکہ تھا۔ آسمان نے ایسا منظر پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ نظریے نے نسل و خون اور زبان و وطن کے رشتے ختم کر دیے تھے۔ ایک طرف دینِ حق کے علمبردار تھے اور دوسری طرف کفر و باطل کے طرفدار حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبدالرحمٰن (جو ابھی تک کافر تھے) جنگ کے میدان میں نکلے تو ابوبکرؓ ان کے مقابلے کے لیے بڑھے۔ عتبہ میدان میں آیا تو اس کے بیٹے حضرت ابوحذیفہؓ مقابل آئے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سراپا رحمت و شفقت تھے، انہیں روک دیا۔ عین گھمسان کی جنگ میں حضرت عمرؓ کی اپنے ماموں عاص سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ ان کی تلوار بجلی کی طرح چمکی اور عاص کا کام تمام کر گئی۔

○

سعید بن العاص کا بیٹا عبیدہ سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق میدان میں آیا اور پکارا:

"میں ابو کرش ہوں، کون میرے مقابلے میں آتا ہے؟"

حضرت زبیر بن العوامؓ مقابلے میں نکلے۔ نیزہ بازی شروع ہو گئی۔ زبیرؓ نے عبیدہ کے مسلسل کئی وار بڑی چابک دستی سے روکے اور پھر آنکھ

میں تاک کر ایسا برچھا مارا کہ کھوپڑی کو چیرتا ہوا نکل گیا۔ عبیدہ زمین پر گرتے ہی مر گیا۔ برچھا اس طرح کھُب گیا تھا کہ زبیرؓ نے لاش پر پاؤں رکھ کر کھینچا تو بڑی مشکل سے نکلا۔ دونوں سرے ٹیڑھے ہو گئے۔ زبیرؓ کو بدر کے معرکے میں کئی کاری زخم لگے۔ شانے کا زخم اتنا گہرا تھا کہ مندمل ہو جانے پر بھی اس میں انگلی چلی جاتی تھی۔ چنانچہ ان کے بیٹے عروہ بچپن میں ان زخموں سے کھیلا کرتے تھے۔ جس تلوار سے لڑے تھے اس میں لڑتے لڑتے دندانے پڑ گئے تھے۔

زبیرؓ کا یہ برچھا اور تلوار تاریخی یادگار بن گئے۔ برچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگ لیا۔ پھر چاروں خلفاء کو منتقل ہوتا رہا اور آخر کار حضرت عبد اللہ ابن زبیرؓ کے پاس آیا۔ تلوار عبد اللہ ابن زبیرؓ سے عروہ کو ملی انہوں نے اس کی قیمت لگائی تو تین ہزار درہم ٹھہری۔

○

[illegible]

"میں نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ اس دشمن دین کو جہاں بھی دیکھوں گا [illegible] اُسے قتل کر دوں گا یا خود مارا جاؤں گا۔" معاذ نے کہا۔

عبدالرحمٰنؓ ابھی جواب بھی دینے نہ پائے تھے کہ معوذؓ نے بھی یہی سوال

ان کے کان میں پوچھا۔ ابوجہل اس وقت لشکر کے وسط میں کھڑا تھا اس کے چاروں
طرف نوجوانوں نے نیزوں کی دیوار سی بنا رکھی تھی۔ عبدالرحمنؓ نے اشارے
سے بتایا۔

وہ ابوجہل کھڑا ہے۔

دونوں جوان اس طرف چل دیئے اور موقع کی تلاش میں رہے۔ آخر موقع
ہاتھ آ گیا۔ وہ باز کی طرح جھپٹے معاذؓ نے تلوار کا ایک بھرپور وار کیا۔ تلوار ابوجہل
کی نصف پنڈلی کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ وہ زخمی چیتے کی طرح چیخا۔ عکرمہ اپنے
باپ کی چیخ سن کر پہنچ گیا۔ پیچھے سے معاذؓ کے بائیں شانے پر تلوار ماری۔
بازو کٹ گیا لیکن تسمہ باقی لگا رہا۔ معاذؓ نے عکرمہ کا تعاقب کیا مگر وہ بچ کر نکل
گیا۔ معاذؓ کے بیٹے ہی معوذؓ نے ابوجہل پر کاری ضرب لگائی اور وہ خاک و خون
میں تڑپنے لگا۔ معاذؓ کٹے ہوئے بازو کے ساتھ ہی لڑتے رہے لیکن ہاتھ لٹکنے
سے لڑنے میں رکاوٹ پیش ہوتی تھی اور تکلیف بھی۔ ہاتھ کو پاؤں کے نیچے
دبا کر کھینچا تسمہ کٹ گیا [illegible] لڑتے رہے۔ [illegible]
[illegible] حضرت عثمانؓ کے عہد تک زندہ رہے [illegible]
[illegible] سے جو [illegible] تھے۔

[illegible]

[illegible] میدان میں قیامت کا دن برپا تھا۔ مسلمانوں کی اپنی غلطی سے جب [illegible]
[illegible] جیتی ہوئی جنگ شکست میں بدلتی نظر آ رہی تھی [illegible]
[illegible] خالد بن ولید نے عقب سے حملہ کر دیا تھا اور مسلمان دو طرف سے

گھر گئے تھے اور اسی بدحواسی کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ دشمن کے حملے کا بڑا ہدف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک تھی۔ حضورؐ ایک گڑھے میں گر جانے اور خود کی کڑیاں پیشانی میں گڑ جانے سے زخمی ہو گئے تھے۔ تیس صحابہؓ گرد و پیش حلقہ کیے دیوانہ وار دفاع کر رہے تھے۔ سات انصاری یکے بعد دیگرے اپنی جانیں نچھاور کر چکے تھے۔ ابو طلحہ انصاریؓ کے ہاتھ سے تین کمانیں ٹوٹ چکی تھیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سینہ سپر کھڑے تھے۔ آپ کبھی گردن اٹھا کر دشمن کی فوج کی طرف دیکھتے تو عرض کرتے۔

"حضورؐ گردن نہ اٹھائیں۔ مبادا کوئی تیر لگ جائے یہ میرا سینہ سامنے ہے۔"

طلحہ بن عبید اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں ستر زخم کھا چکے تھے۔ ایک کافر نے تلوار کا وار حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا تو اسے ہاتھ پر روکا اور ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔

○

مسلمانوں کی سرفروشی نے انہیں شکستِ فاش سے بچا لیا۔ بدحواسی میں منتشر ہو جانے والے لوگ پھر جمع ہو گئے اور بنیانِ مرصوص بن کر کھڑے ہو گئے۔ کفار نے اسی کو غنیمت سمجھی کہ مسلمانوں کو زبردست جانی نقصان پہنچا ہے وہ اگلے سال پھر آنے کا چیلنج دے کر چلے گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہداء کی تدفین کی طرف متوجہ ہوئے۔ شہداء کی لاشیں سامنے تھیں۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے نہایت بہادری سے لڑ کر

جان دی تھی۔

سعد بن ربیعؓ کی بہادری اور شجاعت کا مشاہدہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ ان کی لاش ابھی تک نہیں آئی تھی۔ فرمایا:

"کوئی ہے جو جا کر دیکھے سعدؓ جیتے ہیں یا شہید ہو چکے ہیں"۔

ایک انصاری نے عرض کی:

"اے اللہ کے رسولؐ میں دیکھتا ہوں"۔

چنانچہ وہ میدان میں تلاش کرنے لگے۔ ایک جگہ دیکھا کفار کی لاشوں کا ڈھیر لگا ہے اور ان کے درمیان سعد بن ربیعؓ زخموں سے چُور پڑے ہیں۔ ابھی رمق باقی ہے۔ انصاری نے کہا۔

سعدؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں سلام کہا ہے اور تمہارا حال پُوچھا ہے"۔

سعدؓ کے زرد چہرے پر سرخی سی دوڑ گئی اور ڈُوبتی ہوئی نبضیں تیز ہو گئیں۔ بولے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میرا سلام جا کر عرض کرو اور کہو سعدؓ کہتا ہے اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ کو جزائے خیر دے مجھے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔ میری قوم انصار کو بھی میرا سلام کہو اور انہیں پیغام دو اگر تم نے اللہ کے نبیؐ کو تنہا چھوڑ دیا تو اللہ کے ہاں تمہارا کوئی عذر قبول نہ ہوگا"۔

اور پھر وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئے۔

انہی میں انس بن نضرؓ تھے۔ بدر کی جنگ میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ ایک مرتبہ کہنے لگے: "اے اللہ کے رسولؐ پہلی جنگ میں تو میں آپ کی معیت میں کفار کے خلاف لڑنے سے محروم رہا تھا آئندہ کوئی موقع ملا تو اللہ تعالےٰ دیکھ لے گا کہ میں کس طرح لڑتا ہوں!" اور انہوں نے سچ کر دکھایا۔

خالد بن ولید کے عقب سے حملہ آور ہونے کے بعد مسلمانوں میں افراتفری مچی تو انسؓ پکار اٹھے:

"اے اللہ، یہ لوگ (مسلمان) جو کچھ کر رہے ہیں میں تیری بارگاہ میں ان کی طرف سے معذرت پیش کرتا ہوں اور دین کے دشمنوں کے مقابلے میں تیری حمایت و پناہ کا طلب گار ہوں۔ پھر تلوار سونت لی اور تیزی سے اس طرف بڑھے جہاں گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ راستے میں سعد بن معاذؓ مل گئے ان سے کہنے لگے:

"سعدؓ مجھے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔ بالکل اُحد کے پیچھے سے" پھر آگے بڑھے، راستے میں کچھ مسلمان بھاگتے نظر آئے، کہا: "لوگو تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

"ہم نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں" انہوں نے جواب دیا۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے تو پھر ان کے بعد یہ زندگی کس کام کی ہے۔ آؤ دشمنوں کے ساتھ لڑو اور جس حق پر حضورؐ نے جان دی ہے تم بھی اپنی جانیں دے دو" انسؓ نے کہا، پھر آگے بڑھے اور دشمن پر ٹوٹ

پڑے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ان کے جسم پر ستر زخم تھے۔ اکثر زخم چہرے پر تھے اور پہچانے نہ جاتے تھے۔ اُن کی بہن نے ان کی لاش انگلیاں دیکھ کر پہچانی۔

انہی شہدا میں خیثمہؓ تھے۔ ان کے صاحبزادے ابوسعدؓ بدر کی جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ اُحد کی جنگ سے پہلے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

"اے اللہ کے رسولؐ میں جنگِ بدر میں شرکت نہ کر سکا تھا۔ حالانکہ میری بڑی خواہش تھی ابوسعدؓ کا اصرار تھا کہ میں جاؤں گا، میں جوان بھی ہوں اور تندرست و توانا بھی: چنانچہ ہم نے قرعہ اندازی کی۔ قرعہ ابوسعدؓ کے نام پڑا۔ اللہ نے اسے شہادت کی سعادت عطا فرمائی۔ میں نے اپنے بیٹے کو خواب میں دیکھا ہے، نہایت اچھی حالت میں ہے اور جنّت کے میووں اور نہروں سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ مجھے کہتا ہے ابّا جان، اللہ نے جو وعدے فرمائے تھے انہیں میں نے برحق پایا ہے۔ اے اللہ کے رسولؐ میرا دل جنّت میں اپنے بیٹے سے ملنے کا مشتاق ہے۔ میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے وہ مجھے شہادت نصیب کرے اور جنّت میں سعدؓ کی رفاقت عطا کرے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ ان کی تمنا بر آئی۔ وہ بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے اپنے بیٹے کے ساتھ جنّت میں جا ملے تھے۔ ان کا جسم بھی زخموں سے چُور چُور تھا۔

انہی سعید اور بہادر انسانوں میں عمرو بن الجموحؓ بھی تھے۔ پاؤں میں لنگ تھا۔ شرعاً معذور تھے لیکن دل شہادت کے شوق سے معمور تھا۔ جنگ کی منادی سُن کر نکلنا چاہا، تو بیٹوں نے روکا کہ ہم جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ فرض ساقط کر دیا ہے، آپ گھر میں بیٹھیے۔ عمرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ اے اللہ کے رسولؐ، میرے بیٹے مجھے جنگ میں شریک ہونے سے روکتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ تم لنگڑے ہو۔ میری تمنا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں اور اس لنگڑے پاؤں کے ساتھ جنت میں گشت کروں۔ اے اللہ کے رسولؐ، اُمید ہے کہ آپ مجھے شہادت سے محروم نہیں رکھیں گے۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "عمروؓ، تم معذور ہو۔"

انہوں نے عرض کیا: "نہیں حضورؐ، مجھے نہ روکیئے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے صاحبزادوں سے فرمایا: "اگر یہ مصر ہی ہیں تو انہیں نہ روکو، شاید اللہ نے ان کی قسمت میں شہادت کی موت لکھی ہے۔"

چنانچہ وہ جنگ میں شریک ہوئے، بڑی بہادری سے لڑے اور شہید ہو گئے۔

عمِ رسول حضرت حمزہؓ کی لاش لائی گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ ان کی ناک اور کان کٹے ہوئے تھے، سینہ چاک تھا اور کلیجہ نکال لیا گیا تھا۔ حمزہؓ ایک ہزار بہادروں پر بھاری تھے۔ انہیں وحشی نے دھوکے سے شہید کیا تھا۔ بدر میں ان کے ہاتھ سے قریشِ مکہ کے متعدد سردار مارے گئے تھے۔ انہیں میں ایک جبیر بن مطعم کا چچا طعمہ بن عدی تھا۔ جبیر

نے اپنے غلام وحشی کو ان کے قتل پر مامور کیا اور وعدہ کیا کہ اس کارگزاری کے صلے میں اُسے آزاد کر دیا جائے گا۔

حمزہؓ میدانِ جنگ میں شیر کی طرح حملے کر رہے تھے۔ وہ جس طرف بڑھ جاتے دشمن کترا کر نکل جاتا۔ ان کے ہاتھ سے مکّی فوج کا علمبردار عثمان بن طلحہ اور کئی دوسرے سردار مارے جا چکے تھے۔ گھمسان کی جنگ میں ان کا سامنا سباع بن عبدالعزیٰ سے ہو گیا۔ حمزہؓ اسے دیکھتے ہی للکارے:

"اے ختنہ کرنے والی عورت کے بیٹے، کیا تُو اللہ و رسولؐ پر زبانِ طعن دراز کرتا تھا، ذرا آ دو دو ہاتھ ہو جائیں۔"

یہ کہہ کر تلوار کی ایک بھرپور ضرب لگائی اور اس کی کھوپڑی کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

وحشی ایک چٹان کی آڑ میں چھپا بیٹھا تھا۔ حمزہؓ سباع کو قتل کر کے بڑھے ہی تھے کہ اُس نے زہر میں بُجھا ہوا چھوٹا سا نیزہ پھینکا۔ نیزہ ان کی ناف میں لگا اور پار ہو گیا۔ حضرت حمزہؓ نے وحشی پر حملہ کرنا چاہا مگر چند قدم چل کر لڑکھڑائے، گرے اور شہید ہو گئے۔

ابوسفیان کی بیوی ہندہ کا باپ بدر میں ان کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ اس نے جوشِ انتقام میں ان کی لاش کا مثلہ کیا اور کلیجہ نکال کر چبا لیا۔

انہی میں حنظلہ ابن ابی عامرؓ تھے۔ صرف ایک روز پہلے ان کی شادی ہوئی تھی۔ رات کے وقت جہاد کی منادی سنی، جس حالت میں تھے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہتھیار سنبھالے اور میدان میں پہنچ گئے۔ بڑی بہادری سے لڑے۔ ان کا باپ

ابوعامر مدینے کے ان غدّاروں میں سے تھا جو کفّارِ قریش کو بدر کی جنگ کا انتقام لینے کے لیے اُکساتے تھے۔ حنظلہؓ نے اپنے باپ کے مقابلے میں جانے کی اجازت مانگی۔ مگر رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے نہ دی۔

ابوسفیان قلبِ لشکر میں گھوڑے پر سوار کفّار کی کمان کر رہا تھا۔ حنظلہؓ مارتے کاٹتے اس کے سر پر پہنچ گئے اور حملہ کر دیا۔ تلوار کا ایک ہاتھ جو مارا تو ابوسفیان کے گھوڑے کی ٹانگ کٹ گئی۔ ابوسفیان گر پڑا۔ حنظلہؓ اس کے سینے پر سوار ہو کر قتل کرنے ہی والے تھے کہ شدّاد ابن الاسود نے حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔ حنظلہؓ گھر سے روانہ ہوتے تھے تو انہیں غسل کی حاجت تھی، چنانچہ حضورؐ نے فرمایا:

"انہیں فرشتوں نے غسل دیا ہے۔"

یہ نوجوان اسلامی تاریخ میں غسیلِ ملائکہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

کردار کی عظمتیں

"حذیفہؓ اور ان کے والد یمانؓ بدر کی جنگ میں شرکت کے لیے نکلے، لیکن راستے میں کفّارِ قریش کے ایک دیکھ بھال کرنے والے دستے نے انہیں پکڑ لیا۔

"تم کون لوگ ہو؟" کمانڈر نے پوچھا۔

"مدینے کے رہنے والے۔"

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے پاس جا رہے ہو؟"

"نہیں۔" انہوں نے مصلحت کی زبان اختیار کی۔

"ہم تمہیں چھوڑ دیتے ہیں مگر عہد کرو کہ مدینے چلے جاؤ گے اور محمد

(صلّی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوں گے۔"

انہوں نے شرط تسلیم کر لی۔ کافروں نے چھوڑ دیا۔ دونوں لمبا چکر کاٹ کر اسلامی لشکر سے جا ملے۔ حذیفہؓ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ عرض کیا۔ کفار مسلمانوں سے تین گنا تھے اور مسلمانوں کو ایک ایک فرد کی ضرورت تھی۔ پھر دونوں باپ بیٹے نے محض مصلحتاً جنگ میں شریک نہ ہونے کا وعدہ کیا تھا۔ ان کا خیال تھا ایسا معاہدہ قابلِ عمل نہیں ہوتا۔ مگر حضورؐ کے جواب نے عہد کی پابندی کے بارے میں ہمیشہ کے لیے دوٹوک فیصلہ کر دیا۔

"اپنے عہد پر قائم رہو اور مدینے واپس چلے جاؤ۔" حضورؐ نے فرمایا: "رہی فتح و نصرت تو وہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ہم طلب بھی اسی سے کریں گے۔"

حذیفہؓ اور ان کے والد بدر کی جنگ میں شرکت سے محروم تو رہے مگر بعد کی جنگوں میں حذیفہؓ نے سرگرمی سے حصہ لیا۔ (یمان جنگِ احدؓ میں شہید ہو گئے) خندق کی لڑائی مدینہ کی ننھی منّی ریاست کے لیے بدر و احد سے کچھ اہم نہ تھی۔ قریش زبردست ساز و سامان کے ساتھ آئے تے۔ بڑے بڑے قبائل ان کے ساتھ تھے۔ ان کی یلغار سے ایک بار پھر مدینہ ہل کر رہ گیا۔ کفار کا ٹڈی دل لشکر خندق کے پار دُور دُور تک پھیلا ہوا تھا۔ سخت سردی کا موسم تھا اور پھر ہوا چلنا شروع ہو گئی۔ جس کے سرد تھپیڑے جسم و جاں کو برمائے دیتے تھے۔ ہوا کی تیزی میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ایسے عالم میں حضورؐ نے اعلان فرمایا کوئی شخص جائے اور پتہ لگائے کافر کس حال میں ہیں۔ ٹھنڈی تاریک

طوفانی رات میں کسی کا باہر نکلنے کو حوصلہ نہ پڑتا تھا۔ ہر شخص اس خیال سے خاموش تھا کہ کوئی دوسرا آدمی اس خدمت کے لیے اپنے آپ کو پیش کرے۔

حضورؐ نے دوسری بار پھر فرمایا: "کوئی جا کر معلوم کرے کافروں کا کیا حال ہے؟" پھر بھی خموشی طاری رہی۔ تیسری بار حضورؐ نے پھر یہی ارشاد فرمایا اور جواب سکوت میں تھا۔ چوتھی بار آوازِ مبارک بلند ہوئی: "حذیفہؓ!"

"میرے ماں باپ حضورؐ پر قربان، غلام حاضر ہے۔" حذیفہؓ نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی۔

"تم جاؤ اور خبر لاؤ۔ مگر ہاں دیکھو وہاں کسی پر حملہ نہ کرنا۔"

حذیفہؓ فوراً مشن پر روانہ ہو گئے۔ خندق پار کی۔ کافروں کے لشکر میں پہنچے تو دیکھا ہُو کا عالم ہے، لوگ خیموں میں دبکے پڑے ہیں۔ تیز ہوا سے طنابیں بُری طرح جھول رہی ہیں اور پردے پھڑپھڑا رہے ہیں۔ ابوسفیان کے خیمے کے پاس سے گزرے تو وہ بیٹھا پیٹھ سینک رہا تھا۔ جی چاہا کہ تیر پشت میں پیوست کر دیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت یاد آئی اور اپنے ارادے سے باز رہے۔ پورے لشکر کا چکر لگا کر اپنے کیمپ میں واپس آئے تو دیکھا حضورؐ نماز میں مصروف ہیں۔ نماز سے فارغ ہوئے تو حذیفہؓ نے رپورٹ پیش کی۔ سردی کے مارے ان کے دانت بج رہے تھے۔ حضورؐ نے انہیں کمبل اوڑھایا اور جنت کی بشارت دی۔

○

موتہ کے مقام پر دونوں لشکر صف آرا تھے۔ مدینہ کی اُبھرتی ہوئی اسلامی

ریاست اور قیصرِ روم کی صدیوں پرانی مستحکم سلطنت کے درمیان یہ پہلا تصادم تھا۔ فوجی طاقت میں ایک اور تینتیس سے بھی زیادہ کی نسبت تھی۔ مسلمان تین ہزار تھے اور رُومی ایک لاکھ۔ مدینۃ النبی سے روانگی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہدایت فرمائی تھی کہ اگر کمانڈر زید بن حارثہؓ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالبؓ کمان سنبھالیں اور جعفرؓ شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ لشکر کی کمان کریں۔ لڑائی کے آغاز ہی سے رُومی فوج کا پلّہ بھاری تھا۔ اس ٹڈی دل کے سامنے مٹھی بھر مسلمانوں کی جانبازی اور سرفروشی کے باوجود کچھ پیش نہیں جا رہی تھی۔ دشمن نے ہر طرف سے نرغے میں لے لیا تھا۔ اسی عالم میں حضرت زیدؓ شہید ہوئے۔ حضرت جعفرؓ نے گھوڑے پر سے چھلانگ لگائی اور علم سنبھال کر صفیں چیرتے ہوئے آگے بڑھے۔ اِدھر دشمن کے حملوں میں اور شدّت آگئی۔ ہر طرف تیر و سناں کی بارش ہو رہی تھی۔ جعفرؓ زخم پر زخم کھا رہے تھے مگر پہاڑ کی طرح میدان میں جمے ہوئے تھے۔ دشمن نے محسوس کر لیا تھا جب تک جعفرؓ ہیں اور اسلامی پرچم سربلند ہے اُس وقت تک مسلمانوں کو شکست دینا ممکن نہیں۔ وہ جعفرؓ پر بار بار حملے کر رہے تھے۔ ان کا دایاں ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔ انہوں نے بائیں ہاتھ میں پرچم سنبھال لیا۔ دشمن نے وہ ہاتھ بھی کاٹ ڈالا اور پھر تلواروں اور نیزوں کی جو بارش ہوئی تو وہ شہید ہو کر گر پڑے۔ عبداللہ بن رواحہؓ نے جعفرؓ کے ہاتھ کٹتے ہی پرچم سنبھال لیا تھا۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اس جنگ میں شریک تھے۔ فرماتے ہیں میں نے جعفرؓ کی لاش تلاش کر کے دیکھی تو صرف سامنے کی طرف پچاس زخم تھے۔ تمام جسم

پر زخم گنے گئے تو نوے سے زیادہ نکلے لیکن پشت پر ایک بھی زخم نہ تھا۔

○

مسلمان شام پر طوفان کی طرح چھائے جا رہے تھے۔ شام کے بڑے بڑے مستحکم شہر اور قلعے دمشق، حمص اور لازقیہ پر ان کا قبضہ ہو چکا تھا۔ وہ جس طرف رُخ کرتے فتح ان کے قدم چومتی چلی جاتی۔ پے در پے شکستوں سے شہنشاہ ہرقل پریشان بھی تھا اور غضب ناک بھی۔ آخر اس نے منتشر ٹکڑیوں میں مختلف محاذوں پر لڑنے اور مار کھانے کے بجائے ایک ہی محاذ پر اپنی ساری قوت جھونک دینے کا فیصلہ کر لیا۔

مملکت کے طول و عرض سے فوجیں جمع ہونے لگیں۔ یوں معلوم ہوتا انسانوں کا بے پناہ سیلاب مسلمانوں کو بہا لے جائے گا۔ شام کے محاذ پر ابو عبیدہؓ کمانڈر انچیف تھے۔ انہیں خود شامی امرا اور رئیسوں نے رُومی فوجوں کے اس اجتماع کی خبر دی۔ ابو عبیدہؓ نے دشمن کی تیاریوں کا پتہ لگانے کے لیے فوراً آدمی بھیجے۔ انہوں نے ان خبروں کی تصدیق کی۔ ابو عبیدہؓ نے اپنے ماتحت افسروں کو طلب کیا اور پُر جوش تقریر کرنے کے بعد مشورہ چاہا کہ اس ہولناک سیلاب کا مقابلہ کیونکر کیا جا سکتا ہے؟ یزید بن ابی سفیانؓ اُٹھے اور بولے "میری رائے یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں چھوڑ کر مقابلے کے لیے نکلیں۔ ساتھ ہی خالدؓ اور عمرو بن العاصؓ کو لکھا جائے کہ وہ دمشق اور فلسطین سے چل کر ہماری مدد کو آئیں:

شرحبیل بن حسنہؓ کو اس رائے سے اتفاق نہ تھا۔ انہوں نے کہا: "یزیدؓ

کی رائے یقیناً مخلصانہ ہے۔ لیکن ہمیں اپنا ننگ و ناموس شہر کے عیسائی باشندوں کے رحم و کرم پر نہ چھوڑنا چاہیئے۔"

"تو پھر یہی صورت ہو سکتی ہے کہ عیسائیوں کو شہر بدر کر دیا جائے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔

"اے امیر! یہ صریحاً اس عہد کی خلاف ورزی ہو گی جو ہم نے اہلِ شہر سے کیا ہے اور اس کا آپ کو کوئی حق حاصل نہیں۔" شرجیل نے اُٹھ کر اعتراض کیا۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنی غلطی تسلیم کر لی۔ آخر بحث مباحثے کے بعد طے پایا کہ مفتوحہ علاقے چھوڑ کر تمام فوجیں دمشق میں مجتمع ہوں۔ قرارداد کے مطابق ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے عیسائیوں سے جو کچھ خراج اور جزیہ لیا تھا سب واپس کر دیا۔ یہ رقم کئی لاکھ بنتی تھی۔ جنگ کی صورت میں فوج کو ایک ایک حبّے کی ضرورت تھی لیکن ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی کوئی پروا نہ کی۔ عیسائیوں سے کہہ دیا کہ یہ تمہاری حفاظت کا معاوضہ تھا۔ اب کہ ہم تمہاری حفاظت سے قاصر ہیں ہمیں اس رقم سے فائدہ اُٹھانے کا کوئی حق نہیں۔ حمص کے شہریوں کا عجیب حال تھا۔ انہیں اب تک ایسے فاتحین سے واسطہ پڑا تھا جو مفتوحین کو لوٹتے اور ان کا استحصال کرتے تھے۔ مسلمانوں کے ساتھ ان کا تجربہ حیران کن تھا۔ وہ ان کی حق پسندی اور انصاف سے اس قدر متاثر تھے کہ جب اسلامی لشکر حمص سے دمشق روانہ ہوا تو وہ لوگ روتے تھے اور کہتے تھے خدا تمہیں دوبارہ واپس لائے۔

○

دمشق فتح ہو چکا تھا اور مسلم افواج فحل کے مقام پر خیمہ زن تھیں۔ رُومیوں

نے محل کے بالکل سامنے میدان میں پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ انہوں نے ابوعبیدہؓ کے پاس مصالحت کا پیغام بھیجا اور گفت وشنید کے لیے ایک سفیر بلایا۔ یہ ذمہ داری معاذ بن جبلؓ کو سونپی گئی۔ لیکن سفارت ناکام رہی۔ رومیوں نے ابوعبیدہؓ سے براہِ راست گفت گو کرنے کے لیے اپنا آدمی بھیجا۔ وہ اسلامی لشکر میں پہنچ کر حیران رہ گیا۔ سب ادنیٰ اور اعلیٰ، چھوٹا اور بڑا ایک رنگ میں ڈوبا ہوا تھا۔ افسر اور ماتحت میں کوئی تفریق نظر نہ آتی تھی۔ گھبرا کر پوچھا تمہارا کمانڈر کون ہے۔ لوگوں نے حضرت ابوعبیدہؓ کی طرف اشارہ کیا۔ اس وقت وہ فرشِ خاک پر بیٹھے تھے۔ "کیا آپ ہی کمانڈر ہیں؟" اس نے حیرت زا لہجے میں پوچھا۔

"ہاں"۔ ابوعبیدہؓ نے جواب دیا۔

"ہم آپ کی فوج کو فی کس دو دو اشرفیاں دیں گے۔ آپ لوگ یہاں سے چلے جائیں" قاصد نے پیشکش کی۔ مادہ پرست قومیں افراد انسان اور انسانیت کو مادی پیمانے پر تولتے ہیں۔ سفارت بھیجنے والوں کا خیال تھا مسلمان مفلس و قلاش ہیں، زندگی کی آسائشوں سے محروم۔ جسم پر ڈھنگ کے کپڑے تک نہیں ہیں۔ وہ ان آسائشوں کی تلاش میں یہاں آئے ہیں اور تیغ و سناں کا سہارا لیا ہے۔ ابوعبیدہؓ نے مسکرا کر انکار کر دیا۔ "ہم اشرفیاں سمیٹنے نہیں، گمی ہوئی انسانیت کو عظمت و وقار کی اس زندگی سے ہمکنار کرنے آئے ہیں جو اللہ کا آخری پیغام اپنے دامن میں رکھتا ہے۔" ان کا جواب تھا۔

○

عبداللہ بن رواحہؓ مجاہد بھی تھے اور شاعر بھی۔ مدینہ کے قبیلہ خزرج

سے تعلق تھا۔ جاہلیت اور اسلام دونوں ادوار میں بڑے مرتبے کے آدمی تھے۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر حلقۂ بگوش اسلام ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن بارہ اصحاب کو نقیب بنا کر مدینہ بھیجا، عبداللہ بن رواحہؓ ان میں سے ایک تھے۔ تمام جنگوں میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔ انتہائی نازک اور کٹھن مراحل ہوتے یا امن اور سکون کی گھڑیاں! شعر کے جذب و سوز سے لوگوں کا ایمان گرماتے اور ان میں عزم و ہمت کی رُوح پھونکتے۔ غزوۂ خندق میں ان کے رجزیہ اشعار حضورؐ کی زبانِ مبارک پر تھے۔

الٰہی! تیرا کرم نہ ہوتا تو ہمیں راہِ ہدایت نہ ملتی
نہ ہم زکوٰۃ دیتے نہ نماز پڑھتے
ہم پر اپنی سکینت نازل فرما
اور معرکے میں ثابت قدم رکھ

جنگ موتہ میں حضرت زیدؓ اور حضرت جعفرؓ یکے بعد دیگرے شہید ہوگئے تو حضورؐ کے فرمان کے مطابق عبداللہ بن رواحہؓ نے کمان سنبھالی اور ان کے رجزیہ اشعار میدان میں گونجنے لگے:

اے نفس اگر تو قتل نہ ہوا تو بھی موت آکر رہے گی۔
آج زندہ بچ بھی نکلا تو کل مرجائے گا۔

اچانک ایک کافر نے زور سے نیزہ مارا اور سینے سے خون کا فوارہ چھوٹ پڑا۔ عبداللہ نے لہو چہرے پر ملا اور پکارے: "مسلمانو اپنے بھائی

کا گوشت بچاؤ۔" یہ سنتے ہی مسلمانوں نے انہیں گھیرے میں لے لیا اور گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ اسی اثنا میں عبداللہ بن رواحہؓ کی روح پرواز کر گئی۔

○

اسلامی افواج قادسیہ کے میدان میں خیمہ زن تھیں کہ ایرانی فواج آ پہنچیں۔ ساٹھ ہزار سے زیادہ تعداد ہوگی۔ اپنے عہد کا مشہور جنگجو رستم ان کا سپہ سالار تھا۔ مسلمانوں پر پہلی نگاہ پڑتے ہی فارسی مسکرائے، پھر یہ طنزیہ مسکراہٹ حقارت میں بدل گئی۔ وہ چیخ اُٹھے:

"تمہارے سر میں ہمارے ساتھ لڑنے کا سودا سمایا ہے۔ شاید شامت آئی ہے۔ ذرا اپنی تعداد دیکھو اور پھر یہ ہتھیار۔ بہتر ہے لوٹ جاؤ کہ اسی میں سلامتی ہے۔"

مسلمانوں نے جواب دیا: "ہم واپس جانے کے لیے نہیں آئے۔"

"ان نیزوں سے تم کون سا پہاڑ گرا لو گے؟ نیزے ہیں یا چرخے کے تکلے!"

"کچھ بھی ہو۔ اب فیصلہ میدانِ جنگ میں ہوگا۔"

"اچھا تم اپنا کوئی سمجھ دار آدمی بھیجو۔ ہم یہ جاننا چاہتے ہیں تمہیں کون سی چیز یہاں ہماری تلواروں کا چارہ بنانے کے لیے لائی ہے۔"

کمانڈر انچیف سعد بن وقاصؓ نے مغیرہ بن شعبہؓ کو بھیجا۔ وہ فارسیوں کے کیمپ میں گئے اور جست لگا کر رستم کے ساتھ تخت پر بیٹھ گئے۔ فارسی طیش

کھا کر رہ گئے پھر باتیں شروع ہوئیں۔ "تمہارے پاس نہ تو بڑا لشکر ہے اور نہ سامانِ جنگ"۔ رستم نے کہا۔ "قوموں کی قسمت کے فیصلے تلواروں اور نیزوں سے زیادہ ان کے نظریات، عقیدے اور ایمان سے ہوا کرتے ہیں۔ یہ اصل قوت موجود ہو تو انسان ہتھیاروں کے بغیر بھی لڑا کرتا ہے۔ آگ میں جلانے کی خاصیت باقی رہے تو ایک چنگاری پورے جنگل کو جلا کر راکھ کر سکتی ہے۔ ہم صرف دو باتیں کہتے ہیں۔ ہماری اطاعت قبول کر لو اور جزیہ ادا کرو۔ بصورتِ دیگر تلوار فیصلہ کرے گی کہ خدا کی زمین پر کس کا پرچم لہرانا چاہیے۔ ایک خدا کو ماننے والوں کا یا آگ کے پجاریوں کا۔"

شجاعت کے بے مثال کارنامے

ہنگامۂ کارزار گرم تھا۔ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد و پیش حلقہ بنائے کفار کے تابڑ توڑ حملوں کے آگے سپر بنے ہوئے تھے۔ کفار ہر طرف سے ہٹ کر اس حلقے کو توڑنے کے لیے امڈ پڑے تھے۔ جاں نثار حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پروانہ وار فدا ہو رہے تھے۔ ایک بہادر مسلمان اس عالم میں بھی بے پروائی کے ساتھ کھڑا کھجوریں کھا رہا تھا۔ شمعِ نبوت پر پروانوں کو فدا ہوتے دیکھ کر وہ آگے بڑھا۔

"اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر میں مارا گیا تو کہاں ہوں گا؟"

اس نے پوچھا۔

"جنت میں"۔ حضورؐ نے جواب دیا۔

اس بشارت نے اسے بیخود کر دیا۔ اس نے کھجوریں پھینکیں، تلوار سونتی

اور کفار پر ٹوٹ پڑا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گیا۔

○

اسلامی افواج اور رُومی فوجیں آمنے سامنے کھڑی تھیں۔ اسلامی افواج کے کمانڈر ابو عبیدہؓ اپنی پوزیشن کا جائزہ لے رہے تھے کہ ایک عرب سوار آگے بڑھا، ابو عبیدہؓ کے قریب پہنچا اور بولا:

"اے ابو عبیدہؓ۔ میں آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے چلا ہوں۔ کیا آپ کوئی پیغام دینا چاہتے ہیں؟"

"ہاں" ابو عبیدہؓ نے کہا۔ "حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں میرا سلام عرض کرنا اور کہنا اے اللہ کے رسولؐ۔ اللہ تعالیٰ نے ہم سے فتح و کامرانی کے جو وعدے کیے تھے وہ سب پورے ہو گئے ہیں۔" اور جب جنگ ختم ہونے پر شہدا کی نعشیں دفن کرنے کے لیے جمع کی گئیں تو لوگوں نے دیکھا کہ اس شخص کی نعش کے چاروں طرف رُومیوں کے کشتے پڑے تھے۔

○

دشمن کا دباؤ بڑھ رہا تھا۔ مسلمان قدم بہ قدم پیچھے ہٹ رہے تھے۔ وہ صبح سے اپنے سے چھ گنا فوج کے ساتھ نبرد آزما تھے۔ انہوں نے بے مثال سرفروشی اور جانبازی کا مظاہرہ کیا تھا مگر دشمن کا دَل بادل تھا کہ ہجوم کیے بڑھتا آ رہا تھا۔ مسلمان ہٹتے ہٹتے کمانڈر انچیف خالدؓ کے خیمے کے قریب پہنچ گئے۔ صورتِ حال نہایت مخدوش تھی۔ ابو جہل کے بیٹے عکرمہؓ جو بہادر اور جری ہونے کے ساتھ ساتھ جنگی نشیب و فراز پر گہری نگاہ رکھنے والے کمانڈر تھے بے چین

ہو گئے اور بلند آواز سے پکارے۔

"افسوس ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو ہم تمام عمر لڑتے رہے اور آج خدا کے دشمنوں کے مقابلے میں پسپا ہو رہے ہیں" پھر پُر جوش آواز میں کہا: "مَنْ یبایع المَوْت" (کون شخص مرنے کی بیعت کرتا ہے) ان کی آواز جہاں تک پہنچی جوش بے پایاں پھیل گیا۔ عکرمہؓ کے چچا حارث بن ہشامؓ، ان کے بیٹے عمرو، ضرار بن الازور اور ان کے علاوہ چار سو نامی گرامی شہ سوار مسلمانوں نے عہد کیا کہ مر جائیں گے لیکن ایک قدم پیچھے نہ ہٹیں گے۔ خالدؓ کے خیمے کے سامنے خوفناک جنگ چھڑ گئی۔ ان چار سو جانبازوں میں سے اکثر شہید ہو گئے مگر انہوں نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ حضرت خالدؓ کے سامنے ان کی لاش لائی گئی تو انہوں نے فرمایا: "ابن الخنتمہ نے غلط کہا تھا کہ ہم لوگ جامِ شہادت بڑھ کر اٹھانے سے گریز کریں گے"۔

○

مسلمان افواج قادسیہ کے میدان میں فتح کا پرچم لہرانے کے بعد ایران کے دارالحکومت کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ مدائن کے قریب دریا کے اس پار۔ بہرہ شیر واقع تھا۔ یہاں شاہی رسالہ رہا کرتا تھا۔ اس رسالہ کے جوان ہر روز صبح سویرے حلف اٹھاتے تھے کہ جب تک ہم زندہ ہیں سلطنتِ فارس پر آنچ نہ آنے دیں گے۔ یہاں کسریٰ نے ایک شیر پال رکھا تھا۔ اسلامی افواج بہرہ شیر کے سامنے پہنچیں تو دروازہ کھلا اور شیر دھاڑتا ہوا مسلمانوں پر جھپٹا۔ مسلمان ہراول دستے کے سالار ہاشم بن عقبہ فوراً آگے بڑھے، ان کی تلوار بجلی بن کر کوندی۔

شیر کے دو ٹکڑے ہو چکے تھے۔ اللہ اکبر کی آواز سے میدان گونج اٹھا۔ اسلامی افواج کے کمانڈر سعد بن ابی وقاصؓ نے فرطِ مسرت سے اس مردِ شیر افگن کی پیشانی چوم لی۔

○

زہرہ کا شمار ان نامور فوجی افسروں میں ہوتا تھا جو میدانِ جنگ میں سب سے آگے رہتے تھے۔ ان کی زرہ بوسیدہ تھی۔ جگہ جگہ سے کڑیاں ٹوٹ چکی تھیں۔ ان کے ساتھی اکثر ان سے کہتے کہ اپنی زرہ تبدیل کر لیجئے مگر وہ ٹال دیتے۔ اسلامی افواج نے بہرہ شیر کا محاصرہ کیا تو ان کے ساتھیوں نے پھر التماس کی کہ آپ کی زرہ پھٹ چکی ہے، بدل کر دوسری پہن لیجئے۔ "میرے نصیب کہاں کہ دشمن کا تیر سب کو چھوڑ کر مجھے آ لگے"۔ دل میں چھپی ہوئی حسرت زہرہ کی زبان پر آ گئی۔

دشمن کا معمول تھا کہ کبھی کبھی قلعے سے نکل آتا اور لڑائی چھیڑ دیتا۔ ناوک فگن تیر برساتے اور شہسوار نیزہ بازی کے جوہر دکھاتے۔ گھڑی دو گھڑی کے بعد دشمن واپس قلعے میں چلا جاتا۔ اس روز بھی دشمن معمول کے مطابق میدان میں آیا۔ دونوں لشکروں میں تیروں کا تبادلہ شروع ہو گیا۔ دشمن کی تیراندازی سے مسلمانوں میں جو پہلے شخص زخمی ہوئے وہ زہرہ تھے۔ ایک تیر ان کے سینے میں پیوست ہو گیا تھا۔ کچھ لوگ تیر نکالنے کے لیے آگے بڑھے۔ "اسے مت نکالو"۔ زہرہ نے کہا۔ ان کے چہرے پر ایک عجیب سی نورانی چمک تھی۔ "یہ تیر جب تک میرے سینے میں پیوست ہے میں زندہ ہوں۔ مرنے سے پہلے میں خدا کے دشمنوں سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتا ہوں۔"

زہرہ دشمن کے لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ وہ دیر تک لڑتے رہے۔ سینے سے خون بہہ رہا تھا اور ان کی قوت زائل ہوتی جارہی تھی۔ اسی عالم میں اصطخر کا رئیس ان کے سامنے آگیا۔ انہوں نے اپنی تیغ خارا شگاف کے ایک ہی وار سے اُسے ڈھیر کر دیا۔ مگر اب ان کا اپنا سانس بھی ٹوٹ گیا۔ اس کے گرتے ہی خود بھی گر پڑے اور شہید ہو گئے۔

○

نہاوند کے معرکے نے فارس کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ درفشِ کاویانی ہمیشہ کیلئے سرنگوں ہو گیا۔ نعمان بن مقرنؓ اس معرکے میں اسلامی فوج کے سپہ سالار تھے۔ فارس اپنی بچی کھچی ساری طاقت میدان میں لے آیا تھا۔ بڑے گھمسان کی جنگ ہوئی۔ زخمیوں کی چیخ پکار اور تلواروں کی جھنکار کے سوا کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ بس گاہے گاہے اللہ اکبر کی صدا گونج اٹھتی یا کسی قاری کی تلاوتِ قرآن سے تنبۂ روح میں موجزن سرفروشی کے ولولے کو اور زندگی مل جاتی۔ کشت و خون کا یہ عالم تھا کہ گھوڑوں کے پاؤں پھسل پھسل جاتے۔ اچانک ایک تیر نعمان بن مقرنؓ کو لگا۔ ساتھ ہی ان کے گھوڑے کا پاؤں پھسلا اور وہ شدید زخمی حالت میں زمین پر آ رہے۔ گرتے ہی پکارے:

"مسلمانو! میری فکر نہ کرو، لڑائی جاری رکھو۔"

غروب آفتاب کے بعد دشمن بھاگ نکلا۔ فتح کے بعد ایک سپاہی ان کے قریب سے گزرا۔ دیکھا کہ نعمانؓ دم توڑ رہے ہیں۔ وہ سرہانے آکر بیٹھ گیا۔ ان کا سر اپنے زانو پر رکھا۔ نعمانؓ نے آنکھیں کھولیں، ڈوبتی ہوئی آواز میں پوچھا:

"جنگ کا کیا بنا؟"
"اللہ نے مسلمانوں کو فتح نصیب کی ہے" سپاہی نے جواب دیا۔
نعمانؓ کے پیلے چہرے پر زندگی کی ہلکی سی لہر دوڑ گئی۔ "الحمد للہ۔" انہوں نے
کہا اور پھر جیسے ڈوبتی ہوئی سانس کی ہچکیوں سے بولے: "یہ خوشخبری امیرالمومنین کو فوراً
پہنچا دو۔" اور پھر حیاتِ جاوید سے ہمکنار ہو گئے۔

○

محرم ۱۴ھ کا واقعہ ہے۔ افواج اسلامی سعد بن ابی وقاصؓ کی قیادت میں قادسیہ
کے مقام پر ایرانیوں سے معرکہ آرا تھیں۔ ایرانی فوج کا کمانڈر ان کا عظیم المرتبت
جرنیل رستم تھا۔ جنگ کا دوسرا روز تھا۔ گھمسان کا رن پڑ رہا تھا۔ سرفروش جانیں پیش
کر کے سرخرو ہو رہے تھے۔ سعدؓ بیمار تھے اس لیے جنگ میں شریک نہ تھے۔
قصرِ قادسیہ کے بالا خانے ہی سے افواج کی کمان کر رہے تھے۔ محل کے ایک کمرے
میں ایک قیدی پابہ زنجیر بیٹھا تھا۔ بُشرے سے بے حد پریشان دکھائی دیتا تھا۔ اس
کی نگاہیں میدان جنگ پر مرکوز تھیں۔ آنکھوں سے غم و حزن ٹپک رہا تھا۔ حضرت
سعدؓ کی بیوی سلمیٰ کا کسی کام سے ادھر گزر ہوا۔ قیدی اپنی بوجھل زنجیریں سنبھالتا
ہوا اٹھا لڑکھڑاتا ہوا ان کے پاس پہنچا اور عرض کی:

"خدا کے لیے مجھے چھوڑ دیجیے، لڑائی سے جیتا بچا رہا تو خود آکر زنجیر
پہن لوں گا۔"

سلمیٰ نے انکار کر دیا۔ غم حسرت کے مارے قیدی اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اس کی نگاہ
میدانِ جنگ پر گڑی ہوئی تھی؛ جانباز سوار اور پیادے اللہ کی راہ میں جانیں دے رہے

تھے، بے اختیار زبان پر شعر جاری ہو گئے۔

(ترجمہ)

اس سے بڑھ کر غمناک بات کیا ہو گی کہ سوار نیزہ بازی میں مصروف ہیں

اور میں قید میں پڑا ہوں۔

اُٹھنا چاہتا ہوں تو زنجیریں اُٹھنے نہیں دیتیں، دروازے اس طرح بند

کر دیے گئے ہیں کہ پکار پکار کر رہ جاتا ہوں مگر کوئی کان نہیں دھرتا۔

ایک زمانہ تھا کہ میں بڑا مالدار اور برادری والا تھا لیکن آج تنہا ہوں اور

کوئی رفیق اور غمگسار نہیں۔

مجھے یہ غم کھائے جاتا ہے کہ ہر صبح طلوع ہونے والا سورج مجھے زنجیروں

میں جکڑا ہوا اور خاموش پاتا ہے۔

گھمسان کا رن پڑ رہا ہے لوگ [illegible] ور سرفروشی کا مظاہرہ کر رہے ہیں

اور میری حالت دگرگوں ہے۔

اے خاتونِ محترم، میرے ہتھیار مجھے دیجئے، جنگ طول پکڑتی جاتی ہے۔

خدا کی قسم میں بدعہدی نہیں کروں گا، نہ دھوکے فریب سے کام لوں گا۔

زندہ بچ رہا تو واپس آ جاؤں گا۔

اور مارا گیا تو گویا دل کی مراد پوری ہو جائے گی۔

قیدی کی آواز درد و سوز میں ڈوبی ہوئی تھی۔ گویا وہ خود نہیں بول رہا تھا

اس کی حسرتِ دل اور شوقِ جہاد و غزا بول رہا تھا۔ سلمیٰ کا دل پسیج گیا۔ انہوں

نے قیدی کی زنجیریں کھول دیں۔ قیدی نے نیزہ اُٹھایا اور سعد کے گھوڑے جبر

پر سوار ہو کر فراٹے بھرتا ہوا میدانِ جنگ میں جا پہنچا۔ پھر دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ جس طرف کا رُخ کیا صفیں کی صفیں تہہ و بالا ہوتی چلی گئیں۔ میمنہ سے میسرہ تک وہ برق رفتاری سے چکر کاٹ رہا تھا۔ دشمن اس پر بار بار پلٹہ بولتا مگر اس کے نیزے کی اَنی کے آگے کائی کی طرح پھٹ جاتا۔ مسلمان سپاہی متحیر تھے کہ یہ کون بہادر ہے۔ اس کے ان برق آسا حملوں سے دوسرے مجاہدین میں جوش و حرارت کی لہر دوڑ گئی۔

حضرت سعدؓ بھی بالا خانے پر بیٹھے اس منظر کو دیکھ رہے تھے وہ حیران تھے کہ یہ جری جوان کون ہے۔ گھوڑا تو ہو بہو ان کا بلقا ہے اور اس جوان کے حملوں کا انداز ابو محجن ثقفی کا سا ہے مگر وہ تو قید میں ہے۔

جنگ کا فیصلہ اس روز نہ ہو سکا۔ رات آنے پر ابو محجن میدانِ جنگ سے لوٹ آیا اور زنجیریں خود بخود پہن لیں۔ اسلامی لشکر میں ہر طرف اس شہسوار کا چرچا تھا۔ عموماً یہی خیال تھا کہ وہ کوئی غیبی فرشتہ تھا جو مسلمانوں کے حوصلے بلند کرنے آیا تھا۔ رات کو یہی ذکر حضرت سعدؓ کے دسترخوان پر چھڑ گیا۔ ان کی بیوی سلمیٰ کہنے لگیں۔ وہ ابو محجن تھا اور ساری داستان سنا دی۔

ابو محجن کو حضرت سعدؓ نے شراب نوشی کے جرم میں قید کر رکھا تھا۔ اسی وقت اٹھے اس کو رہا کر دیا اور فرمایا۔

"جو شخص یہ دو غزہ کا اس قدر شیدائی اور اسلام اور اہل اسلام پر نثار ہو میں اسے شراب نوشی کی سزا نہیں دوں گا۔"

ابو محجن نے بھی کہا۔ میں شراب پیتا ہی اس لیے تھا کہ حد لگنے سے

پاک ہو جاؤں گا۔ آج سے میں کبھی دخترِ رز کو منہ نہ لگاؤں گا۔

○

چاندنی رات تھی۔ ہر طرف سناٹا طاری تھا۔ ایرانی کیمپ دُور دُور تک پھیلا ہوا تھا۔ طلیحہ اسلامی فوج کی انٹیلی جنس کے ایک افسر اور نامور شہسوار نہایت خاموشی سے کیمپ میں داخل ہو گئے۔ ایرانی خیموں کے باہر فرشِ زمین پر لیٹے خراٹے بھر رہے تھے۔ کہیں کہیں خیموں سے آوازیں آ رہی تھیں شاید وہ پہریدار تھے اور بے فکر بیٹھے تھے کہ لشکر کے عین وسط میں کون شخص پہنچ سکتا ہے! طلیحہ ان سے بچتے بچاتے سارے کیمپ میں گھومتے پھرتے رہے۔ اب مشرقی افق سے سپیدۂ سحر نمودار ہو چلا تھا۔ طلیحہ ایک بہت بڑے سفید خیمے کے قریب پہنچے۔ کچھ لشکری بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور کچھ پڑے سو رہے تھے۔ پاس ہی ایک کوتل گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ سپاہیوں نے دُور سے ایک سائے کو آتے دیکھا تو سمجھے اپنی ہی فوج کا کوئی آدمی ہے۔ سایہ قریب پہنچا تو ایک عرب کو دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ ابھی وہ عالمِ حیرت میں دیکھ ہی رہے تھے کہ طلیحہ نے تلوار نکالی۔ گھوڑے کی باگ کاٹ کر ہاتھ میں لی اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ دونوں گھوڑے چشم زدن میں ہوا سے باتیں کرنے لگے۔ اتنے میں ایرانی سنبھل چکے تھے وہ شور مچا کر پیچھے دوڑے۔ سارے کیمپ میں ہلچل مچ گئی۔ پکڑو پکڑو کا شور ہر طرف برپا ہو گیا۔ لوگ زین کے بغیر ہی گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے۔

صبح کی روشنی خاصی پھیل چکی تھی۔ دشمن ابھی تک طلیحہ کا پیچھا کر رہا تھا۔ تین شہسوار تو بالکل قریب پہنچ گئے تھے۔ چند منٹ کے بعد ایک شہسوار ان کے

سر پر تھا۔ اس نے طلیحہ پر حملہ کرنے کے لیے نیزہ بلند کیا۔ طلیحہ نے گھوڑے کو فوراً کاداد یا اور ایک طرف ہو گئے۔ ایرانی شہسوار اپنے زور میں آگے نکلتا چلا گیا۔ طلیحہ نے تلوار اس انداز سے لہرائی کہ اس کا گھوڑا بھڑک اٹھا اور ایرانی منہ کے بل زمین پر آرہا۔ طلیحہ نے اپنا نیزہ اس کی پشت میں پیوست کر دیا۔ اس عرصے میں دوسرا شہسوار بھی پہنچ گیا تھا۔ طلیحہ نے پھر وہی داؤ کھیلا۔ وہ بھی اوندھے منہ گرا اور اس کے گرتے ہی طلیحہ کی تلوار اپنا کام کر چکی تھی۔ تیسرے شہسوار نے اپنے دو ساتھیوں کو خاک و خون میں تڑپتے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا وہ دونوں اس کے چچا زاد بھائی تھے اور ایک ایک ہزار شہسواروں کے برابر تھے۔ اس نے جوش غضب میں طلیحہ پر نیزے کا وار کیا لیکن طلیحہ پہل کر چکے تھے۔ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور ساتھ ہی ایرانی زمین پر آرہا۔ طلیحہ نے کہا:

"جان کی خیر چاہتے ہو تو ہتھیار ڈال دو۔"

ایرانی نے حکم کی تعمیل کی۔ اس بھاگ دوڑ میں طلیحہ اس طرف جا نکلے تھے جہاں ایرانی فوج کا بایاں بازو جنگ کے لیے صفیں باندھ رہا تھا مگر وہ ذرا بھی نہ جھجکے۔ اپنے قیدی کو لیے تلوار لہراتے دشمن کے لشکر کو چیرتے ہوئے نکل گئے۔

طلیحہ اپنے قیدی کو لے کر کمانڈر انچیف حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے پوچھا کیا خبر لائے ہو:

"میں ان کے کیمپ کے اندر چلا گیا تھا اور رات بھر گھومتا پھرتا رہا۔ ان کے ایک آدمی کو پکڑ لایا ہوں۔ کوئی ممتاز شخص معلوم ہوتا ہے۔ میں نے غلط کیا یا

یہی یہ شخص موجود ہے۔ آپ اس سے دریافت کر لیجیے۔ طلیحہ نے کہا۔

ایرانی نے طلیحہ کی شجاعت اور بے خوفی کی بڑی تعریف کی جو ایک لاکھ سے زیادہ لشکر میں سے بڑی بے خوفی اور جرأت کے ساتھ نکل آئے تھے۔ انہوں نے ایرانی لشکر کے متعلق بڑی اہم معلومات فراہم کیں۔ بعد ازاں مسلمانوں کے حسنِ سلوک، بہادری اور دیگر اخلاقی محاسن سے اس قدر متأثر ہوا کہ مسلمان ہو گیا۔ سعد ابنِ ابی وقاصؓ نے اس کا نام مسلم رکھا۔ وہ طلیحہ کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک ہوا۔ وہ مسلمانوں سے اکثر کہا کرتا تھا: ”خدا کی قسم جب تک تم لوگ وفاداری، صدق و اخلاص، خیر و صلاح، غم خواری اور ہمدردی کے اوصاف سے بہرہ ور رہو گے تمہیں کبھی شکست نہ ہو گی۔“

○

قادسیہ کی جنگ کا تیسرا روز تھا۔ عام جنگ شروع ہونے سے پہلے ایک گرانڈیل ایرانی پہلوان اسلحے میں غرق میدان میں نکلا اور مسلمانوں کو دعوتِ مبارزت دی۔ مسلمانوں نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ پھر چلایا ”کوئی ہے جو میرے مقابلے میں آئے۔“ ادھر پھر خاموشی طاری رہی۔ اس نے پھر للکارا۔

اس کی للکار سن کر ایک پستہ قد مجاہد شبر بن علقمہ آگے بڑھے اور پکارے۔ ”اے مسلمانو، میں اس کے مقابلے میں جاتا ہوں اور اس کا سرِ مغرور خاک میں ملاتا ہوں۔“

وہ تلوار اور نیزہ سنبھالے مقابلے میں جا پہنچے۔ ایرانی نے ایک نظر ان پر ڈالی اور پھر حقارت بھرا قہقہہ لگایا۔ شبر پیدل تھے۔ ایرانی بھی گھوڑے سے اُتر

آیا۔ دونوں گتھم گتھا ہو گئے اور لوگوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی، جب انہوں نے دیکھا کہ شبر نے اس گرانڈیل پہلوان کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا اور اس کے سینے پر سوار ہو گئے۔ اسے قتل کرنے کے لیے اپنی تلوار نکالی۔ ایرانی نے اپنے گھوڑے کی رسی کا سرا پٹکے سے باندھ رکھا تھا، شبرؓ نے تلوار نکالی تو گھوڑا ابدکا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ شبر بڑی مضبوطی سے اس کے سینے پر سوار تھے۔ ایرانی چلانے لگے۔

شبر نے باآوازِ بلند کہا:

"تم خواہ کتنا ہی چلاؤ، میں اسے قتل کیے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔"

چنانچہ گھسٹتے گھسٹتے ہی انہوں نے ایرانی کو قتل کر دیا۔

مسلمانوں کی صف سے اللہ اکبر کا ہیبت ناک نعرہ گونجا۔ ادھر ایرانی صفوں پر مردنی چھا گئی۔ شبر بڑے اطمینان سے اس کے سینے پر سے اٹھے۔ اس کا سامان لیا اور گھوڑے کی باگ پکڑ کر اپنے لشکر میں آ گئے۔

دلیر خواتین، کم سن غازی

اسلامی تاریخِ جہاد کا ایک باب مسلمان خواتین اور بچوں نے بھی لکھا ہے۔ زخمیوں کی مرہم پٹی اور انہیں پانی پلانے کا کام بالعموم عورتیں ہی انجام دیتی تھیں۔ خندق کی جنگ میں مسجدِ نبوی میں طبی امداد کا مرکز ایک خیمے میں قائم کر دیا گیا تھا جس کی نگران رفیدہ تھیں۔ شام اور عراق کی جنگوں میں مسلمان خواتین زخمیوں کی مرہم پٹی کے علاوہ قبریں کھود کر شہدا کو دفن بھی کرتی تھیں اور بچے ان کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ غزوہ احد میں شہر کی حفاظت لڑکوں کے سپرد کر دی

گئی جنگِ احزاب کے موقع پر جب خندق کھودی گئی تو اس میں دس دس بارہ بارہ سال کے لڑکوں نے بھی حصّہ لیا۔ چھوٹے چھوٹے لڑکے بڑے جوش و جذبے سے مٹی کھودتے اور ٹوکریاں بھر بھر کر لے جاتے تھے۔ ان کاموں کے علاوہ عورتوں اور بچوں نے جنگ میں باقاعدہ حصّہ بھی لیا۔ تاریخ کے دامن میں اس سلسلے میں بے شمار واقعات ملتے ہیں۔

○

بدر کی جنگ میں مسلمان مدینہ سے روانہ ہوئے۔ شہر سے ایک میل آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا جائزہ لیا۔ جو کم عمر تھے انہیں واپس کر دیا۔ سعد بن ابی وقاصؓ کے بھائی عمیرؓ کم سن بچے تھے۔ انہیں واپسی کے لیے کہا گیا تو رونے لگے۔ یہ ذوق و شوق دیکھ کر حضورؐ نے انہیں ساتھ چلنے کی اجازت عطا فرمائی۔ اُحد کی جنگ میں بھی ایسا ہی ہوا۔ حضورؐ نے فوج کا معائنہ فرما کر کم سن بچوں کو لوٹا دیا۔ زید بن ثابتؓ، براء بن عازبؓ، ابوسعید خدریؓ، عبداللہ ابن عمرؓ و عرابہ اوسیؓ ان میں شامل تھے۔ حضور معائنہ کرتے ہوئے رافع بن خدیجؓ کے پاس پہنچے تو فرمایا: "تم عمر میں چھوٹے ہو، واپس جاؤ۔" وہ پنجوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے تاکہ اونچے دکھائی دیں۔ حضورؐ مسکرائے اور انہیں لے لیا۔ سمرہؓ بھی انہی کے ہم عمر تھے۔ حضورؐ نے انہیں واپس جانے کو فرمایا تو انہوں نے عرض کی میں رافع کو کشتی میں پچھاڑ لیتا ہوں۔ ان کو اگر اجازت ملتی ہے تو مجھ کو بھی ملنی چاہیے۔ دونوں کی کشتی ہوئی، سمرہؓ نے واقعی رافع کو پچھاڑ دیا اور انہیں اجازت مل گئی۔

○

مسلمان مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی قیادت میں کفّار کے ساتھ نبرد آزما تھے۔ مستورات کو قلعے میں بھیج دیا گیا تھا اور ان کی حفاظت کے لیے مشہور شاعر حضرت حسّان بن ثابتؓ متعین کر دیے گئے تھے۔ یہ قلعہ بنو قریظہ کی آبادی کے قریب تھا۔ یہودیوں نے جب دیکھا کہ سارے مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ہیں اور قلعہ کے تحفظ کے لیے کوئی اہتمام نہیں کیا گیا تو انہوں نے حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک یہودی کو قلعے کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا گیا۔ وہ قلعے کا چکر کاٹتے ہوئے پھاٹک تک جا پہنچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی پھوپھی حضرت صفیہؓ نے اسے دیکھ لیا۔ حسّانؓ سے کہا کہ نیچے اتر کر اس کو قتل کر دو ورنہ یہ دشمن کو قلعے کے غیر محفوظ ہونے کی اطلاع پہنچا دے گا۔

حضرت حسّانؓ جو کسی بیماری کی وجہ سے بزدل ہو گئے تھے۔ لڑائی اور قتل و خونریزی سے نہ صرف گریز کرتے تھے بلکہ اس نظارے کی تاب بھی نہ لا سکتے تھے۔

"اگر میں اس کام کا ہوتا تو آپ مجھے یہاں کیوں پاتیں" حسّانؓ نے جواب دیا۔ حضرت صفیہؓ نے خیمے کی چوب اکھاڑ لی اور قلعے سے اتر کر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔ حضرت صفیہؓ واپس چلی آئیں اور حسّانؓ سے کہا:

"جاؤ اس کے ہتھیار اور کپڑے لے آؤ"

"مجھے ان کی ضرورت نہیں" انہوں نے جواب دیا۔

"تو پھر اس کا سر کاٹ لاؤ اور فصیل سے باہر پھینک دو، دشمن مرعوب ہو

جائے گا اور قلعے کا رُخ نہیں کرے گا۔"

"یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکے گا!" حسان رضؓ نے پھر معذرت کی۔

آخر حضرت صفیہ رضؓ خود گئیں یہودی کا سر کاٹا اور قلعہ سے نیچے پھینک دیا۔ یہودیوں کو یقین ہو گیا کہ قلعے میں فوج موجود ہے؛ چنانچہ انہیں حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

○

مرج الصفر کی جنگ بے حد ہولناک تھی۔ اسلامی افواج دمشق کی طرف بڑھ رہی تھیں کہ رومیوں کے عظیم الشان لشکر نے مرج الصفر کے مقام پر ان کو روکنے کی کوشش کی۔ گھمسان کا رن پڑا۔ اس قدر خونریزی ہوئی کہ خون پانی کی طرح بہنے لگا۔ چار ہزار نادر مسلمان شہید ہو گئے۔ ان میں خالد بن سعید بن العاص رضؓ بھی تھے۔ خالد رضؓ نے اسی رات اُمِ حکیم بنت الحارث سے شادی کی تھی۔ اُمِ حکیم نے جب سنا کہ ان کے شوہر شہید ہو گئے ہیں تو وہ خیمے سے نکل آئیں۔ شب عروسی کا غازہ ابھی تک ان کے چہرے پر ملا ہوا تھا۔ فرطِ جوش سے ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ انہوں نے خیمے کا بم کھینچ لیا اور دشمن پر خونخوار شیرنی کی طرح ٹوٹ پڑیں۔ وہ دیر تک لڑتی رہیں، جس طرف بڑھ جاتیں دشمن کی صفیں الٹ جاتیں۔ خیمے کا بم نیزے سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوا۔ اس روز اُمِ حکیم رضؓ نے بڑے سات آدمی قتل کیے۔

○

یرموک کے میدان میں دشمن کا دباؤ اتنا سخت تھا کہ مسلمانوں کے قدم

اکھڑ گئے۔ وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے عورتوں کے خیموں کے قریب پہنچ گئے۔ عورتوں نے جب مسلمانوں کو پسپا ہوتے دیکھا تو انہوں نے خیموں کی چوبیں اکھاڑیں اور چلّائیں:

"خبردار، اگر میدان سے بھاگے تو پھر ہمارا منہ نہ دیکھ سکو گے۔" یہ کہہ کر وہ ہجوم کرتے ہوئے دشمن پر پل پڑیں۔ ضرار بن الازورؓ کی بہن خولہ سب سے آگے تھیں۔ عورتوں کے غیرت دلانے پر مجاہدین بھی سنبھل گئے۔ عورتیں بڑی بہادری سے لڑیں۔ بہت سے رومیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ کئی خود بھی زخمی ہوگئیں۔ ابو سفیانؓ کی صاحبزادی جویریہؓ شہید ہوگئیں۔

یہ صورتِ حال کئی بار پیش آئی۔ مسلمان دشمن کے حملے کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹتے اور عورتیں میدانِ جنگ میں آجاتیں۔ عورتوں کے اس جراَت مندانہ کردار نے بالآخر جنگ کا نقشہ بدل ڈالا۔ مسلمان پہاڑ کی طرح جم گئے اور دشمن کو شکست دینے میں کامیاب رہے۔

معجزے ہی معجزے

غفاری اور اس کے چچازاد بھائی پہاڑی پر کھڑے تھے۔ نیچے بدر کے میدان میں حق و باطل کے درمیان فیصلہ کُن جنگ لڑی جا رہی تھی۔ مدینے کے مسلمان اپنے تیزوں کی اَنی اور رگ گلو کے خون سے اسلام کی تاریخ جہاد کا پہلا باب لکھ رہے تھے۔ کفارِ قریش کا لشکر کثرتِ تعداد اور ساز و سامان دونوں لحاظ سے مسلمانوں سے برتر تھا۔ غفاری اور اس کے بھائی کو یقین تھا کہ قریش فتح یاب ہوں گے۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ جونہی مسلمان بھاگیں گے وہ لُوٹ میں شریک ہوجائیں گے۔

اچانک انہیں اپنے سر پر گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی۔ دونوں کی نگاہیں بیک وقت اوپر اٹھیں۔ بادل کا ایک ٹکڑا میدان کی طرف اُڑا جا رہا تھا۔ آواز اس کے اندر سے آ رہی تھی۔ ابھی دونوں دم بخود کھڑے تھے کہ بادل کے اندر سے آواز آئی :

"حیزوم آگے بڑھو۔"

غفاری کا خوف و دہشت سے بُرا حال تھا۔ اسے اپنا دل سینے میں ڈوبتا محسوس ہوا۔ اس نے اپنے بھائی کی طرف دیکھا۔ اس کی حالت اور بھی غیر تھی۔ رنگ پیلا زرد پڑ گیا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے غفاری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دائیں ہاتھ سے اس نے اپنا دل پکڑ رکھا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ گرا اور مر گیا۔ تھوڑی دیر بعد غفاری نے دیکھا قریش میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے ہیں اور مسلمان ان کا تعاقب کر رہے ہیں۔

کئی سال گزر گئے۔ بدر میں سر بلند ہونے والا پرچم اسلام اب قیصر و کسریٰ کے محلات پر لہرا رہا تھا۔ غفاری بھی مسلمان ہو چکا تھا۔ وہ بدر کے اس واقعے کا ذکر لوگوں سے کرتا تو لوگ تعجب کا اظہار کرتے۔ ہوتے ہوتے یہ بات عبداللہ بن ابوبکرؓ تک پہنچی۔ عبداللہؓ نے کہا۔

"تم لوگ تعجب کرتے ہو؟ اگر میری بینائی سلامت ہوتی تو تمہیں لے جا کر وہ گھاٹی دکھاتا جس میں سے فرشتوں کو نکلتے ہوئے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔"

○

کفار کو مدینۃ النبی کا محاصرہ کیے بائیس روز ہو چکے تھے۔ محاصرہ اتنا طول

پکڑ جائے گا، اس کی انہیں اُمید نہ تھی۔ دس ہزار فوج مدینے پر کیا نشیب اور کیا فراز ہر طرف سے اُمڈ پڑی تھی۔ یہودی قبیلہ بنو نضیر بھی جسے اُس کی ریشہ دوانیوں کی بنا پر مدینے سے نکال دیا گیا تھا اور جو اس حملے کا محرک تھا، کفار کے ساتھ تھا۔ چند روز بعد مدینے کا دوسرا قبیلہ بنو قریظہ بھی ان کے ساتھ جا ملا۔ لیکن مدینہ پھر بھی غیر مفتوح تھا۔ مدینے کے تین اطراف میں پہاڑیاں اور نخلستان تھے۔ صرف شمالی رُخ کھلا تھا۔ حضرت سلمان فارسیؓ کی تجویز کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف پانچ گز گہری خندق کھودلی تھی۔ عربوں کے لیے مورچہ بندی کا یہ بالکل نیا ڈھنگ تھا۔ وہ اس خندق کے ساتھ بس ٹکرا کر رہ گئے۔ دست بدست عام جنگ کی نوبت نہ آنے دی۔

محاصرہ جیسے جیسے طول پکڑتا جا رہا تھا کفار کی ہمت پست ہوتی جاتی تھی۔ دس ہزار فوج کے لیے ایک لمبے عرصے تک رسد کی فراہمی کوئی آسان کام نہ تھا۔ پھر مسلمانوں کی تدبیروں سے قریش اور بنو قریظہ میں پھوٹ پڑ گئی تھی۔ ایک روز اچانک ہوا چلنے لگی جو بڑھتے بڑھتے طوفان بن گئی۔ جاڑے کا موسم تھا ٹھنڈی یخ ہوا سینہ چیرے دیتی تھی۔ اس سے بڑھ کر آفت یہ تھی کہ خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں۔ چولہوں پر رکھے ہوئے کھانے کے دیگچے اُلٹ گئے۔ کفار کی فوج میں افراتفری مچ گئی۔ ان کی ہمتیں تو پہلے ہی پست ہو چکی تھیں۔ اس خدائی امداد نے انہیں محاصرہ اٹھا کر چلے جانے پر مجبور کر دیا۔

مدینۃ النبیؐ کا اُفق صاف ہو چکا تھا۔

○

دریائے دجلہ کے اس پار مداین کے سر بفلک محلات مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کی روشنی میں صاف نظر آ رہے تھے۔ اسلامی افواج دریا کے اس کنارے پر کھڑی تھیں۔ دریا شدید طغیانی پر تھا موجوں کے تلاطم سے شور برپا تھا۔ دوسرے کنارے پر ایرانی فوجیں مورچہ بندی کیے کھڑی تھیں۔ یزدجرد نے دارالحکومت کو بچانے کے لیے فارس کی ساری طاقت دریا کے کنارے لا ڈالی تھی۔

مسلمان افواج قادسیہ کی فتح کے بعد شہر پر شہر فتح کرتی بڑھ رہی تھیں کسی تاخیر کے بغیر دریا عبور کرنا چاہتی تھیں۔ لیکن ایرانیوں نے کشتیوں پر قبضہ کر کے پل توڑ ڈالا تھا۔ اسلامی لشکر کے کمانڈر سعد بن ابی وقاص نے صورتِ حال کا جائزہ لیا اور دریا کو پار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"مجاہدینِ اسلام" سعدؓ نے فوج سے خطاب کرتے ہوئے کہا "دشمن تک پہنچنے کے لیے دریا عبور کرنا ضروری ہے۔ ہم دشمن کی سرزمین میں ہیں۔ اس کے پاس کشتیاں ہیں اور وہ کسی وقت بھی حملہ آور ہو سکتا ہے۔ اس سے پہلے کہ دشمن کو سنبھلنے کا موقع ملے اور وہ ہمیں گھیر لے۔ میں نے دریا عبور کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے آپ سب حضرات تیار ہو جائیں۔"

"اللہ ہمیں حق و ہدایت کی خاطر عزمِ صمیم کی توفیق دے ہم حکم کی تعمیل کریں گے۔" ساری فوج نے بیک زبان کہا۔

سب سے پہلے عاصم بن عمروؓ کی کمان میں ہولناک دستہ رکتیبہ الاہوال، گھوڑے پر سوار دریا میں داخل ہوا۔ یہ دستہ ان جوانمردوں پر مشتمل تھا جو نیزہ بازی، تیراندازی اور شمشیر زنی تینوں میں کمال رکھتے تھے۔ اس دستے کا کام یہ تھا کہ دوسرے

کنارے پر کھڑی ہوئی ایرانی فوجوں کو پیچھے ہٹائے تاکہ باقی فوج آسانی کے ساتھ دریا عبور کر سکے۔ ایرانیوں نے مسلمانوں کو بڑھتے دیکھا تو تیر اندازی شروع کر دی۔ کتیبۃ الاہوال نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا اور اس شدت سے تیر برسائے کہ ایرانی کنارہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔

اتنے میں اصل فوج بھی دریا میں اتر گئی۔ ہر شخص گھوڑے پر سوار تھا۔ سعد بن ابی وقاص رضؓ سب سے آگے تھے۔ ان کے ساتھ دائیں جانب سلمان فارسیؓ تھے۔ باقی فوج دو دو کی قطار میں ان دونوں حضرات کے پیچھے تھی۔ سعدؓ کی زبان پر دعا جاری تھی۔ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل (ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین سہارا ہے) اگا ہے گاہے وہ بڑے یقین و اعتماد سے پکار اٹھتے:
"خدا کی قسم، اللہ ضرور اپنے دوست کی مدد کرے گا۔ اپنے دین کو غلبہ عطا کرے گا اور اپنے دشمن کو شکست دے گا۔ بشرطیکہ اسلامی لشکر میں بغاوت اور گناہ نیکیوں پر غالب نہ ہوں۔"

ایرانی دوسرے کنارے پر بڑی حیرت کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ دریا یہ تلاطم جوش مار رہا تھا اور مسلمان گھوڑوں کی باگ تھامے دو دو کی قطار میں آپس میں باتیں کرتے بڑے اطمینان سے چلے آتے تھے جیسے وہ خشکی پر سفر کر رہے ہوں۔ ایرانی یہ حیرت ناک منظر دیکھ کر چیخ اٹھے۔ دیواں آمدند دیواں آمدند یہ لوگ انسان نہیں جن ہیں اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

اسلامی لشکر خیر و عافیت کے ساتھ دریا کے کنارے پر پہنچ گیا نہ تو کوئی آدمی غرق ہوا اور نہ کوئی شے ضائع ہوئی۔ البتہ ایک سپاہی مالک بن عامر کا چوبی پیالہ

دریا میں گر پڑا۔ بعد ازاں وہ بھی مل گیا۔

اسلامی افواج مدائن میں داخل ہوئیں تو وہاں ایک آدمی بھی نہ تھا سب لوگ بھاگ گئے تھے۔ عراقِ عرب میں ایرانی تاریخ کا ایک باب ختم ہو گیا تھا۔

○

عمر بن خطابؓ مدینہ منورہ میں منبرِ نبوی پر کھڑے جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ نمازی ہمہ تن گوش بیٹھے تھے۔ اچانک انہوں نے نگاہ اُٹھا کر دُور فضا میں دیکھا۔ چہرے پر فکر و اضطراب کے سائے دوڑ گئے اور پھر زور سے پکار اُٹھے —— یَاسَارِیَۃُ اِلَی الْجَبَل یَاسَارِیَۃُ اِلَی الْجَبَل —— اے ساریہ پہاڑ کی طرف، اے ساریہ پہاڑ کی طرف۔

نمازی سخت حیران تھے۔ امیر المومنین ساریہؓ کو آواز دے رہے تھے، حالانکہ وہ سینکڑوں میل دُور شام میں اسلامی فوج کی کمان کر رہے تھے۔

نماز ہو چکی تو ایک شخص نے اٹھ کر دریافت کیا:

"امیر المومنین! آپ ساریہؓ کو آواز دے رہے تھے؟"

"میں نے دیکھا" امیر المومنین نے جواب دیا "ساریہ کی فوج دشمن کے دباؤ کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹ رہی ہے۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں شکست نہ ہو جائے۔ بے اختیار میری زبان سے نکل گیا ساریہ پہاڑ کی آڑ لو، پہاڑ کی آڑ لو"

کئی ہفتے گزر گئے۔ شام سے قاصد فتح کی خوشخبری لے کر مدینے پہنچا تو اُس نے لوگوں کو یہ واقعہ انتہائی حیرت و تعجب کے ساتھ سنایا۔ "جمعہ کا دن تھا۔ سایہ ڈھل چکا تھا ہم دشمن سے لڑ رہے تھے۔ پہاڑ ہمارے بائیں ہاتھ پر تھا

ہمارے قدم اکھڑ چکے تھے۔ اچانک آواز آئی۔ یَاسَارِیَۃُ الی الجبل یاساریۃ الی الجبل۔

آواز بالکل امیرالمومنین کی معلوم ہوتی تھی، چنانچہ ہم نے اس آواز کی ہدایت پر پہاڑ کی آڑ لے لی۔ ہمارے اکھڑے ہوئے قدم جم گئے اور اللہ نے ہمیں فتح عنایت کی۔"

○

دمشق پر قبضہ کرنے کے بعد مسلمانوں نے حمص کو جا گھیرا۔ جاڑے کا موسم تھا۔ حمص کی شہر پناہ نہایت مستحکم اور ناقابلِ تسخیر تھی۔ شہر کے اندر خوراک اور پانی کا وافر ذخیرہ تھا۔ اہلِ حمص مقابلہ کئے بغیر کئی مہینے تک محصور رہ سکتے تھے۔ مسلمان نہ تو سخت سردی برداشت کرنے کے عادی تھے اور نہ ان کے پاس سردی سے بچنے کا سامان ہی تھا۔ اہلِ حمص کا خیال تھا مسلمان سردی کی تاب نہ لا کر محاصرہ اٹھا لیں گے ورنہ اس کے باعث تباہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ وہ محصور ہو کر بیٹھ رہے۔

سردی کڑاکے کی پڑی۔ برف باری بھی اتنی شدید ہوئی کہ خدا کی پناہ۔ مگر عجیب بات تھی صحرائے عرب کے رہنے والے اس سے ذرا بھی متاثر نہ ہوئے جیسے وہ ہمیشہ سے سرد خطے کے رہنے والے ہوں۔

جاڑا گزر گیا۔ اہلِ حمص کی امیدیں خاک میں مل گئیں۔ مسلمانوں کا بال تک بیکا نہ ہوا۔ ایک جہاندیدہ بڈھے نے مشورہ دیا کہ ایسی سخت جان قوم سے مقابلہ مشکل ہے مگر کسی نے اس مشورے پر کان نہ دھرا کہنے لگے۔

"جاڑے میں بچ نکلے تو کیا ڈر اگر میاں آ لینے دو۔ برسام ایک مرض جس

سے مریض کا جسم سُوج جاتا ہے اور وہ ہذیان بکنے لگتا ہے) ان کا قلع قمع کر دے گا۔"

بُڈھے نے کہا: "تم لوگ خیالِ خام میں مبتلا ہو، واقعات شہادت دیتے ہیں کہ تائیدِ غیبی اور نصرتِ خداوندی اس قوم کے ساتھ ہے۔"

"بڈھا بہک گیا ہے۔" حمص والوں نے کہا۔

بہار کا موسم آتے ہی مسلمانوں نے حمص پر حملے شروع کر دیے۔ ایک روز اس ارادے کے ساتھ حملہ آور ہوئے کہ شہر فتح کر کے ہی دم لیں گے۔ دشمن کے تیروں کی بوچھاڑ کا مقابلہ کرتے ہوئے وہ فصیل کی طرف بڑھے۔ ان کے جوش اور جذبے کا طرفہ عالم تھا۔ وہ تیروں سے قدم قدم پر زخمی ہو کر گر رہے تھے مگر ان کی پیش قدمی جاری تھی۔ ایک مرتبہ جو انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا تو سارا حمص لرز اٹھا۔ دیواریں گر پڑیں۔ لوگ مضطرب ہو کر گھروں سے نکل آئے۔ تھوڑی دیر کے بعد مسلمانوں نے پھر تکبیر کہی۔ حمص میں پھر زلزلہ آ گیا۔ اہلِ حمص نہایت پریشان ہوئے۔ آخر صلح کر لینے پر آمادہ ہو گئے۔ شہر پناہ پر صلح کا پرچم لہرا دیا گیا۔ مسلمانوں کو کچھ خبر نہ تھی کہ حمص میں کیا ہوا ہے۔ وہ امن و امان اور صلح کشی کو خونریزی پر ہمیشہ ترجیح دیا کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے اہلِ حمص کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا اور انہی شرائط پر صلح کر لی جن شرائط پر دمشق میں کی تھی۔

○

سُورج آگ برسا رہا تھا اور افریقہ کا صحرا تانبے کی بھٹی کی طرح تپ رہا تھا۔ پانی ختم ہوئے تین دن ہو چکے تھے۔ دُور دُور ریت کے سمندر کے سوا

کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ اسلامی فوج کے سپاہی پیاس کے مارے نڈھال ہو رہے تھے۔ اُونٹ تو کئی ہفتے بغیر پانی کے گزارا کر سکتے تھے مگر گھوڑوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ فوج کے کمانڈر عقبہ بن نافع رضؓ سخت مضطرب تھے۔ پانی نہ ملنے کی صورت میں فوج کا ہلاک ہو جانا یقینی تھا۔ مسلمان کا آخری سہارا اللہ کی ذات ہوتی ہے۔ عقبہؓ گھوڑے سے اُترے۔ ساری فوج رُک گئی۔ دو رکعت نماز پڑھی اور بدرگاہِ خداوندی میں ہاتھ اُٹھا دیے:

"مولا یہ تیرے بندے تیری راہ میں نکلے ہیں، تیرا کلمہ بلند کرنے کے لیے۔ تیرے دشمنوں سے لڑنے اور تیرے باغیوں کو سرنگوں کرنے کے لیے۔ بارِالٰہا تو انہیں ہلاک نہ کر۔ ان پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ اے نا اُمیدوں کے مرکز اور مضطرب دلوں کے سہارے!"

عقبہؓ دیر تک تضرع اور زاری کرتے رہے۔ ابھی وہ دعا ختم بھی نہ کر پائے تھے کہ ان کا گھوڑا اپنا سُم زور زور سے زمین پر مارنے لگا اور پھر پانی کا چشمہ اُبل پڑا۔ صحرا کی پہنائیوں میں اللہ اکبر کی آواز گونج اُٹھی۔ اگلے ہی لمحے عقبہؓ اپنے اللہ کے حضور سربسجود پڑے تھے۔ عقبہؓ پیش قدمی کرتے، کفار کو شکست دیتے بحرِ اٹلانٹک کے کنارے پہنچ گئے۔ فرطِ جوش سے اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال دیا اور کہا:

"بارِالٰہا اگر یہ سمندر بیچ میں حائل نہ ہوتا تو جہاں تک تیری زمین ہوتی تیری راہ میں جہاد کرتا چلا جاتا۔"

مسلمان جرنیلوں کی جنگی تدابیر

قادسیہ کا میدان لاشوں سے پٹ گیا تھا۔ گھمسان کا رن پڑ رہا تھا۔ فارس نے اسلامی افواج کے بڑھتے ہوئے تند و تیز سیلاب کو روکنے کے لیے اپنی ساری فوجی قوت جھونک دی تھی۔ مسلمان قلیل التعداد ہونے کے باوجود ایرانیوں کی ٹڈی دل فوج کے مقابلے میں دو روز سے پہاڑ کی طرح جمے ہوئے تھے مگر اب ان کے قدم ڈگمگانے لگے تھے۔ ایرانی فوج کے ہاتھی سب سے زیادہ تباہی لا رہے تھے۔ یہ کالے سیاہ پہاڑ جس طرف رُخ کرتے تھے مسلمانوں کی سوار فوج میں افراتفری مچ جاتی تھی۔ گھوڑے اور اُونٹ ڈر کے مارے بدک جاتے اور بھاگ کھڑے ہوتے۔ انہیں قابو میں رکھنا بڑا مشکل ہو گیا تھا۔ اسلامی افواج کے کمانڈر سعد بن ابی وقاصؓ بیمار تھے اور میدانِ جنگ کے بجائے فیلڈ کیمپ سے کمان کر رہے تھے۔ وہ اس صورتِ حال سے سخت پریشان تھے۔ انہوں نے رسالے کے کمانڈر قعقاع بن عمرو کو پیغام بھیجا: "قعقاع اِن ہاتھیوں سے نبٹنے کی تدبیر کرو۔"

قعقاع سوچ میں پڑ گئے اور پھر ان کے ذہن کی گہرائیوں سے جیسے روشنی کی ایک کرن نمودار ہوئی، ان کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اُونٹوں کی گردن اور سر پر بڑی بڑی سیاہ جھولیں ڈال دی گئیں۔ یہ تدبیر کارگر ہوئی۔ ہاتھیوں کے گرد و پیش ایرانیوں کی گھڑ سوار فوج تھی۔ ایرانیوں کے گھوڑے اُونٹوں کی عجیب و غریب صورت دیکھ کر بھڑک اُٹھے۔ معاً قعقاع اور ان کے بھائی عاصم کے زیرِ کمان دستے نے نیزوں اور تلواروں سے ہاتھیوں پر حملہ کر دیا۔ ایک عجیب عالم تھا۔ ان ہاتھیوں کے آگے آگے ایک سفید ہاتھی تھا۔ قعقاع اور عاصم نے اسے گھیر لیا۔ قعقاع نے

تاک کر اس کی آنکھ میں نیزہ مارا۔ ہاتھی بھڑکا اور خوفناک آواز میں چنگھاڑا۔ نیزے کی ضرب کے ساتھ ہی قعقاع نے تلوار کا وار ایسی پھرتی اور صفائی سے کیا کہ ہاتھی کی سونڈ کٹ گئی اور وہ چنگھاڑتا ہوا بھاگا۔ ادھر دوسرے مسلمان بھی ہاتھیوں سے نبرد آزما تھے۔ سفید ہاتھی کے بھاگتے ہی دوسرے ہاتھی بھی پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے اور اپنی فوج کو روندتے ہوئے نکل گئے۔ ہاتھیوں سے میدان کا صاف ہونا تھا کہ مسلمانوں کے قدم پھر سے جم گئے۔

مؤرخ کہتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کو یہ تدبیر نہ سوجھتی تو نہیں تو دسیہ کے میدان میں شکست ہو جاتی۔

○

فسطاط کا محاصرہ کیے کئی ہفتے گزر گئے۔ مسلمانوں نے شہر فتح کرنے کی بار بار کوشش کی مگر بزنطینی فوج نے ان کا ہر حملہ پسپا کر دیا۔ اسلامی فوج کے کمانڈر عمرو بن العاصؓ نے امیر المومنین عمر بن خطابؓ سے کمک طلب کی۔ چنانچہ زبیر بن العوامؓ کی کمان میں چار ہزار تازہ دم فوج پہنچ گئی جس کے ساتھ منجنیقیں بھی تھیں ان منجنیقوں سے فصیل پر شدید سنگباری کی گئی لیکن مضبوط و مستحکم فصیل بدستور سر اٹھائے کھڑی تھی۔

محاصرہ طول پکڑ رہا تھا اور مسلمانوں کی بے چینی بڑھتی جاتی تھی۔ آخر ایک بہت بڑی سیڑھی تیار کی گئی لیکن اسے شہر پناہ کے ساتھ نصب کرنا کوئی کھیل نہ تھا۔ جونہی سیڑھی اٹھا کر مسلمان شہر پناہ کی طرف بڑھے۔ دشمن نے تیروں کی بارش شروع کر دی۔ بہت سے مسلمان شہید اور زخمی ہو گئے مگر وہ اپنی ڈھالوں کی آڑ

میں دیوانہ وار بڑھتے چلے گئے۔ فصیل کے نیچے پہنچ کر سیڑھی دیوار سے لگا دی گئی۔ زبیرؓ سب سے پہلے سیڑھی پر چڑھے۔ دشمن نے انہیں تیروں کی بے پناہ بوچھاڑ سے روکنا چاہا مگر وہ اسے خاطر میں لائے بغیر اُوپر چڑھتے گئے۔ اب دشمن نے نیزے سنبھال لیے؛ تاہم زبیرؓ فصیل پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کے پیچھے پیچھے چند اور جانباز بھی جا پہنچے۔ اب فصیل پر دست بدست جنگ شروع ہو گئی۔ مسلمان دشمن کو قدم بہ قدم پیچھے دھکیلتے اور راستہ بناتے ہوئے نیچے اُترے اور شہر کا دروازہ کھول دیا۔ مسلمان افواج شہر میں داخل ہو گئیں۔ فسطاط کی فتح کے ساتھ مصر کی فتح کا باب مکمل ہو گیا۔

○

آخر قسطنطنیہ سرنگوں ہو گیا، در رسولِ صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی پوری ہو گئی "تم لوگ قسطنطنیہ فتح کرو گے؛ خوش نصیب ہے وہ فوج اور اس کا سپہ سالار جس کے ہاتھوں یہ کام انجام پائے گا۔"

مسلمان یہ اعزاز حاصل کرنے کے لیے آٹھ سو سال سے جدّ و جہد کر رہے تھے۔ لاکھوں مجاہدین قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے شہید ہو چکے تھے۔ انہی میں ایک بزرگ ترین ہستی میزبان رسول حضرت ابو ایوب انصاری کی تھی۔ لیکن یہ اعزاز عثمانی سلطان محمد ثانی اور اس کے سرفروش ترک سپاہیوں کے لیے مقدر ہو چکا تھا۔

سلطان محمد ثانی تخت پر بیٹھا۔ زمامِ سلطنت ہاتھ میں لیتے ہی اس نے قسطنطنیہ پر حملے کی تیاری شروع کر دی زبردست بحری بیڑہ تیار کیا گیا۔ بھاری بھرکم قلعہ شکن توپیں بنائی گئیں۔ ان میں یک توپ کی نال چالیس بالشت یعنی ۲۰ فٹ

۸ اینچ لمبی تھی جس میں چار بالشت موٹی کانسی استعمال کی گئی۔ نال کی گولائی بارہ بالشت تھی۔ یہ توپ اٹھارہ من کا گولہ پھینکتی تھی۔ آبنائے باسفورس کے ساحل پر قسطنطنیہ کے بالمقابل پہاڑی پر ایک قلعہ تعمیر کیا گیا اور اس پر دُور مار توپیں نصب کر دی گئیں۔ فروری ۱۴۵۳ء میں سلطان ڈیڑھ لاکھ فوج لے کر قسطنطنیہ کی طرف بڑھا۔ ۵ اپریل کو ترک فوجیں قسطنطنیہ کے سامنے پہنچ گئیں اور پڑاؤ ڈال دیا۔

قسطنطنیہ کے محلِ وقوع اور دفاعی استحکامات نے اسے ناقابلِ تسخیر بنا دیا تھا۔ قسطنطنیہ ایک تنگ سے جزیرہ نما پر واقع ہے۔ جنوب اور مشرق میں بحرِ مارمورا ہے۔ شمال کی جانب شاخِ زرین GOLDEN HORN کا دہانہ ہے اور مغرب کی جانب خشکی۔ چونکہ حملہ آور ہمیشہ خشکی کی طرف سے حملہ کرتے تھے اس لیے اس طرف خصوصی دفاعی استحکامات کیے گئے تھے۔ یکے بعد دیگرے تین بلند و بالا فصیلیں تعمیر کی گئی تھیں جن کے درمیان سو فٹ گہری اور سو فٹ چوڑی خندقیں تھیں جنہیں کسی وقت پانی سے بھرا جا سکتا تھا۔ جنوبی اور مشرقی دیواریں بھی نہایت مضبوط و مستحکم تھیں، البتہ جو دیوار شاخِ زرین کے سامنے تھی وہ نسبتاً کمزور تھی۔ چنانچہ شاخِ زرین کے دہانے میں زنجیریں باندھ دی گئی تھیں تاکہ دشمن کے جہاز اس میں داخل نہ ہو سکیں۔

ترک فوجوں نے قسطنطنیہ کو خشکی اور بحرِ مارمورا کی جانب سے گھیر لیا تھا۔ توپوں کی شدید گولہ باری سے کتنی ہی مرتبہ فصیل میں شگاف پڑے مگر محصورین نے جانوں پر کھیل کر انہیں ہر بار ٹھیک کر لیا۔ یونانی آگ کی بے پناہ بارش سے ترک بیڑا بحرِ مارمورا میں فصیل سے دُور رک جانے پر مجبور ہو گیا۔

شاخِ زرّین پر قبضہ کیسے بغیر شہر کو فتح کرنا ممکن نہ تھا مگر سوال یہ تھا کہ بحری بیڑا شاخِ زرّین میں کیسے داخل ہو۔ سلطان محمد ثانی کی ذہانت اور فوجی بصیرت نے آخر اس مسئلے کا حل تلاش کر لیا۔

۲۲ اپریل کو بزنطینیوں نے قسطنطنیہ کی شمالی دیوار سے ایک عجیب منظر دیکھا اور پورے شہر میں خوف و دہشت کی لہر دوڑ گئی۔ سامنے پہاڑی سے دیوہیکل جہاز رسوں کے ذریعے شاخِ زرّین میں اتارے جا رہے تھے۔ یہ جنگی تاریخ کا ایک بے مثال واقعہ تھا۔ آبنائے باسفورس سے شاخِ زرّین کے دہانے تک چوبی تختوں کی ایک سڑک سی بنا دی گئی جسے تیل اور چربی سے مل کر چکنا کر دیا گیا۔ ترک سپاہی ان جہازوں کو اس چوبی سڑک پر دھکیل کر لے آئے تھے۔ بزنطینیوں کی آنکھوں کے سامنے ۷۰ جہاز شاخِ زرّین میں اتار دیے گئے۔ قسطنطنیہ کا محاصرہ مکمل ہو گیا۔ بزنطینی بیڑا مدافعت کے لیے بڑھا مگر شکست کھا کر پیچھے ہٹ گیا۔ دو جہاز ترکوں کی گولہ باری سے ڈوب گئے۔

ترک ۲۶ مئی کو بیرونی خندق کا کچھ حصہ پاٹنے میں کامیاب ہو گئے۔ ۲۹ مئی کو سمندر اور خشکی سے عام ہلّہ بول دیا گیا۔ بزنطینیوں نے حملہ روکنے کی سر توڑ کوشش کی۔ ہزاروں ترک شہید ہو گئے لیکن وہ آگے بڑھتے رہے۔ آخر وہ فصیل پر چڑھ گئے اور شہر کے پھاٹک کھول دیے۔ گلی کوچوں میں خونریز دست بدست جنگ کے بعد بزنطینیوں کو شکست ہوئی۔ شہنشاہ قسطنطین لڑتے لڑتے مارا گیا اور قسطنطنیہ پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔

۹
مثالی حکومت مثالی حکمران

اسلامی حکومت کی پالیسی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب مسلمانوں نے اتفاق رائے
سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ منتخب کیا تو انہوں نے اسلامی ریاست کے سربراہ
کی حیثیت سے اپنی حکومت کی پالیسی واضح کرتے ہوئے اپنی پہلی تقریر میں فرمایا!
"لوگو! میرے کندھوں پر حکومت کی بھاری ذمہ داری ڈال دی گئی ہے حالانکہ میں
تمہارے درمیان بہترین آدمی نہ تھا۔ مجھے تمہارے مشورے اور تعاون کی ضرورت
ہے۔ اگر میں ٹھیک ٹھیک کام کروں تو میرے ساتھ تعاون کرو اور اگر کج رو
ہو جاؤں تو مجھے سیدھا کر دو۔ صدق امانت ہے اور کذب خیانت۔ اللہ نے
چاہا تو میں تمہارے کمزور اور طاقتور افراد کے درمیان کسی قسم کا امتیاز روا نہ رکھوں
گا۔ تمہارے کمزور کو طاقتور سمجھوں گا اور اسے اس کا حق واپس دلاؤں گا۔ تمہارے
طاقتور کو کمزور گردانوں گا اور دوسروں سے چھینا ہوا حق اس سے لے کر حقدار کو
دلاؤں گا۔ جو قوم جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ دیتی ہے اللہ اس کو ذلیل و خوار کر دیتا
ہے۔ جس قوم میں بدکاری عام ہو جاتی ہے، اللہ اس کو گوناگوں مصائب میں
مبتلا کر دیتا ہے۔

"لوگو! جب تک میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت

فرمانبرداری کرتا رہوں، تم بھی میری اطاعت کرو لیکن جب میں اللہ اور اُس کے
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و قوانین کی نافرمانی کروں، تو میری اطاعت نہ کرو۔
ایک بار مسلمان حکمران کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:
"اللہ کے احکام وہی شخص نافذ کر سکتا ہے جو نہ تو دوسروں کی نقالی کرے، نہ
مداہنت سے کام لے اور نہ اہواء اغراض کے پیچھے چلے۔ اللہ کا حکم وہی
شخص نافذ کر سکے گا جس کی قوتِ کار میں کبھی اضمحلال نہ پیدا ہو۔ جو فیاض اور
وسیع القلب ہو اور جو حق کے معاملے میں اپنی جماعت سے نرمی نہ برتے۔
حضرت عمرؓ جب خلیفہ ہوئے تو حضرت علیؓ نے اُن سے فرمایا:
"اگر تم اپنے رفیق تک پہنچنا چاہتے ہو تو اپنی قمیص میں پیوند لگایا کرو،
تہبند اُونچا رکھو، اپنی جوتی خود گانٹھ لیا کرو، موزے میں جوڑ لگا لیا کرو،
اُمیدیں کم کرو اور پیٹ بھر کر نہ کھاؤ۔"

سربراہ کے حدود و اختیارات

اسلامی مملکت کے سربراہ کے حدود و اختیارات کیا ہیں۔ اُسے ملت کی
خدمت کے عوض کس قسم کے حقوق حاصل ہوتے ہیں، نیز اپنے عوام کے ساتھ
اس کا طرزِ عمل کیسا ہونا چاہیے۔ اس کا ذکر دوسرے خلیفہ راشد نے اپنی متعدد
تقریروں میں کیا۔ ایک مرتبہ فرمایا:
"لوگو! کسی شخص کی اطاعت کا حق اتنا اہم نہیں کہ اللہ کی نافرمانی ہوتی
ہو، پھر بھی اُس کی اطاعت کی جائے۔ مجھے مسلمانوں کے مال کے بارے میں
تین ہی باتیں مناسب نظر آتی ہیں۔ اُسے حق کے ساتھ وصول کیا جائے۔ حق کی

راہ میں دیا جائے اور باطل پہ صرف ہونے سے روکا جائے۔ میرا حق تمہارے مال میں بس اتنا ہے، جتنا یتیم کے مال میں اس کے سرپرست کا ہوتا ہے۔ اگر میں دولت مند ہوا تو اس مال میں سے کچھ نہ لوں گا اور اگر ضرورت مند ہوا تو صرف بقدرِ ضرورت کھانے کے لیے لُوں گا۔

"میں کسی شخص کو کسی پہ زیادتی کرنے کا موقع نہ دوں گا۔ ایسا کرنے والے کا ایک گال زمین پر ہوگا اور دوسرا میرے قدموں کے نیچے، یہاں تک کہ وہ حق کے آگے سپر انداز ہو جائے۔

"لوگو، مجھ پر تمہارے کچھ حقوق اور ذمّہ داریاں ہیں۔ میں انہیں شمار کرتا ہوں تاکہ تم اُن کے متعلق میرا احتساب کر سکو۔ میری یہ ذمّہ داری ہے کہ تمہارے خراج اور فے کی رقوم مقررہ طریقوں سے وصول کروں اور جب اموال میرے ہاتھ آ جائیں تو انہیں ٹھیک مصرف پر صرف کروں۔ میری ایک ذمّہ داری یہ بھی ہے کہ میں تمہارے وظائف میں اضافہ کروں، تمہاری سرحدوں کا تحفظ کروں، تمہیں ہلاکت کے منہ میں نہ دھکیلوں اور سرحدوں پر طویل عرصے تک مامور نہ کیے رکھوں۔"

(اپنے عمّال سے خطاب کرتے ہیں) "سنو! میں نے تمہیں آمر و جابر بنا کر نہیں، ہادی و رہنما بنا کر بھیجا ہے تاکہ لوگ تم سے ہدایت حاصل کریں۔ تمہیں چاہیے کہ مسلمانوں کو اُن کے حقوق فراخدلی کے ساتھ عطا کرو، انہیں مار کر ذلیل و خوار نہ کرو۔ نہ اُن کی تعریفیں کر کے انہیں آزمائش میں ڈالو۔ ان کی طرف سے بے فکر ہو کر اور دروازے بند کر کے نہ بیٹھے رہو کہ طاقتور لوگ کمزوروں کو کھا

جائیں۔ ان پر کسی دوسرے کو ترجیح دے کر ظلم نہ کرو۔ اُن کے ساتھ غلامانہ سلوک
نہ کرو۔ اور کفار سے جنگ کرنے میں ان کی قوّت اور استعداد کا پورا لحاظ رکھو۔

"لوگو میں تمہیں شہروں کے گورنروں پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں صرف
اس لیے بھیجا ہے کہ عوام کو دین برحق کی تعلیم دیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی
سُنّت سکھائیں۔ اُن کا مالِ فئے ان کے درمیان تقسیم کریں اور ان کے درمیان
عدل وانصاف برتیں۔"

ایک اور موقع پر فرمایا:

"لوگو ہم تم پر یہ حق رکھتے ہیں کہ ہمارے پیٹھ پیچھے بھی ہماری خیر خواہی کرو
اور بھلائی کے کاموں میں ہمارے ساتھ تعاون کرتے رہو۔ سنو، امام کی بردباری
اور نرم روی سے بڑھ کر اللہ کو کوئی بردباری اور نرم روی عزیز نہیں اور نہ اس
سے بڑھ کر کوئی شے نفع بخش ہے۔ اسی طرح امام کی تند مزاجی اور بے تدبیری
سے زیادہ اللہ کے نزدیک کوئی اور تند مزاجی اور بے تدبیری مبغوض نہیں اور
نہ اس سے بڑھ کر کوئی شے نقصان دہ ہے۔ جو اپنے ماحول میں امن وعافیت
کی راہ اختیار کرتا ہے اسے اُوپر سے بھی امن وعافیت عطا ہوتی ہے۔"

کارکنوں کا معیارِ عمل

اسلامی حکومت کے گورنروں اور انتظامیہ کے حکام کے لیے عمل کا معیار
کیا ہے اور اُن کے فرائض کس نوعیت کے ہیں۔ اس کی نشاندہی خلفائے راشدین
وقتاً فوقتاً کرتے رہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یزید بن ابی سفیانؓ کو شام کی مہم پر امیر بنا کر بھیجا تو

انہیں نصیحت کی:

"اے یزید تمہارے قرابت دار ہیں، ہو سکتا ہے کہ تم اپنے منصب کی بدولت انہیں فائدہ پہنچاؤ۔ قرابا پروری کا یہی وہ سب سے بڑا خطرہ ہے جس سے میں ڈرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کسی شخص کو مسلمانوں کا حاکم مقرر کیا جاتا ہے اور وہ کسی غیر مستحق آدمی کو محض نوازنے کے لیے، فرجنہ دیا ہے۔ اس پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہو۔ اللہ اُس کا کوئی عذر قبول نہ فرمائے گا یہاں تک کہ اس کو جہنم میں داخل کر دے گا۔

○

حضرت عمر فاروقؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا:

"اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ سعادت مند نگران وہ ہے جس کے سبب اُس کی رعایا کو سعادت نصیب ہو اور سب سے بدبخت نگران وہ ہے جس کے ہاتھوں اُس کی رعایا تباہ ہو جائے۔ دیکھو تم راہِ راست سے نہ ہٹنا ورنہ تمہارے عمال بھی کج رو ہو جائیں گے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارا حال اُس جانور کا سا ہوگا جس نے زمین پر کچھ سبزہ دیکھا اور بے صبری سے چرنے لگا اور موٹا ہو جاتا ہے۔

حاکموں کو ایسا ہی ہونا چاہیے جن کی ذات معتبر ہے:

ایک مرتبہ خطبے میں فرمایا:

"میں اپنے افسروں کو تمہارے یہاں اس لیے نہیں بھیجتا کہ وہ تمہارے منہ پر چپت ماریں یا تمہارا مال و دولت چھین لیں۔ بلکہ تمہارے پاس انہیں اس لیے بھیجتا ہوں کہ وہ تمہیں تمہارا دین اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت

سکھائیں۔جس کسی کے ساتھ دین اور سنت سے ہٹا ہوا سلوک کیا جائے اُسے چاہیے کہ اپنا معاملہ میرے سامنے پیش کرے، اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں متعلقہ افسر سے اس مظلوم کا بدلہ لے کر رہوں گا:

حضرت عمرؓ نے بوعبیدہ بن الجراحؓ کو جو شام میں تھے، ایک مکتوب میں تلقین کی۔

"میں تمہیں یک ایسا خط لکھ رہا ہوں جس میں امکانی حد تک میں نے اپنی اور تمہاری خیر خواہی کی ہے۔ پانچ باتوں پر عمل کرو گے، تو تمہارا دین سلامت رہے گا اور تم بہترین اجر کے سزاوار ہو گے۔

۱۔ جب کسی مقدمے کے دونوں فریق تمہارے پاس آئیں۔ تو ضروری ہے کہ عادل گواہیوں اور قابل اعتبار اور واضح قسموں کا مطالبہ کرو۔

۲۔ کمزور کو اپنے قریب آنے دو تاکہ اس کو تقویت ہو اور اس کی زبان کھل سکے

۳۔ غریب الوطن پردیسیوں کی طرف جلد توجہ کیا کرو۔ کیونکہ اگر انہیں زیادہ عرصے تک روکے رکھا گیا، تو وہ بنا کام چھوڑ کر واپس چلے جائیں گے۔

۴۔ ان کا نادم خراب کرنے کی ذمہ داری اس پر ہے جس نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔

۵۔ جب تک کسی مقدمے میں مناسب فیصلے تک نہ پہنچ سکو۔ فریقین میں صلح کرانے کی کوشش کرو۔

○

حضرت عمرؓ نے قبیلۂ ثقیف کے یک شخص کو عکبرا کا عامل مقرر کرتے

ہوئے ارشاد فرمایا:

"دیکھو وہاں جاؤ تو خراج وصول کرنے کے لیے لوگوں کا کوئی جاڑے یا گرمی کا کپڑا فروخت نہ کرنا، نہ غذائی اشیاء جو ان کی ضرورت ہوں، نہ وہ جانور جن کے ذریعے وہ محنت مزدوری کرتے ہوں، نہ ایک درہم کی خاطر کسی کو کوڑا مارنا، نہ کسی کو ایک پاؤں پر کھڑا کرنا، نہ کسی کا سامان نیلام کرنا، کیونکہ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم ان سے صرف ان کی ضروریات سے فاضل اموال وصول کریں۔ اگر تم نے میرے ان احکام کی خلاف ورزی کی تو میرے مواخذے سے پہلے اللہ تم سے مواخذہ کرے گا اور میں تمہیں معزول کر دوں گا۔"

حضرت علیؓ نے اپنے ایک گورنر کعب بن مالک کو لکھا:

"اپنے کام کسی نائب کے سپرد کر دو اور اپنے رفقا کی ایک جماعت ساتھ لے کر سواد کی ایک ایک بستی کا دورہ کرو۔ وہاں کے باشندوں سے ان کے افسروں کے احوال دریافت کرو اور ان کی سیرت اور کردار کا جائزہ لو۔ اللہ نے جو امور تمہارے سپرد کیے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے انجام دو۔

جان رکھو کہ یہ دنیا فانی ہے۔ اس کی زندگی کے بعد آخرت کی زندگی آنے والی ہے اور بنی آدم کے اعمال کا پورا ریکارڈ محفوظ ہے۔ تم جو کچھ کر چکے ہو اس کا بدلہ پاؤ گے اور جو نیکیاں آگے روانہ کر دیں وہ سب تمہارے سامنے آئیں گی، لہٰذا اچھے کام کرو تاکہ اچھا انجام ہو۔"

○

عمر بن عبدالعزیزؒ نے زمام خلافت ہاتھ میں لینے کے بعد مندرجہ ذیل فرمان اسلامی

یہ وہ فرمان ہے جو عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے مختلف صوبوں کے گورنروں کے
نام جاری کیا:

"میں نے تمہیں حکومت کا جو کام سپرد کیا ہے اور جو اختیارات تفویض کیے
ہیں۔ ان کی انجام دہی میں حتی الوسع خدا خوفی سے کام لو۔ اپنی ذمہ داریوں کو پوری
طرح ادا کرو، اللہ کے احکام کی اتباع کرو اور اس کے نواہی سے مجتنب رہو۔
غیر ضروری امور میں الجھنے کے بجائے اپنی ذات، اپنے عمل اور ان امور پر نظر
رکھو جو تمہیں اپنے رب تک پہنچاتے ہیں۔ رعیت کے معاملات اور اس کے ساتھ
اپنے طرزِ عمل پر بھی ہر وقت نگاہ رکھو۔ تم خوب جانتے ہو کہ ذخیرۂ نجات کا انحصار
اس بات پر ہے کہ تم اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہوئے منزلِ مقصود
تک پہنچ جاؤ۔ اس لیے موت کے لیے وہی چیز تیار رکھو جو وہاں کام آنے
والی ہو۔ اپنے اور دوسروں کے ساتھ پیش آنے والے واقعات و حوادث میں
عبرت کا بے پایاں سامان ہے۔ وہ ہمارے وعظ و نصیحت سے زیادہ مؤثر
ثابت ہو سکتے ہیں۔"

ایک عامل (حاکم) نے امیر المومنین عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں لکھا:

"میرا شہر اجڑ رہا ہے۔ اس کی آبادی اور مرمت کے لیے کچھ رقم چاہیے"

عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے جواب میں تحریر کیا:

"اپنے شہر کو عدل و انصاف کے ذریعے مستحکم اور آباد کرو۔ اسے ظلم و ستم اور
بندگانِ خدا کی حق تلفی سے پاک رکھو۔ شہر کی آبادی اور مرمت اس طرح ہوگی۔"

ایک مرتبہ اپنے گورنروں و حکام کے متعلق فرمایا:

جو شخص ہمارا عامل بنے۔ اس میں پانچ باتیں ہونی چاہییں۔

۱۔ لوگوں کی ضروریات کو مجھ تک پہنچائے۔

۲۔ حق و عدل کے خلاف کوئی بات مجھ سے سرزد ہونے لگے تو فوراً ٹوک دے۔

۳۔ حق کے تمام معاملات میں میرے ساتھ تعاون کرے۔

۴۔ امانت و دیانت سے کام لے تاکہ نہ حکومت کے خزانے کو نقصان ہو نہ لوگوں پر زیادتی۔

۵۔ ہمارے سامنے کسی کی چغلی نہ کھائے۔

حکمران عمل کی کسوٹی پر

خلفائے راشدین مثالی اسلامی حکمران تھے۔ اپنی ذات کا کم سے کم بار مسلمانوں کے بیت المال پر ڈالتے۔ عام مسلمانوں کی مشکلات و مصائب میں برابر کے شریک ہوتے اور آخرت کی جوابدہی کے احساس سے ہر وقت بے چین اور مضطرب رہتے۔

پہلے خلیفۂ راشد حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ذریعۂ معاش تجارت تھا۔ بعثتِ نبوی سے پہلے قریش میں سب سے بڑے تاجر اور دولت مند شمار کیے جاتے تھے۔ عہدِ نبویؐ میں بھی یہی مشغلہ جاری رہا۔ خلافت کا بار سر پر آیا۔ تو ان کا سارا وقت مسلمانوں کے معاملات ہی میں صرف ہونے لگا۔ تھوڑی سی فرصت ملتی، تو کپڑوں کے تھان لے کر بازار میں پہنچ جاتے۔ آخر صحابۂ کرامؓ نے آپس میں مشورہ کیا اور وظیفہ مقرر کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عام مسلمانوں کو اس فیصلے کی اطلاع دیتے ہوئے کہا۔

تم جانتے ہو کہ میرا کاروبار میرے اہل و عیال کی حاجت روائی سے قاصر

نہ تھا، لیکن اب جب کہ مسلمانوں کے کام میں دن رات مصروف رہتا ہوں، ابوبکرؓ کا خاندان حسبِ ضرورت ان کے مال سے کھائے گا اور اُن کا کام کرے گا۔"

پھر جب تک زندہ رہے بیت المال سے بس اتنا حاصل کرتے رہے جس سے ان کا اور اہل و عیال کے جسم و رُوح کا رشتہ برقرار رہے اور روزمرہ کی ناگزیر ضروریات پوری ہوتی رہیں۔ روزانہ آدھی بکری کا گوشت، اہل و عیال کے کپڑے اور کھانا یہ ان کا وظیفہ تھا۔ خود انہیں دو چادریں ملتیں، جب پُرانی ہو جاتیں، تو بیت المال کو واپس کر کے دوسری لے لیتے۔ سفر کے وقت سواری بیت المال سے مہیا کی جاتی۔

وفات کے وقت اپنی صاحبزادی حضرت عائشہؓ سے فرمایا:

"جب سے خلافت کا بار میرے کندھوں پر پڑا ہے، میں نے معمولی غذا اور موٹے جھوٹے کپڑے پر قناعت کی ہے۔ مسلمانوں کے مال میں سے میرے پاس ایک حبشی غلام، ایک اُونٹ اور اس پرانی چادر کے سوا جو میرے تن پر ہے اور کچھ نہیں ہے۔ میرے بعد یہ تمام چیزیں عمر بن الخطابؓ (جنہیں جانشین مقرر کر دیا گیا تھا) کو واپس دے کر ان سے بری ہو جانا۔"

اکلِ حلال

ورع و تقویٰ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زندگی کا سب سے درخشاں پہلو تھا۔ اس باب میں آپ زمانہ جاہلیت میں بھی ممتاز تھے۔ ایک بار ایک شخص آپ کو کسی نامعلوم راستے سے لے کر چلا اور بولا: "اس راہ میں ایسے آوارہ منش اور بدمعاش رہتے ہیں کہ اس طرف سے گزرنے میں بھی حیا دامن گیر ہوتی ہے۔"

یہ سنتے ہی آپ رک گئے اور یہ کہہ کر واپس چلے گئے "میرے قدم ایسے شرمناک راستے کی خاک سے آلودہ نہیں ہو سکتے۔"

اسلام لانے کے بعد اس خوبی کو اور جلا ملی۔ ایک مرتبہ ایک غلام نے کھانے کی کوئی چیز لاکر پیش کی۔ تناول فرما چکے تو اس نے کہا: "آپ جانتے ہیں یہ چیز مجھے کہاں سے ملی؟"

فرمایا: "بتاؤ۔"

"میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک شخص کی فال کھولی تھی۔ فال کیا کھولی تھی، یونہی دھوکہ دیا تھا۔ آج اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے اس کے صلے میں یہ کھانا دیا۔" غلام نے کہا۔

یہ سنتے ہی آپ نے منہ میں انگلی ڈال کر جو کچھ کھایا تھا قے کر دیا۔ فرمایا کرتے تھے جو جسم کہ حرام سے پرورش پاتا ہے، جہنم اس کا بہترین ٹھکانا ہے۔

ایمان کی امتیازی نشانی

شرم و حیا حضرت عثمانؓ کا امتیازی وصف تھا۔ اس قدر شرمیلے تھے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حیا کا پاس کرتے تھے۔ ایک بار صحابہ کرامؓ کا مجمع تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے تکلفی کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ زانوئے مبارک کا کچھ حصہ کھلا ہوا تھا۔ حضرت عثمانؓ کے آنے کی اطلاع ملی تو حضورؐ سنبھل کر بیٹھ گئے اور زانوئے مبارک پر کپڑا درست کر لیا۔ اہل محفل نے حضرت عثمانؓ کی آمد پر اس اہتمام خاص کی وجہ پوچھی، تو فرمایا: "عثمانؓ کی حیا سے فرشتے بھی شرماتے ہیں۔"

دیانت وامانت

چوتھے خلیفۂ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں مسلمانوں کی امانت بیت المال کی جس طرح حفاظت فرمائی اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ نارنگیاں آئیں۔ امام حسنؓ اور امام حسینؓ نے ایک نارنگی اٹھا لی۔ جناب امیرؓ نے دیکھا تو چھین کر لوگوں میں تقسیم کر دی۔ مالِ غنیمت تقسیم کرتے تو برابر کے حصے لگا کر بڑی احتیاط سے قرعہ ڈالتے تھے کہ اگر کچھ کمی رہ گئی ہو تو خود اس سے بری ہو جائیں۔ ایک مرتبہ اصفہان سے مال آیا۔ اس میں ایک روٹی بھی تھی۔ حضرت علیؓ نے تمام مال کے ساتھ اس روٹی کے بھی سات ٹکڑے کیے اور قرعہ ڈال کر تقسیم فرمایا۔ ایک بار بیت المال کا تمام اندوختہ تقسیم کر کے اس میں جھاڑو دی اور دو رکعت نماز ادا فرمائی کہ وہ قیامت کے روز ان کی امانت و دیانت کی شاہد رہے۔ آپ کی ذاتِ گرامی زہد و ورع کا نمونہ تھی۔ دنیوی شان و شکوہ سے ذرا دلچسپی نہ تھی۔ کوفہ تشریف لے گئے تو دارالامارت کے بجائے ایک میدان میں فروکش ہوئے اور فرمایا: عمر بن خطابؓ نے ہمیشہ ان عالی شان محلات کو حقارت سے دیکھا۔ مجھے بھی اس کی حاجت نہیں ہے۔ میدان میرے لیے کافی ہے۔ موٹا پیوند زدہ لباس اور روکھی پھیکی غذا ان کے لیے دنیا کی سب سے بڑی نعمت تھی۔ ایک مرتبہ عبداللہ ابن زبیرؓ نے دسترخوان پر پوچھا: امیر المومنین آپ پرندہ کا گوشت پسند نہیں فرماتے؟

فرمایا: ابن زبیرؓ خلیفۂ وقت کو مسلمانوں کے مال میں صرف دو پیالوں کا حق ہے۔ ایک خود کھائے اور اہل و عیال کو کھلائے اور دوسرا خلقِ خدا کے

سامنے پیش کرے۔"

بیت المال پر حکمران کا حق

حضرت عمرؓ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ سادہ کھاتے پیتے اور سادہ پہنتے۔ بیت المال سے ضرورت سے زیادہ ایک کوڑی بھی نہ لیتے تھے۔ مالِ غنیمت آتا تو عام مسلمانوں کے برابر حصہ لیتے۔ ایک مرتبہ کسی نے اُن سے پوچھا:

"اللہ کے مال میں سے آپ اپنے لیے کیا جائز سمجھتے ہیں؟"

فرمایا: "دو جوڑے کپڑے، ایک گرمیوں کے لیے اور دوسرا سردیوں کیلئے۔ حج بیت اللہ اور عمرہ کے لیے ایک احرام، اس کے علاوہ میرے اور میرے گھر کے ہر فرد کے لیے اتنا کھانا جو ایک عام آدمی کے لیے ضروری ہے۔ اس سے نہ کچھ کم نہ کچھ زیادہ۔"

جب کبھی کوئی ہنگامی ضرورت پڑ جاتی تو مسلمانوں کا اجتماع بلاتے اور ان سے اجازت لے کر بیت المال سے کچھ لیتے۔ ایک مرتبہ آپ کی طبیعت ناساز ہوگئی اور دوا کے لیے شہد کی ضرورت پڑی۔ گھر میں شہد نہ تھا، البتہ بیت المال میں موجود تھا۔ منادی کے ذریعے مسلمانوں کو جمع کیا، منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا:

"مجھے دوا کے لیے شہد کی ضرورت ہے۔ اگر تم اجازت دو تو بیت المال سے لے لوں، ورنہ مجھ پر حرام ہے۔"

مسلمانوں نے شہد لینے کی اجازت دی تو بیت المال سے شہد کو ہاتھ لگایا۔

رعایا کے دکھ سُکھ کا فکر

جس زمانے میں عرب شدید قحط سے دوچار تھا۔ حضرت عمرؓ کے پاس

روغنِ زیتون سے چپڑی ہوئی روٹی آئی۔ آپ نے پوچھا "آجکل کیا سب لوگوں کو اس قسم کا کھانا میسر ہے؟" جواب ملا "نہیں"۔ آپ نے اُسی وقت کھانا واپس کر دیا۔ جب تک قحط دُور نہ ہو گیا، نہ گوشت کھایا اور نہ روغنِ زیتون کو ہاتھ لگایا۔

ذمہ داری اور آخرت کی باز پرس کا اس قدر احساس تھا کہ ہر وقت لرزہ براندام رہتے تھے۔ رات کو تنہائی میں بیٹھ کر، رو رو کر اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی دعائیں کرتے۔ ایک دن بیوی نے دیکھ لیا۔ وجہ پوچھی۔ آپ نے ٹالنا چاہا، مگر بیوی نے اصرار کیا تو فرمایا:

"میں اس امت کے چھوٹے بڑے اور سیاہ و سپید سارے معاملات کا ذمہ دار ہوں۔ ملک میں پھیلے ہوئے سارے غریب، فقیر، بے نوا اور گم شدہ قیدی میرے سپرد ہیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان کے متعلق مجھ سے سوال کرے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف سے مدعی ہوں گے۔ میں جب اپنی ذمہ داری اور قیامت کے دن اس کی جواب دہی کا تصور کرتا ہوں، تو مارے خوف کے میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور آنسو نکل آتے ہیں۔ میں اس معاملے پر جس قدر غور کرتا ہوں، اسی قدر میری حالت غیر ہوتی جاتی ہے۔"

بعض لوگ آپ کے گریہ و بکا پر ملامت کرتے، آپ جواب دیتے: "تم لوگ مجھے رونے پر ملامت کرتے ہو، حالانکہ اگر فرات کے کنارے بکری کا ایک بچہ بھی ہلاک ہو جائے تو عمر اس کے بارے میں پکڑا جائے گا۔"

ذمہ داری کا احساس

ایک بدو امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب کی خدمت میں حاضر ہوا

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی سنا ہے کہ مجھے اپنی امت کے فقر و افلاس سے کسی فتنے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ ڈر ہے تو اس بات کا کہ اس پر دولتِ دنیا کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور وہ انہیں برباد کر دے گی (او کما قال)

فارس سے آیا ہوا مال تقسیم ہونے کی خبر دار الخلافہ میں پھیل گئی تھی۔ لوگ جوق در جوق چلے آتے تھے۔ جو بھی آتا دم بخود کھڑا ہو کر دولت کے اس انبار کو دیکھنے لگتا جس سے سورج کی طرح شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ ان سیدھے سادے لوگوں نے ہیرے جواہرات اور موتیوں کا نام تو سنا تھا، مگر زندگی میں پہلی بار دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ سونے چاندی کے زیورات انہوں نے اونچے خوشحال گھرانوں میں بے شک دیکھے تھے، لیکن اس طرح ڈھیروں کے ڈھیر چھوٹی بڑی ڈلیوں کی صورت میں ان کی آنکھیں پہلی بار دیکھ رہی تھیں۔

امیر المومنینؓ نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور دوسرے ساتھیوں سے پوچھا:
"دیکھیے کیا خیال ہے یہ زر و جواہر کس طرح تقسیم کیے جائیں، ہاتھوں سے یا صاع سے ناپ کر؟"

ہر ایک نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ آخر امیر المومنین نے فیصلہ کیا کہ یہ دولت ہاتھوں ہی سے تقسیم کی جائے۔ اس وقت تک دیوان وغیرہ کے رجسٹر تیار نہیں ہوئے تھے، چنانچہ لوگ آتے گئے اور امیر المومنین انہیں اپنے ہاتھ سے ان کا حصہ دیتے گئے۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہونے سے پہلے زر و جواہر کا ایک ذرہ بھی صحن مسجد میں نہ رہا۔

املاک اور جاگیروں سے تم از خود دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہو تو میں انہیں زبردستی چھین کر ان کے اصل مالکوں کو دے دوں گا۔"

بنو امیّہ بڑبڑاتے ہوئے اُٹھے اور چلے گئے۔ ایک بوڑھا اموی تلملاتے ہوئے پکارا۔ عبدالعزیز نے جب عمر بن الخطابؓ کی پوتی سے شادی کی تھی، تو میں نے اسی وقت کہہ دیا تھا کہ ہمارے خون میں عمر فاروقؓ کا خون بھی شامل ہو چلا ہے اور اس کا ایک روز ہمیں خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اُس نے سچ کہا تھا۔ نوجوان عمر بن عبدالعزیز عمر بن خطابؓ کے صاحبزادے عاصم کی بیٹی اُمِ عاصم کا بیٹا ہے۔ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک مرنے سے پہلے اسے اپنا جانشین نامزد کر گیا تھا۔ تختِ خلافت پر قدم رکھتے ہی عمر کی کایا پلٹ ہو گئی۔ وہ سلطنت میں پیدا ہونے والی ایک ایک خرابی کا قلع قمع کرنے پر تلا ہوا تھا اور اس کا آغاز سب سے پہلے شاہی خاندان سے کرنا چاہتا تھا۔

نوجوان خلیفہ قصرِ شاہی سے اُٹھ کر مسجد میں پہنچا۔ عام مسلمان منادی کے ذریعے پہلے ہی جمع ہو چکے تھے۔ وہ منبر پر کھڑا ہوا اور بولا:

"لوگو! بنو امیّہ نے ہمیں عطیات، وہ جاگیریں دیں۔ خدا کی قسم نہ تو انہیں دینے کا کوئی حق تھا ورنہ ہمیں لینے کا۔ اب میں یہ سب ان کے اصلی حقداروں کو واپس کرتا ہوں اور اس کا آغاز اپنی ذات اور خاندان سے کرتا ہوں۔"

لوگوں نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ انہیں اپنی سماعت پر یقین نہ آتا تھا۔ لیکن یقین آتا یا نہیں اپنے عہد کی سب سے بڑی معاشی اصلاح کا اعلان ہو چکا تھا اور پھر ان کی آنکھوں نے جو منظر دیکھا اس سے وہ سب دم بخود

ہوکر رہ گئے۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے غلام کی طرف دیکھا اور کہا: "اسنادِ شاہی کا خریطہ لے آؤ" خریطہ پہلے ہی اُس کے پاس تھا۔ عمر نے خریطہ مزاحم کے حوالے کیا۔ انہوں نے ایک وثیقہ بلند آواز سے پڑھ کر سنایا اور عمر بن عبدالعزیز کو دے دیا۔ عمر کے ہاتھ میں قینچی تھی۔ انہوں نے اس سے اس دستاویز کے پرزے پرزے کر دیے۔ دوسرے وثیقے کا بھی یہی حشر ہوا، پھر تیسرے اور چوتھے کا۔ یہ سلسلہ صبح سے شروع ہوا تھا۔ عمر یکے بعد دیگرے زمینوں اور جاگیروں کے وثیقے قینچی سے کاٹ کاٹ کر پھینک رہے تھے۔ ناگہاں مؤذن نے اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدا بلند کر کے اعلان کیا کہ ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ اور عمر نے آخری دستاویز کے بھی پرزے اُڑا دیے۔

خلافت سے پہلے، خلافت کے بعد

یہی عمر بن عبدالعزیز خلافت سے پہلے بڑی شان و شوکت سے رہتے تھے۔ وہ خود کہا کرتے تھے کہ پورے خاندان میں مجھ سا دلدادۂ عیش اور خوش پوش کوئی نہ تھا۔ مزاج کی نفاست کا یہ حال تھا کہ جب ان کے لباس پر ایک مرتبہ کسی کی نظر پڑ جاتی تھی، تو ان کے نزدیک وہ پرانا ہو جاتا تھا۔ لیکن جب ان پر خلافت کی ذمہ داری آن پڑی، تو اُن کے شب و روز بدل گئے۔ اب حال یہ تھا کہ صرف ایک جوڑا بدن پر ہوتا، وہ بھی پیوند لگا ہوا۔ اسی کو دھو دھو کر پہنتے۔ غذا نہایت معمولی اور سادہ ہوتی تھی۔

عمر بن عبدالعزیز کا انتقال ہوا، تو عالمِ اسلام میں گویا پھر سے گھپ اندھیرا ہو گیا۔ انہوں نے ساڑھے تین برس پہلے جب زمامِ حکومت ہاتھ میں لی تو

ایسا ہی اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ بنوامیہ تلوار کے زور سے مسلمانوں کی گردن پر مسلّط
ہوئے تھے۔ غصب و نہب ان کی پالیسی کا بنیادی پتھر تھا، لیکن عمر بن عبدالعزیز
مسندِ خلافت پر بیٹھے تو اندھیری رات چھٹ گئی۔ ابوبکرؓ و عمرؓ کا دور پلٹ آیا، مسلمانوں
نے سُکھ کا سانس لیا۔ لیکن اب پھر وہی تاریکی تھی اور وہی امتِ مسلمہ۔ عمر کے انتقال سے
مسلمانوں کی روشن امیدیں پھر ختم ہو گئیں۔ یہ غم عمر کے خاندان کا غم نہ تھا، پوری اُمّت
کا غم تھا۔ وہ بنوامیہ کے واحد "بادشاہ" تھے جن کے انتقال پر مسلمانوں کا ایک ایک
گھر ماتم کدہ بن گیا۔ فقہا کا ایک وفد غمزدہ اُمّت کی طرف سے تعزیت کا پیغام لیکر
ان کی بیوی فاطمہ بنت عبدالملک کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اہلِ اسلام کو جو زبردست
صدمہ ہوا تھا، اس کا اظہار کیا اور کہا:

"ہمیں ان کے بارے میں کچھ بتائیے۔ شریکِ حیات سے بڑھ کر کسی شخص
سے اور کون واقف ہو سکتا ہے"۔

فاطمہ نے گہری ٹھنڈی سانس لی اور کہا۔

"خدا کی قسم روزے اور نماز میں وہ آپ لوگوں سے بڑھ کر نہ تھے، لیکن
میں نے خوفِ خدا میں کسی انسان کو ان سے بڑھ کر نہیں پایا۔ اللہ ان پر رحمت
نازل کرے۔ انہوں نے اپنے جسم و جان کی ساری صلاحیتیں عام انسانوں
کے لیے وقف کر دی تھیں۔ عوام کے کاموں کے سلسلے میں دن بھر بیٹھے رہتے
حتٰی کہ شام ہو جاتی۔ پھر بھی کچھ کام باقی رہتے تو رات کے وقت بیٹھ کر انہیں
پورا کرتے۔ ایک روز شام کو لوگوں کے کاموں سے فارغ ہو گئے تو وہ چراغ طلب
کیا جو آپ ذاتی خرچ سے جلایا کرتے تھے۔ دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر اپنی ہتھیلی پر

ٹھوڑی ٹیک کر بیٹھ گئے۔ سپیدہ سحر نمودار ہونے تک اسی حالت میں رہے۔
صبح ہوئی تو روزے سے تھے۔ میں نے عرض کیا: "آج رات کوئی خاص بات تھی
جو میں یہ حال دیکھ رہی ہوں؟" آپ نے فرمایا: "ہاں مجھے خیال آگیا کہ میں اس
پوری اُمّت کے سپید و سیاہ کا ذمّہ دار ہوں۔ پھر مجھے زمین کے مختلف گوشوں
میں پھیلے ہوئے غریب الوطن، خستہ حال بھکاری، محتاج، مفلس، مجبور، مظلوم
قیدی اور اسی قبیل کے دوسرے لوگ یاد آگئے۔ مجھے [illegible] س ہو کہ اللہ
ان سب کے بارے میں مجھ سے محاسبہ کرے گا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
ان کے معاملے میں مجھ سے مقدمہ لڑیں گے۔ میں ڈر گیا کہ خدا کے آگے میرا کوئی
عذر نہ چلے گا اور حضور نبی کریمؐ کو میں کسی دلیل سے بھی قائل نہ کر سکوں گا۔ اس
پر میری رُوح لرز اُٹھی اور مجھ پر خوف طاری ہوگیا۔"

"خدا کی قسم، عمرؓ میرے پاس ہوتے، اچانک انہیں اللہ کا کوئی امر یاد
آجاتا تو اس طرح تڑپنے لگتے جس طرح پانی میں گرنے والی گوریا تڑپتی ہے۔
پھر زور زور سے رونے لگتے۔" پھر فاطمہ نے کہا: "خدا کی قسم میری یہ تمنا
تھی کہ کاش ہمارے اور اس خلافت کے درمیان مشرق و مغرب کی دُوری ہوتی۔"

گورنر اور حکام

حضرت سلمان فارسیؓ مدائن کے گورنر تھے۔ بیت المال سے چار ہزار درہم
مشاہرہ ملتا تھا۔ لیکن ایک درہم بھی اپنے اُوپر صرف نہ کرتے۔ سب کے سب
غریبوں اور مسکینوں میں بانٹ دیتے اور اپنی گزر اوقات کے لیے کھجور کی
چٹائیں بناتے۔ زندگی بھر ذاتی مکان نہ بنایا صرف ایک عبا آپ کے پاس تھی

اس کو آدھا بچھاتے اور آدھا اوڑھ لیتے۔

گورنر کا ساٹھاٹھ باٹھ اور خُو بُو کوئی بات بھی تو ان میں نہ تھی۔ گھر کا سودا سُلف بازار سے خود لاتے۔ زندگی اتنی سادہ تھی کہ اجنبی پہچان نہ پاتے کہ شہر کے گورنر یہی ہیں۔ ایک روز بازار سے آ رہے تھے۔ ایک امیر شخص نے جو آٹے کی بوری خریدنے کے بعد اس انتظار میں تھا کہ کسی غریب کو بیگار میں پکڑ ے انہیں موٹا تاز دیکھ کر بیگار میں پکڑ لیا۔ بوری ان کے سر پر لادی اور گھر کو لے چلا۔ راستے میں ایک واقف کار مل گیا۔ اس نے کہا: "اے امیر و حاکم شہر، لائیے یہ بوجھ میں اُٹھا لوں"۔

ظالم دولت مند نے یہ سُنا تو رنگ فق ہو گیا، قدموں پر گر پڑا اور عذر کرنے لگا کہ بندے سے یہ حرکت نادانستہ ہو گئی۔ مجھے معاف فرمائیے اور بوجھ سر سے اتار ڈالیے۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے جواب دیا: "میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہاری گٹھڑی گھر تک پہنچاؤں گا۔ مجھے اپنا قول پورا کرنے دو"۔ چنانچہ آپ نے بوری اُس کے گھر تک پہنچائی اور اتارنے کے بعد کہا: "میں نے تو تیرا کام کر دیا اب تُو مجھ سے عہد کر کہ آئندہ کسی کو بیگار میں نہیں پکڑے گا"۔ نیز فرمایا: "اتنا بوجھ اٹھایا کر جو اٹھا سکے اور کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرنی پڑے"۔

ایک دن اپنے خادم کو کسی کام کے لیے کہیں بھیجا اور خود آٹا گوندھنے لگے اتنے میں ایک دوست آ گیا۔ پوچھا: "خادم کہاں ہے؟" جواب دیا: "ایک کام سے باہر بھیجا ہے۔ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ اس پر دو کاموں کا بوجھ ڈالوں۔ چنانچہ ایک کام خود کر رہا ہوں اس میں حرج بھی کیا ہے"؟

حمص کے گورنر عمیر بن سعدؓ کو دارالخلافت مدینہ سے امیرالمومنین عمرؓ بن خطاب کا فرمان پہنچا: "مدینہ تشریف لائیے اور اپنی رپورٹ پیش کیجیے۔"

عمیر بن سعدؓ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ عمیرؓ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے شام کی فتوحات میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ وہ بڑے ہی جری اور شجاع سپاہی تھے۔ حضرت عمرؓ نے ایک برس قبل انہیں حمص کا گورنر مقرر کیا تھا۔ اُن کا دستور تھا کہ وہ اپنے گورنروں کی کارکردگی اور طرزِ عمل کا جائزہ لیتے رہتے تھے چنانچہ دیکھنا چاہتے تھے کہ عمیرؓ ان کے اعتماد پر پورے اُترے ہیں یا نہیں۔

کئی دن بعد ایک شخص مسجدِ نبوی میں داخل ہوا۔ وہ ننگے پاؤں تھا۔ جسم غبار سے اَٹا ہوا۔ ایک موٹا سا سونٹا ہاتھ میں تھا۔ چند برتن ایک رسی سے بندھے کندھے پر لٹک رہے تھے۔

حضرت عمرؓ اُسے دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے، آگے بڑھے اور گرمجوشی سے خیر مقدم کیا۔

"عمیرؓ، آ گئے؟ آپ پر سلامتی ہو۔ کیسے کیا حال ہے؟ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا۔

"اللہ کا شکر ہے" عمیرؓ نے امیرالمومنین سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا میرا خط مل گیا تھا یا اپنے آپ ہی چلے آئے؟" امیرالمومنین نے دریافت کیا۔

"آپ کا خط ملا تھا۔ پڑھتے ہی اپنا سارا مال و اسباب لے کر چل کھڑا ہوا۔"

حضرت عمرؓ نے حیرت بھری نظروں سے اُن کی طرف دیکھا۔ عمیرؓ کے پاس کچھ بھی نہ تھا اور وہ کہہ رہے تھے کہ اپنا سارا مال و اسباب لے کر آیا ہوں۔

"کہاں ہے وہ مال و اسباب؟" انہوں نے پوچھا۔ اُن کی آواز میں حیرت کروٹیں سے رہی تھی۔

"کیوں کیا بات ہے؟" عمیرؓ نے کہا۔ "یہ میرا سونٹا ہے۔" انہوں نے اپنا سونٹا زمین پر مارتے ہوئے کہا۔ "سفر کے دوران میں ضرورت پڑتی ہے۔ تو میں اس سے اپنے تحفظ کا کام بھی لیتا ہوں اور تھک جاتا ہوں تو اس کے ساتھ ٹیک لگا لیتا ہوں۔" عمیرؓ سانس لینے کے لیے تھوڑی دیر رُکے اور پھر کندھے پر لٹکتے ہوئے برتنوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "یہ میرا توشہ دان ہے۔ یہ پانی پینے کا کٹورا ہے۔ یہ ناگزیر چیزیں ہیں اور ان میں سے کوئی بھی فالتو نہیں ہے۔" عمیرؓ ایک لمبا سانس لے کر خاموش ہو گئے۔

حضرت عمرؓ خود بڑی سادہ، عیش و تکلف سے پاک زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے، لیکن عمیرؓ تو اُن سے بھی بازی لے گئے تھے۔ ایک شخص حمص ایسے زرخیز اور خوشحال صوبے کا سال بھر گورنر رہے اور یہ سادگی اور یہ زہد! حضرت عمرؓ کو کچھ یوں محسوس ہوا جیسے وہ عمیرؓ کے مقابلے میں بڑی پُر تکلف زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اُن کا جی بھر آیا اور رو پڑے، پھر دُعا کے لیے ہاتھ اٹھایا اور فرمایا:

"اے اللہ اس سے پہلے کہ میرے اندر تبدیلی پیدا ہو مجھے اپنے ان رفیقوں کے ساتھ ملا دے جو اس حجرے میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ اے اللہ مجھے اُن کے سامنے رُسوا نہ کرنا۔"

پھر عمیرؓ کی طرف متوجہ ہوئے "معاف کرنا بھائی، میرے جذبات قابو میں نہ رہے تھے۔ اچھا اپنی کارکردگی بیان کیجیے۔"

"میں نے مسلمانوں سے زکوٰۃ اور غیر مسلموں سے جزیہ لیا اور وہ ان لوگوں نے بے چون وچرا بڑی فرمانبرداری سے دیا۔ پھر میں نے اسے ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا۔ امیرالمومنین اگر ایک درہم بھی باقی بچتا تو بخدا میں اسے آپ کی خدمت میں لے آتا۔" عمیرؓ نے جواب دیا۔

"اچھا، آپ اب واپس تشریف لے جائیے۔" حضرت عمرؓ نے کارکردگی کی رپورٹ سُن کر کہا۔

"میں چند روز اپنے گھر والوں کے پاس رہنا چاہتا ہوں۔" عمیرؓ نے کہا اور حضرت عمرؓ نے اجازت دے دی۔

عمیرؓ اپنے گھر چلے گئے۔ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو ایک تھیلی روپوں کی دی اور کہا:

"حبیب! عمیرؓ کے ہاں مہمان بن کر جاؤ۔ تین دن تک وہاں رہو۔ اگر دیکھو کہ اُن کا گزارہ مشکل سے ہو رہا ہے تو تھیلی انہیں دے دو۔"

حبیب، عمیرؓ کے ہاں پہنچے۔ تین دن تک اُن کے گھر میں رہے اور اُن کے ساتھ کھانا کھاتے۔ سب کھانا بالکل سادہ تھا۔ جَو کی سوکھی روٹیاں، اُوپر زیتون کا تھوڑا سا تیل۔ حبیب نے تھیلی عمیرؓ کو دے دی اور کہا: "امیرالمومنین نے مجھے آپ کا حال دیکھنے کے لیے بھیجا تھا۔" عمیرؓ نے تھیلی لے لی۔ اسے کھولا۔ مٹھی بھر سکے نکالے اور اپنے ایک غریب پڑوسی کو بھجوا دیے۔ عمیرؓ اسی طرح اپنے غریب محلے دار کو

کو رقم بھجواتے رہے۔ یہاں تک کہ تھیلی ختم ہو گئی۔

حبیب نے سارا قصّہ حضرت عمرؓ کو آن کر سنایا۔ انہوں نے عمیرؓ کو بلوایا۔ عمیرؓ حاضر ہوئے۔ تو انہیں کپڑوں کے دو جوڑے اور ایک اُونٹ کے بار برابر گیہوں دیا۔ عمیرؓ نے گیہوں لینے سے انکار کر دیا "میرے ہاں سال بھر کے لیے غلّہ موجود ہے مجھے گیہوں کی حاجت نہیں ہے" عمیرؓ نے کہا۔

چند روز بعد حمص کا گورنر اپنے صوبے کی طرف روانہ ہو رہا تھا۔ اس شان سے کہ پاؤں میں جوتے نہ تھے۔ ہاتھ میں ایک موٹا سونٹا اور کندھے پر ایک رسّی سے بندھے ہوئے تین برتن لٹک رہے تھے۔

○

تونس کی بندرگاہ سوس میں لوگوں کا ہجوم تھا۔ یہ لوگ قاضی ابو عمر محمد کو رخصت کرنے آئے تھے۔ قاضی ابو عمر شمالی افریقہ کے چیف جسٹس تھے اور سسلی جا رہے تھے۔ سسلی کی حکومت نے شمالی افریقہ کی حکومت سے ان کی خدمات مستعار لی تھیں یہ ۲۶۱ھ کا ذکر ہے جب شمالی افریقہ پر بنو اغلب حکمران تھے اور سسلی پر اسلامی پرچم لہرا رہا تھا۔

قاضی ابو عمر نے جہاز پر سوار ہونے سے پہلے مجمع سے خطاب کیا:

"سوس کے لوگو، دیکھو یہ میرا کمبل ہے، یہ میری قمیص ہے اور اس بڑے سے تھیلے میں میری کتابیں ہیں اور دیکھو یہ میری حبشن لونڈی ہے۔ اس کے پاس ایک جُبّہ اور کمبل ہے اور میں ان چیزوں کے ساتھ سسلی جا رہا ہوں۔ اب دیکھتے وہاں سے میں کیا کچھ ساتھ لاتا ہوں۔ اچھا خدا حافظ۔"

سسلی میں قاضی ابو عمر محمد کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا گیا۔ انہیں رہنے کے لیے ایک شاندار قصر ملا۔ قاضی نے محل پر نگاہِ حقارت ڈالی۔ وہ کہا "اتنا بڑا محل میں کیا کروں گا؟ یہ تو بڑے لوگوں کے رہنے کا ہے۔ میں تو اللہ تعالیٰ کا ایک حقیر اور عاجز بندہ ہوں"۔ یہ کہہ کر ایک چھوٹا سا مکان اپنے لیے پسند کیا اور عیش سمیت اس میں فروکش ہو گئے۔

جلد ہی ملک بھر میں قاضی ابو عمر کے زہد و تقویٰ، علم و فضل، فراست و بصیرت اور بے لاگ عدل و انصاف کا چرچا ہو گیا۔ قاضی ایک حبہ تنخواہ بھی نہ لیتے۔ وہ خود اور ان کی لونڈی سُوت کات کات کر گزر بسر کرتے۔ ایک روز وہ عدالت سے غیر حاضر رہے۔ لوگ انہیں دیکھنے ان کے گھر پہنچے اور ششدر رہ گئے۔ قاضی صاحب چھوٹے سے حجرے میں کھری چٹائی پر دراز تھے۔ بجز اسا تکیہ سر کے نیچے تھا۔ لوگوں کو دیکھ کر اُٹھ بیٹھے اور کہا "دوستو، میں نے مقدور بھر آپ کی خدمت کی ہے۔ اب میں بُوڑھا ہو گیا ہوں۔ اتنا بُوڑھا کہ بارِ گراں اٹھانے کے قابل نہیں رہا۔ میں نے امیر سے کہا ہے، مجھے سبکدوش کر دیجئے۔ میں زندگی کے آخری دن اپنے وطن میں گزارنا چاہتا ہوں"۔

قاضی صاحب کی درخواست منظور کر لی گئی۔ سسلی کے لوگوں نے اشکبار آنکھوں سے انہیں رخصت کیا۔

سوس کی بندرگاہ پر زبردست ہجوم تھا اور قاضی ابو عمر ان سے کہہ رہے تھے: "سوس کے لوگو! میں آپ کے درمیان پھر آ گیا ہوں۔ دیکھو جو مال و دولت ساتھ لیکر گیا تھا وہی واپس لایا ہوں۔ آپ لوگ گواہ رہیں۔ میں نے اپنے منصب سے

کوئی ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا۔"

تنقید و احتساب

امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ نے لوگوں کو اپنی حکومت اور اپنے عمّال پر نکتہ چینی کی کھلی آزادی دے رکھی تھی، چنانچہ معمولی سے معمولی فرد بھی خود خلیفۂ وقت کا احتساب کرنے سے نہ ہچکچاتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے کئی بار حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا: "اِتَّقِ اللّٰہَ یَا عُمَرُ اے عمر اللہ سے ڈرو۔" حاضرین میں سے ایک شخص نے اسے ٹوکا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "انہیں کہنے دو اگر یہ لوگ نہ کہیں تو بے مصرف ہیں اور اگر ہم ان کی نہ مانیں تو ہمارا کوئی فائدہ نہیں۔"

وہ اپنے عہد کے عظیم فاتح، حکومت اور قوم کے امیر تھے، لیکن زہد و قناعت کا یہ حال تھا کہ جسم کبھی نرم اور ملائم کپڑے سے مَس نہ ہوا۔ بدن پر بارہ بارہ پیوند کا کرتہ۔ سر پر پھٹا ہوا عمامہ اور پاؤں میں پھٹی ہوئی جوتیاں ہوتی تھیں۔ اسی حالت میں وہ قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے ملتے اور وفود ان کی بارگاہ میں باریاب ہوتے۔ ایک مرتبہ اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ اور آپ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ نے کہا "امیر المومنین! اب اللہ نے خوشحال کر دیا ہے۔ بادشاہوں کے سفیر اور قبائلِ عرب کے وفود آتے رہتے ہیں اس لیے آپ کو اپنا طرزِ معاشرت بدلنا چاہیے۔ فرمایا: "افسوس! تم دونوں اہلِ ایمان کی مائیں ہو کر مجھے دنیا طلبی کی ترغیب دیتی ہو۔ عائشہؓ! تم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اس حالت کو بھول گئیں کہ تمہارے گھر میں صرف ایک کپڑا تھا جس کو دن کے وقت بچھاتے تھے اور رات کو اوڑھتے تھے۔ حفصہؓ تمہیں یاد نہیں؟ ایک مرتبہ تم نے فرش

پر کپڑا دوہرا کر کے بچھا دیا تھا۔ اس کی نرمی کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر سوتے رہے، تہجد کے لیے نہ اُٹھ سکے۔ بلالؓ نے اذانِ صبح دی تو آنکھ کھلی۔ اس وقت آپ نے فرمایا: "حفصہؓ تم نے یہ کیا کیا؟ مجھے دنیاوی راحت سے کیا تعلق ہے بستر کی نرمی کی وجہ سے تم نے مجھے کیوں غافل کر دیا؟"

○

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ نے زمامِ خلافت ہاتھ میں لی تو ابوعبیدہ بن جراحؓ اور معاذ بن جبلؓ نے انہیں حسبِ ذیل مشترکہ خط لکھا:

"اے عمرؓ آپ پر سلامتی ہو۔

ہم نے آپ کو اس حال میں دیکھا ہے کہ آپ اپنی ذاتی صلاح و تربیت کی فکر میں گم رہتے تھے اور اب آپ پر پوری اُمت کی ذمے داری آن پڑی ہے۔ امیرالمؤمنین آپ کی مجلس میں اعلیٰ و ادنیٰ اور شریف و وضیع ہر قسم کے لوگ بیٹھیں گے۔ دشمن بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور دوست بھی، اور ہر شخص عدل و انصاف سے بہرہ ور ہونے کا حقدار ہے۔ اے عمرؓ ذرا سوچیے، ایسی حالت میں آپ کیا طرزِ عمل اختیار کریں گے۔ ہم آپ کو اس دن سے ڈراتے ہیں جب خدائے جبار کے سامنے لوگ سرنگوں کھڑے ہوں گے، دل خوف و دہشت سے لرز رہے ہوں گے اور خدائے جبار و قہار کے آگے ان کی ساری حجت بازیاں بے کار ہو کر رہ جائیں گی۔ اس روز سب لوگ اس کے حضور

عاجز و ناتواں اور بے بس ہوں گے۔ اُس کی رحمت کے امیدوار اور اُس کے
عذاب سے لرزاں و ترساں۔

ہم سے یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ آخری زمانے میں اس اُمت کا معاملہ
ایسے لوگوں کے ہاتھ میں چلا جائے گا جو ظاہر میں تو دوست ہوں گے اور درپردہ
دشمن۔ (ظاہر میں وہ اُمت کی بہی خواہی کے مدعی ہوں گے، لیکن عملاً اس کے ساتھ
بدخواہی کریں گے)

اور ہم اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ ہمارے اس خط کو آپ وہ
حیثیت نہ دیں جس کا وہ حقیقی مستحق ہے۔ ہم نے یہ خط صرف خلوص اور بہی خواہی
کے جذبے سے آپ کو لکھا ہے۔ والسلام علیک۔"

حضرت عمرؓ نے اس خط کے جواب میں ان حضرات کو لکھا:

"تم دونوں پر سلامتی ہو!

تمہارا مشترکہ خط ملا۔ میں اس کے جواب میں اور کیا کہوں کہ عمر کے پاس نہ تدبیر
ہے نہ قوت۔ یہ سرمایہ اگر مل سکتا ہے تو صرف اللہ کی طرف سے۔ تم نے مجھے
اس انجام سے ڈرایا ہے جس سے ہمارے پیشرو لوگ ڈرائے گئے تھے۔
شب و روز کی یہ گردش جو انسانوں کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے، اُس چیز کو جو
دور ہے قریب لا رہی ہے، ہر نئی چیز کو بوسیدہ بناتی چلی جاتی ہے اور ہر پیشین گوئی
پوری ہوتی جا رہی ہے۔ حتیٰ کہ دنیا کی عمر ختم ہو جائے گی اور آخرت نمودار ہو گی
جب ہر شخص جنت یا جہنم میں پہنچ جائے گا۔ تم نے اپنے خط میں اس بات سے
بھی ڈرایا ہے کہ اس اُمت کا معاملہ آخر زمانے میں ایسے لوگوں کے ہاتھ میں

چلا جائے گا جو بظاہر اس کے دوست ہوں گے، مگر درپردہ دشمن۔ یاد رکھو تم وہ لوگ نہیں ہو جن کے بارے میں یہ خبر دی گئی ہے۔ نہ یہ زمانہ وہ زمانہ ہے۔ وہ وقت تو ایسا ہو گا جب لوگ ایک دوسرے کی طرف راغب ہوں گے تو دنیاوی مفادات کی خاطر اور ایک دوسرے سے ڈریں گے، تو دنیاوی مفادات کے لیے۔ تم نے لکھا ہے کہ اللہ کی پناہ، میں تمہارے خط سے کوئی غلط تاثر لوں۔ بلاشبہ تم سچ کہتے ہو۔ تم نے جذبۂ خیر خواہی سے لکھا ہے۔ آئندہ خط لکھنے بند نہ کر دینا۔ میں تم دونوں کی نصیحت سے کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ والسلام

○

حج کا زمانہ تھا۔ اسلامی مملکت کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے لوگ عرفات کے میدان میں جمع تھے۔ امیر المومنین عمر بن الخطابؓ نے حج سے پہلے اپنے گورنروں کے نام فرمان جاری کیا تھا کہ وہ سب حج کے موقع پر ان سے ملیں۔ چنانچہ تمام گورنر بھی موجود تھے۔ عمر بن الخطابؓ خطبے کے لیے کھڑے ہوئے۔ اللہ کی حمد و ثنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و صلوٰۃ کے بعد مسلمانوں کو تقویٰ اور خدا ترسی کی زندگی اختیار کرنے کی تلقین کی پھر فرمایا:

"لوگو! میں نے اپنے عمال کو اس لیے بھیجا ہے کہ وہ سختی اور زیادتی کے ساتھ تمہاری معاشرت کی دیکھ بھال کریں۔ اس لیے نہیں کہ تمہارے [illegible] سے کھینچیں اور عزت و آبرو پہ دست درازی کریں۔ اگر کسی شخص پر ان میں سے کسی نے کوئی ظلم کیا ہے، تو وہ کھڑا ہو جائے۔"

پورے مجمع پر سناٹا طاری ہو گیا۔ لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

دُور دُور تک کوئی آدمی کھڑا دکھائی نہ دیتا تھا۔ پھر ایک شخص آہستہ آہستہ اُٹھا اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ جزیرۃ العرب، فارس، شام اور مصر تک پھیلی ہوئی وسیع و عریض سلطنت میں صرف ایک آدمی تھا جو سارے مجمع میں شاکی تھا، پھر اس کی آواز بلند ہوئی:

"امیرالمومنین، آپ کے عامل نے مجھے بے قصور سو کوڑے مارے ہیں۔"

مجمع کی خاموشی اور گہری ہو گئی۔ امیرالمومنین کے چہرے پر غصے کی لہر دوڑ گئی۔ اس عامل سے دریافت کیا۔ اُس نے بے چون و چرا اپنے قصور کا اعتراف کر لیا۔ عمرؓ نے فریادی سے پوچھا:

"کیا تم بھی اسے سو کوڑے مارنا چاہتے ہو؟ آؤ اس شخص سے قصاص لو۔"

عجیب نظارہ تھا۔ ظالم و مظلوم دونوں کھڑے تھے۔ ظالم کا رنگ فق تھا۔ بدن پر رعشہ طاری تھا۔ عمرؓ کے آگے کس کی مجال تھی کہ چون و چرا کرتا۔ وہ جس نے اپنے بیٹے پر حد جاری کرنے سے دریغ نہ کیا تھا، ایک ظالم عامل اُس کے احتساب سے کیسے بچ سکتا تھا؟ سب دم بخود بیٹھے تھے۔ مظلوم کے ہاتھ میں کوڑا دے دیا گیا۔ عامل نے اپنے ساتھیوں پر ایک نظر ڈالی جیسے بزبانِ خاموش کہہ رہا ہو:

کوئی تو اُٹھے اور اس فضیحت اور رسوائی سے بچا سکے۔

مصر کے گورنر عمرو بن العاصؓ ہمت کر کے اُٹھے اور بڑے پست لہجے میں عرض کیا:

"امیرالمومنین اگر آپ اپنے عمال کے متعلق یہ پالیسی اختیار کریں گے، تو ان پر بڑی شاق گزرے گی۔ یہ ایک مستقل روایت بن جائے گی جسے آپ کے بعد آنے

والے بھی اختیار کر لیں گے"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس عامل سے اس شخص کا قصاص نہ لوں جب کہ میری ان آنکھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنے سے قصاص لیتے دیکھا ہے۔ اے شخص، آگے بڑھو اور قصاص لو۔" عمرؓ نے جواب دیا۔

"اچھا تو ہمیں اجازت دیجیے کہ ہم اس شخص سے کسی طرح راضی نامہ کر لیں۔" عمرو بن العاصؓ نے پھر عرض کیا۔

"ہاں اگر یہ کسی بات پر راضی ہو جاتا ہے، تو مجھے کوئی اعتراض نہیں"۔

گورنروں کی جان میں جان آگئی۔ انہوں نے اس شخص کو گھیر لیا۔ بڑی منت سماجت کے بعد وہ فی کوڑا دو دینار کے حساب سے دو سو دینار زرِ فدیہ لینے پر رضامند ہو گیا۔

امیر المومنین عمرؓ نے اپنے عمال سے پھر خطاب کیا اور فرمایا۔

"سنو، تم لوگ مسلمانوں کو مار کر انہیں ذلیل و خوار نہ کرو، ان کی حق تلفی کر کے انہیں کفر کی طرف مت دھکیلو اور انہیں لے کر جنگلوں اور دلدلوں میں نہ گھسو کہ وہ تباہ و برباد ہو جائیں"۔

○

امیر المومنین عمر بن خطابؓ کو شکایت پہنچی کہ مصر کے گورنر عمرو بن العاصؓ نے خاصی دولت اکٹھی کر لی ہے۔ محکمۂ احتساب کے افسرِ اعلیٰ محمد بن مسلمہؓ کو طلب کیا اور ایک فرمان دے کر مصر روانہ فرمایا۔ فرمان میں لکھا تھا: "محمد بن مسلمہؓ آتے ہیں۔ اپنی ساری دولت ان کے سامنے رکھ دو، یہ جس قدر مناسب سمجھیں گے

لے لیں گے۔"

محمد بن مسلمہؓ فسطاط پہنچے۔ عمروؓ بڑے تپاک سے پیش آئے۔ قصرِ امارت میں ٹھہرایا اور ہدیہ بھیجا۔ انہوں نے واپس کر دیا۔ عمروؓ کو بڑا ملال ہوا۔ کہا: "تم نے میرا ہدیہ واپس کر دیا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا تھا۔"

"اُس ہدیے اور اِس میں بڑا فرق ہے، اِس میں تو بُرائی پوشیدہ ہے۔"

کھانے کے وقت دونوں بزرگ دسترخوان پر بیٹھے۔ کھانا خاصا پُر تکلف تھا، مگر محمد بن مسلمہؓ نے ہاتھ تک نہ لگایا۔ "کیا عمرؓ نے تمہیں میرا طعام کھانے سے روکا ہے؟" عمروؓ نے پوچھا۔

"نہیں، روکا تو نہیں، انہوں نے حکم بھی نہیں دیا۔" محمد بن مسلمہؓ نے جواب دیا، پھر اپنے تھیلے میں سے جَو کی روٹی نکالی۔ اُس پر نمک چھڑکا اور کھانے لگے کھانے کے بعد باتیں شروع ہوئیں۔ عمروؓ خاصے برہم تھے۔ کہنے لگے: "خدا اُس دن کا بُرا کرے جب میں نے عمر بن الخطّاب کا والی بننا قبول کیا۔ میں نے وہ زمانہ دیکھا ہے جب عاص بن وائل (عمروؓ کے باپ کا نام ہے) کمخواب و دیبا کی قبا زیبِ تن کرتے تھے اور خطّاب لکڑیوں کا گٹھا لادے پھرتا تھا اور عمرؓ کا حال یہ تھا کہ بکری کے بالوں کا ایک کُرتا ہوتا تھا جس سے پورا جسم بھی نہیں ڈھکتا تھا۔ آج وہ مجھ پر حکمرانی جتا رہا ہے۔"

"تمہارا باپ عاص اور خطّاب دونوں جہنّم کے کندے ہیں، رہا تمہارا اَمر، تو عمرؓ تم سے کہیں بہتر ہیں اور اگر وہ تمہیں گورنر نہ بناتے تو آج کتے کی کسی گھاٹی میں بکریوں کا دُودھ دوہتے ہوئے نظر آتے۔"

اور بھی کئی گرما گرم باتیں ہوئیں۔ آخر عمرؓو نے اپنی ساری دولت محمد بن مسلمہؓ کے سامنے پیش کر دی۔ انہوں نے ایک معقول حصہ بیت المال میں جمع کر دیا اور باقی واپس کر دی۔

محمد بن مسلمہؓ مدینے روانہ ہوئے تو عمرؓو دور تک انہیں چھوڑنے گئے اور گلے لگ کر رخصت ہوئے۔

○

امیر المومنین عمرؓ بن خطاب اپنے احباب کی محفل میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے عرض کی: "آپ گورنر بناتے ہیں تو اس پر شرائط عائد کرتے ہیں، مگر پھر نہیں دیکھتے کہ وہ ان شرائط کی پابندی کر رہا ہے یا نہیں؟"

حضرت عمرؓ کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے اور جوابدہی کا خوف آلیتا ہے۔ پوچھتے ہیں: "کیوں بھائی کیا بات ہے؟ کس گورنر کی بات کر رہے ہو؟"

"مصر کے گورنر عیاض بن غنمؓ کی۔ وہ آپ کی شرائط کی پابندی نہیں کرتا۔ ان کی خلاف ورزی کرتا ہے۔"

امیر المومنین اسی وقت دو آدمیوں کا ایک تحقیقاتی کمیشن روانہ کرتے ہیں کہ جاؤ صورتِ حال کا پتہ کرو، اگر یہ شخص سچ کہتا ہے تو اسے میرے پاس لے آؤ۔"

دونوں اصحاب مصر پہنچتے ہیں اور لوگوں سے دریافت کرتے ہیں۔ شکایت درست نکلتی ہے۔ پھر گورنر ہاؤس پہنچتے ہیں اور باریابی کی اجازت چاہتے ہیں۔

"اس وقت ملنے کی اجازت نہیں۔" گورنر کہلا بھیجتا ہے۔

"نہیں کہو باہر نکلیں ورنہ ہم دروازے کو آگ لگا دیں گے۔" امیر المومنینؓ کے

فرستادہ کہتے ہیں۔ ایک جاکر آگ لے آتا ہے۔ گورنر کو خبر ملتی ہے تو وہ باہر نکل آتے ہیں۔

"ہم عمرؓ بن الخطاب کے قاصد ہیں۔ آپ کو ابھی ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔" دونوں کہتے ہیں۔

عیاضؓ کہتے ہیں۔ "ذرا ٹھہر لیے، میں زادِ راہ لے لوں۔" قاصد کہتے ہیں۔ "نہیں آپ گھر نہیں جا سکتے۔" وہیں باہر ہی سے انہیں ساتھ لیتے اور منزلوں پہ منزلیں طے کرتے ہوئے امیرالمومنینؓ کی خدمت میں لا حاضر کرتے ہیں۔

عیاضؓ بدو تھے، مصر کی آب وہوا میں خاصے گورے چٹے اور موٹے ہو گئے تھے۔ سلام کرتے ہیں، تو امیرالمومنینؓ پوچھتے ہیں: "افسوس ہے تو کون ہے؟"

"عیاض بن غنمؓ، آپ کا گورنر مصر۔"

"میں نے تمہیں گورنر کچھ شرائط پہ بنایا تھا، مگر تم نے انہیں قابلِ اعتنا تک نہیں سمجھا ان کی خلاف ورزی کی، بخدا میں تمہیں سخت سزا دوں گا۔" پھر عمرؓ اپنے غلام کو حکم دیتے ہیں "اون کا ایک جبہ، ایک لاٹھی اور بیت المال کی تین سو بکریاں لاؤ۔"

حکم کی تعمیل ہوتی ہے۔

"یہ جبہ، لاٹھی اور بکریاں لو اور فلاں جگہ چلے جاؤ اور چراؤ۔" امیرالمومنین عیاضؓ سے کہتے ہیں۔

گرمیوں کا موسم اور پھر یہ مشقت۔ عیاض بن غنمؓ سناٹے میں آجاتے ہیں۔ وہ تذبذب کے عالم میں کھڑے ہیں۔ انکار کی مجال ہے اور نہ تعمیل کا یارا۔ انہیں

متذبذب پاکر امیر المومنینؓ کہتے ہیں: "کیوں؟ تمہیں تامّل ہے؟ میں نے تمہارے باپ کو دیکھا ہے۔ یہ جبہ اُس کے چغے سے اور یہ لاٹھی اُس کی لاٹھی سے بہتر ہے۔ اُٹھو اور بکریاں لے جاؤ اور چراؤ۔۔۔ ہاں کسی سائل کو اس کے دُودھ سے محروم نہ رکھنا۔ یہ بھی جان لو کہ عمرؓ کے گھر والوں نے بیت المال کی ان بکریوں سے کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ نہ دُودھ پیا اور نہ ان کا گوشت ہی کھایا۔"

عیاض بن غنمؓ ابھی تک دم بخود کھڑے ہیں۔ عمرؓ فرماتے ہیں: "سنا نہیں میں کیا کہہ رہا ہوں؟"

عیاضؓ پھر بھی چُپ رہتے ہیں۔ عمرؓ تین بار یہی الفاظ کہتے ہیں۔ تیسری بار عیاضؓ زمین پر گر پڑتے ہیں، مگر عمرؓ کا فیصلہ اٹل ہے، وہ اپنی سزا نافذ کر کے رہتے ہیں۔ چند روز بعد عیاضؓ کو طلب کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

"اب اگر میں تمہیں واپس مصر بھیج دوں اور تمہارا منصب بحال کر دوں، تو تم کیسے انسان ثابت ہو گے؟"

"جیسا آپ چاہیں گے۔" عیاضؓ جواب دیتے ہیں۔

امیر المومنین انہیں گورنری پر بحال کر دیتے ہیں۔ عیاضؓ مصر پہنچتے ہیں تو وہ بالکل بدلے ہوئے انسان ہیں۔ عمر کے دُرّۂ احتساب نے ان کی گورنری کے کس بل نکال دیئے ہیں۔

اور پھر وہ بہترین گورنر ثابت ہوتے ہیں۔